چند افسانے

1926

اردلی دل مین مجھے نفرین کرتا ہوا چلا گیا۔

مگر میری حیرت کی کوئی انتہا نہ رہی جب وہان ایک ہفتہ تک مقیم رہنے پر بھی مجھے کنور صاحب سے نیاز نہ حاصل ہوا۔ اپنے عملون اور لشکروالون کی زبان سے کنور صاحب کی سرکشی، اور غرور اور ہیکڑی کی داستانین روز سُنا کرتا۔ اور میرے جہاندیدہ پیشکار نے ایسے نامہربان نوارگانون مین پڑاؤ ڈالنے کے لئے مجھے کئی بار کنایتہً فہمایش کی۔ غالبًا مین پہلا شخص تھا جس سے یہ خطا سرزد ہوئی تھی اور اگر مین نے ضلع کے نقشے کے بجائے لشکروالون سے اپنے دورہ کا پروگرام بنانے مین مدد لی ہوتی تو شاید اس ناگوار تجربہ کی نوبت نہ آتی۔ لیکن کچھ عجیب بات تھی کہ کنور صاحب کی مذمت مجھپر اثر ڈالتی تھی یہانتک کہ مجھے اس شخص سے ملاقات کرنے کا اشتیاق ہوا۔ جو ہم لوگون اور ہمکن افسرون سے اسقدر بے نیاز رہ سکتا ہے!

— (۲) —

صبح کا وقت تھا۔ مین گڈھی مین گیا۔ نیچے سرجو ندی لہرین مار رہی تھی۔ اُس پار ساکھو کا جنگل تھا۔ میلون تک بادامی ریت۔ اُس پر خربوزہ اور تربوز کی کیاریان تھین زرد پھولون سے لہراتی ہوئی۔ بگلون اور مرغابیون کے غول نیچے بیٹھے ہوئے تھے سورج دیوتا نے جنگلون سے سر نکالا۔ لہرین جگمگائین۔ پانی مین تارے نکلے۔ سُہانا روح افزا منظر تھا۔

مین نے اطلاع کی اور کنور صاحب کے دیوان خانہ مین داخل ہوا۔ وسیع کمرہ تھا فرش سے آراستہ سامنے مسند پر ایک نہایت قوی ہیکل شخص بیٹھا ہوا تھا۔ سر کے بال منڈے ہوئے۔ گلے مین رودراکش کی ایک مالا۔ سرخ آنکھین اونچی پیشانی۔ مردانہ غرور کی اس سے بہتر تصویر نہین ہو سکتی۔ چہرہ سے ہیبت اور رُعب برستا تھا۔

کنور صاحب نے میرے سلام کو اس انداز سے لیا گویا وہ اسکے عادی ہین

مسند سے اُٹھکر اُنھون نے نہایت مربیانہ انداز سے میرا مصافحہ کیا۔ خیریت پوچھی۔ اور اس تکلیف کے لئے میرا شکریہ ادا کرنے کے بعد عطر پان کی تواضع کی۔ تب وہ مجھے گڑھی کی سیر کرانے چلے۔ جسنے کسی زمانہ مین ضرور آصف الدولہ کو زچ کیا ہوگا۔ مگر اسوقت شکستہ حال تھی۔ یہان کے ایک ایک روڑے پر کنور صاحب کو ناز تھا۔ انکی خاندانی عظمت اور اقتدار کا تذکرہ انکی زبان سے سُنکر باور نہ کرنا غیر ممکن تھا۔ انکا طرز بیان یقین کو مجبور کرتا تھا اور وہ ان روایات کے محض پاسبان نہ تھے۔ یہ انکے ایمان کا جزو تھین۔ اور جسقدر انکے امکان مین تھا اُنھون نے اپنی آن نبھانے مین کبھی فروگذاشت نہین کی۔

کنور سجن سنگھ خاندانی رئیس تھے۔ انکا سلسلۂ نسب چار بجانوشتا ہوا آخر کسی مہا رشی سے ملجاتا تھا۔ گو انھین رب عبادت و ریاضت کا دعویٰ نہ تھا۔ لیکن اس کا فخر ضرور تھا کہ وہ ایک رشی کی اولاد ہین۔ بزرگون کے جنگی کارنامے بھی انکے لئے کچھ کم باعث فخر نہ تھے۔ انکا تاریخ مین کہین ذکر ہو۔ مگر خاندانی بھاٹ نے انھین امر بنانے مین کوئی کسر نہین رکھی تھی۔ اور اگر الفاظ مین کچھ طاقت ہے تو یہ گڑھی روہتاس یا کالنجر کے قلعون پر بھی سبقت رکھتی تھی۔ کم سے کم قدامت اور پامالی کی ظاہری علامتون مین تو اسکی مثال مشکل سے ملسکتی تھی۔ کیونکہ زمانہ قدیم مین چاہے اسنے محاصرون اور سرنگون کو حقیر سمجھا ہو۔ لیکن اسوقت وہ چیونٹیون اور دیمکون کے حملون کی بھی مدافعت نکرسکتی تھی۔

کنور سجن سنگھ سے میری ملاقات بہت مختصر تھی۔ لیکن اس دلچسپ انسان نے مجھے ہمیشہ کے لیئے اپنا گرویدہ بنا لیا۔ نہایت ذکی۔ نکتہ سنج، دور رس آدمی تھا جس سے ملنا اُسکا بندۂ بے درم ہونا تھا۔

(۳)

برسات مین سرجو ندی اس زور شور سے چڑھی کہ ہزارون گانون غارت ہوگئے۔ بڑے بڑے تناور درخت تنکون کی طرح بہتے چلے جاتے تھے۔ چار پائیون پر سوتے ہوئے

ننھے بچے اور عورتیں کھونٹے پر بندھے ہوئے گائے اور بیل اسکی گرجتی ہوئی لہروں میں سما گئے کھیتوں میں ناؤ چلتی تھی -

شہر میں اڑتی ہوئی خبریں پہنچیں - امداد کے رزولیوشن پاس ہوئے - سیکڑوں بنے ہمدردی اور رنج کے ارجنٹ تار ضلع کے بڑے صاحب کی خدمت میں روانہ کیے ٹاؤن حال میں قومی ہمدردی کی پرشور صدائیں بلند ہوئیں - اور اس ہنگامے میں ستم رسیدوں کے پُردرد نالے دب گئے -

سرکار کے کانوں میں فریاد پہنچی - ایک تحقیقاتی کمیشن تعینات کی گئی - زمینداروں کو حکم ہوا کہ وہ کمیشن کے روبرو اپنے نقصانات کی تفصیل بیان کریں - اور اسکے ثبوت دیں - شیورام پور کے مہاراجہ صاحب کو اس کمیشن کی صدارت کا منصب عطا ہوا - زمینداروں میں ریل پیل شروع ہوئی - نصیب جاگے - نقصانات کے تخمینہ کے تصفیہ میں شاعرانہ سخن شناسی سے کام لینا پڑا - صبح سے شام تک کمیشن کے روبرو ایک جمگھٹ رہتا تھا - آنریبل مہاراجہ صاحب کو سانس لینے کی فرصت نہ تھی - دلیل اور شہادت کا کام سخن سازی اور خوشامد سے لیا جاتا تھا - مہینوں یہی کیفیت رہی - لب ساحل کے سب ہی زمیندار اپنے نقصانات کی فردیں پیش کر گئے - اگر کوئی کمیشن سے بے فیض رہا تو وہ کنور سجن سنگھ تھے - ان کے سارے موضعے سرجو کے کنارے تھے اور سب تباہ ہو گئے تھے - گڈھی کی دیواریں بھی اس دستبرد سے محفوظ نہ رہ سکی تھیں - مگر انکی زبان خوشامد سے ناآشنا تھی - اور یہاں اس کے بغیر رسائی مشکل - چنانچہ وہ کمیشن کے روبرو صورت سوال بنے ہوئے نہ آسکے - میعاد ختم ہونے پر کمیشن نے رپورٹ پیش کی - سیلاب سے ڈوبے ہوئے علاقوں میں لگان کی عام معافی ہو گئی - رپورٹ کے مطابق صرف سجن سنگھ ہی وہ خوش نصیب زمیندار تھے جنکا کوئی نقصان نہیں ہوا تھا - کنور صاحب نے رپورٹ سنی مگر پیشانی پر بل [illegible] ان کے آسامی گڈھی کے صحن میں جمع تھے - حکم

سُنا تو آہ وزاری کرنے لگے۔ تب کنور صاحب اُٹھے اور بلند آواز سے بولے "میرے علاقے مین بھی معافی ہے۔ ایک کوڑی لگان نہ لی جائیگی" مین نے یہ واقعہ سُنا۔ اور خود بخود میری انکھون سے آنسو ٹپک پڑے۔ بیشک یہ وہ شخص ہے جو حکومت اور اختیار کے طوفان مین جڑ سے اُکھڑ جائے مگر خم نہوگا۔

(۴)

وہ دن بھی یادگار رہیگا جب اجودھیا مین جاٹے جادو نگار۔ زندہ جاوید شنکر کو قوم کی جانب سے مبارکباد پیش کرنے کے لیے عظیم الشان جلسہ ہوا۔ ہمارا مایۂ ناز۔ ہمارا پُرجوش، نازک بیان شنکر یوروپ اور امریکہ پر اپنے کلام کا جادو کرکے واپس آیا تھا۔ اپنے کمالات پر ناز کرنے والے یوروپ نے اُسکی پرستش کی تھی۔ اُسکے جذبات نے براؤننگ اور شیلی کے عاشقون کو بھی پابند وفا نہ رہنے دیا۔ اُسکے آب حیات سے تشنہ کامان یورپ سیراب ہوگئے۔ ساری مہذب دُنیا نے اسکی پرواز بلند کے آگے سر جھکا دیئے۔ اُسنے بھارت کو یوروپ کی نگاہون مین اگر زیادہ نہین تو یونان اور روم کے پہلو مین بٹھا دیا تھا۔

جب تک وہ یوروپ مین رہا روزانہ اخبارات کے صفحات اُسکے تذکرون سے پُر ہوتے تھے۔ یونیورسٹیون اور علمار کی انجمنون نے اسپر خطابات کی موسلادھار بارش کردی تھی۔ وہ تمغۂ افتخار جو اہل کمال یوروپ کا پیارا خواب اور زندہ آرزو ہے۔ وہ تمغہ اپنے پیارے زندہ کن شنکر کے سینہ پر زیب دے رہا تھا۔ اور اسکی واپسی کے بعد آج اُنکی خدمات پر اظہار عقیدت کے لیئے ہندوستان کے دل اور دماغ اجودھیا مین جمع تھے۔

اسی اجودھیا کی گود مین سری رامچندر کھیلے تھے اور یہین اُنھون نے والمیک کی سحر نگاریون کی داد دی تھی۔ اسی اجودھیا مین آج اپنے شیرین کلام شنکر پر اپنی محبت

کے پھول چڑھانے آئے تھے۔

اس قومی فرض میں حکام سرکاری بھی نہایت فیاضی کے ساتھ ہمارے شریک تھے۔ شنکر نے شملا اور دارجلنگ کے فرشتوں کو بھی اجودھیا میں کھینچ لیا تھا۔ اجودھیا کو بہت انتظار کے بعد یہ دن دیکھنا نصیب ہوا۔

جسوقت شنکر نے وسیع شامیانہ میں قدم رکھا ہمارے دل قومی غرور اور نشہ سے متوالے ہو گئے۔ اس سے محسوس ہوتا تھا کہ ہم اسوقت کسی زیادہ پاک، زیادہ روشن دنیا کے بسنے والے ہیں۔ ایک لمحہ کے لئے، افسوس صرف ایک لمحہ کے لیے۔ اپنی پستی اور پامالی کا خیال ہمارے دلوں سے دور ہو گیا! ۔ جے! جے! کی صداؤں نے ہمیں اسطرح مست کر دیا جیسے مہور ناگ کو مست کر دیتا ہے۔

ایڈریس پڑھنے کا فخر مجھے حاصل ہوا تھا۔ سارے پنڈال میں خوشی کا عالم طاری تھا۔ جسوقت میری زبان سے یہ الفاظ نکلے "اے قوم کے رہنما! اے ہمارے روحانی گرو! ہم سچی محبت سے تمہیں مبارکباد دیتے ہیں اور سچی ارادت سے تمہارے قدموں پر سر جھکاتے ہیں ......" یکایک میری نگاہ اٹھی اور میں نے ایک قوی ہیکل آدمی کو تعلقداروں کی صف سے اٹھکر باہر جاتے دیکھا۔ یہ کنور سجن سنگھ تھے۔

مجھے کنور صاحب کی یہ بے موقع حرکت جسے بدتہذیبی خیال کرنے میں کوئی امر مانع نہیں ہے بری معلوم ہوئی۔ ہزاروں آنکھیں انکی طرف حیرت سے اٹھیں۔

جلسے کے ختم ہوتے ہی میں نے پہلا کام جو کیا وہ کنور صاحب سے اس امر کے متعلق جواب طلب کرنا تھا۔

میں نے پوچھا "کیوں صاحب! آپ کے پاس اس بیموقع فعل کا کیا جواب ہے؟"

سجن سنگھ نے متانت سے جواب دیا "آپ سننا چاہیں تو دوں"

"شوق سے فرمایئے"

اچھا تو سنئے میں شنکر کے کلام کا دلدادہ ہوں۔ شنکر کی عزت کرتا ہوں۔ شنکر پر ناز کرتا ہوں۔ شنکر کو اپنا اور اپنی قوم کا محسن سمجھتا ہوں۔ مگر اسکے ساتھ ہی میں انہیں اپنا روحانی گرو ماننے یا انکے قدموں پر سر جھکانے کے لیے تیار نہیں ہوں "

میں حیرت سے انکا منھ تکتا رہ گیا۔ یہ انسان نہیں غرور کا پتلا ہے۔ دیکھیں یہ سر کبھی جھکتا ہے یا نہیں۔

(۵)

پورنماشی کا پورا چاند سرجو کے سنہرے فرش پر ناچتا تھا۔ اور لہریں خوشی سے گلے مل ملکر گاتی تھیں۔ یہ پھاگن کا مہینہ تھا۔ پیڑوں میں کونپلیں نکلی تھیں اور کوئل کوکنے لگی تھی میں اپنا دورہ ختم کرکے صدر لوٹتا تھا۔ راستہ میں کندن سنگھ کے فیض صحبت کا اشتیاق مجھے ان کے در دولت تک لے گیا۔ جو اب میرے لیے خانۂ بے تکلف تھا۔

میں شام کے وقت دریا کی سیر کو چلا۔ وہ ہوائے جانپرور۔ وہ درخشاں لہریں وہ روحانی سکوت۔ سارا منظر ایک دلاویز پر مزہ خواب تھا۔ چاند کے عکس درختوں سے جسطرح لہریں جھوم رہی تھیں اسیطرح قلب شیریں سے [illegible] آتا تھا۔

مجھے اونچے کرار پر ایک درخت کے نیچے کچھ روشنی نظر آئی۔ میں اوپر چڑھا۔ وہاں برگد کے گھنے سایہ میں ایک دھونی جل رہی تھی۔ اسکے سامنے ایک سادھو پیر پھیلائے برگد کی ایک موٹی جٹا کے سہارے لیٹے ہوئے تھے۔ انکا نورانی چہرہ آگ کی چمک کو لیے یا تھا نیلے تالاب میں کنول کھلا ہوا تھا۔

ان کے پیروں کے پاس ایک دوسرا آدمی بیٹھا ہوا تھا۔ اسکی پیٹھ میری طرف تھی۔ وہ اس سادھو کے پیروں پر اپنا سر رکھے ہوئے تھا۔ قدموں کو چومتا تھا۔ اور آنکھوں سے لگاتا تھا۔ سادھو اپنے دونوں ہاتھ اسکے سر پر رکھے ہوئے تھے۔ گویا ہوس۔ صبر اور قناعت کے دامن میں پناہ ڈھونڈھتی تھی۔ بھولا لڑکا ماں باپ کی گود میں آبیٹھا تھا۔

دفعتًہ وہ سرپرخم اُٹھا اور میری نگاہ اُسکے چہرہ پر پڑی۔ مجھے سکتا سا ہوگیا۔ یہ کنور سجن سنگھ تھے۔ وہ سر جو خم ہونا نہ جانتا تھا اُس وقت زمین بوس تھا۔

وہ ماتھا جو ایک اعلیٰ منصب دار کے سامنے نہ جُھکا۔ جو ایک باثروت اور بااختیار مہاراجہ کے سامنے نہ جُھکا۔ جو ایک باکمال، قوم پرست، شاعر اور فلاسفر کے سامنے نہ جُھکا اسوقت ایک سادھو کے قدمون پر گرا ہوا تھا۔ غرور۔ ترک، اور استغنا کے سامنے سرنگون ہوگیا تھا۔

میرے دل مین اس عبرتناک نظارہ سے عقیدت کا ایک ولولہ پیدا ہوا۔ آنکھون کے سامنے سے ایک پردہ سا ہٹا۔ اور کنور سجن سنگھ کا روحانی مرتبہ دکھائی دیا۔ مین کنور صاحب کی طرف چلا۔ اُنھون نے میرا ہاتھ پکڑکر اپنے پاس بٹھانا چاہا۔ لیکن مین اُنکے پیرون سے لپٹ گیا۔ اور بولا "میرے دوست! مین آج تک تمھاری روحانی عظمت سے بالکل بے خبر تھا۔ آج آپ نے میرے دل پر نقش کردیا کہ جاہ اور ثروت۔ کمال اور شہرت یہ سب سفلی اور مادی ہین۔ نفس کے نازبردار اس قابل نہین کہ ہم انکے سامنے فرق نیاز جُھکائین۔ ترک اور تسلیم ہی وہ علوی صفات ہین جنکے آستانہ پر حشمت اور جاہ سے بے نیاز سر بھی جُھک جاتے ہین۔ یہی وہ طاقت ہے جو جاہ و حشم کو۔ بادۂ غرور کے متوالون کو اور تاج مرصع کو اپنے قدمون پر گرا سکتی ہے۔ اے کنج خلوت مین بیٹھنے والی روحو! تم دھنیہ ہو۔ کہ غرور کے پتلے بھی تمھارے پیرون کی دھول کو ماتھے پر چڑھاتے ہین۔

کنور سجن سنگھ نے مجھے چھاتی سے لگاکر کہا "مسٹر واگلے۔ آج آپ نے مجھے سچے غرور کی صورت دکھادی اور مین کہہ سکتا ہون کہ سچا غرور سچی عبادت سے کم نہین۔ یقین مانئے مجھے اسوقت ایسا معلوم ہوتا ہے کہ غرور مین بھی روحانیت کا بھس مل سکتا ہے آج میرے سر مین غرور کا جو نشہ ہے وہ کبھی نہین تھا۔

جگنو کی چمک

(۱)

شیر پنجاب کی آنکھیں بند ہو چکی تھیں۔ اور ارکین سلطنت باہمی نفاق وعناد کے ہاتھوں مر مٹے تھے۔ رنجیت سنگھ کی بنائی ہوئی شاندار مگر کھوکھلی عمارت پامال ہو گئی تھی۔ کنور دیپ سنگھ انگلستان میں تھے۔ اور رانی چندر کنور چنار کے قلعہ میں۔

چندر کنور نے گرتی ہوئی دیوار کو سنبھالنے کی بہت کوشش کی۔ مگر آئین سیاست برتنا نہ جانتی تھی۔ اور حسن وعشق کی شیرازہ بندیاں رقابت کی آگ بھڑکانے کے سوا اور کیا کر تیں!

رات بھیگ چکی تھی۔ رانی چندر کنور اپنے مسکن کے بالاخانہ پر کھڑی گنگا کی طرف تاکتی تھی۔ کہ لہریں کیوں اسقدر آزاد ہیں۔ انھوں نے کتنے گانوں اور شہر ڈبائے ہیں کتنا جان ومال نگل گئی ہیں۔ مگر پھر بھی آزاد ہیں۔ کوئی انھیں بند نہیں کرتا۔ اسی لئے نہ کہ وہ بند نہیں رہ سکتیں۔ وہ گرجیں گی، بل کھائینگی، اور باندھ کے اوپر چڑھکر اُسے پامال کر دینگی۔ اپنے زور میں اُسے بہا لیجائینگی۔

یہ سوچتے سوچتے رانی مسند پر لیٹ گئی۔ اُسکی نظروں کے سامنے عمر رفتہ کی یادگاریں ایک دلکش خواب کی طرح آنے لگیں۔ کبھی اُسکے تیور کے بل تلوار سے زیادہ قاتل تھے۔ اور اُسکا تبسم ہوائے بسنت سے بھی زیادہ جان پرور۔ مگر آہ! اب یہ چیزیں کتنی ارزاں ہیں۔ روئے تو اپنے کو سنانے کے لئے ہنسے تو اپنے کو بہلانے کے لئے اگر بگڑے تو کسی کا کیا بگاڑ سکتی ہے۔ بنے تو کسی کا کیا بنا سکتی ہے۔ رانی اور باندی میں کتنا فرق ہے!

رانی کی آنکھوں سے آنسو کے قطرے گرنے لگے۔جو کبھی زہر سے زیادہ قاتل، اور امرت سے زیادہ انمول تھے۔ وہ اسی طرح اکیلی، بے آس، کتنی بار روئی تھی، جب آسمان کے تارون کے سوا اور کوئی دیکھنے والا نہ تھا۔

(۲)

اسی طرح روتے روتے چندر کنور کی آنکھیں جھپک گئیں اور اُسکا پیارا لخت جگر کنور دلیپ سنگھ جسمین اُسکی جان بستی تھی عزورپاتال کی صورت بنا ہوا اُسکے سامنے آکر کھڑا ہوگیا۔جس طرح گائے دن بھر بن مین رہنے کے بعد شام کو گھر آتی ہے اور اپنے بچے کو دیکھتے ہی اُسکی طرف ماتا سے مست تھنون مین دودھ بھرے، دم اُٹھائے دوڑتی ہے، اسی طرح چندر کنور دونون ہاتھ پھیلائے اپنے پیارے کنور کو سینہ سے لپٹانے کے لیے دوڑی۔ مگر آنکھیں کھل گئیں اور زندگی کی آرزون کی طرح وہ خواب بھی پریشان ہوگیا اُسنے گنگا کی طرف دیکھا اور بولی "مجھے بھی اپنے ساتھ لیتی چلو"

رانی فوراً بالاخانہ سے اُتری۔ کمرہ مین ایک لالٹین جل رہی تھی۔ اسکی روشنی مین ایک میلی ساڑی پہنی، گلے مین جواہرات کا ایک صندوقچہ اور ایک خنجر آبدار کمر مین رکھا اور باہر نکلی۔ہمت یاس کی تصویر تھی۔

سنتری نے پکارا رانی نے جواب دیا "مین ہون جھنگی"

کہان جاتی ہے؟

گنگا جل لاؤن گی۔صراحی ٹوٹ گئی ہے۔رانی جی پانی مانگ رہی ہین،

سنتری ذرا قریب آکر بولا "چل مین بھی تیرے ساتھ چلتا ہون۔ذرا ٹھہر"

جھنگی بولی "نہین میرے ساتھ مت آؤ۔رانی کوٹھے پر ہین دیکھ لینگی"

سنتری کو دھوکا دیکر چندر کنور چور دروازہ سے ہوتی ہوئی اندھیرے مین کانٹون سے اُلجھتی، چٹانون سے ٹکراتی۔گنگا کے کنارے جا پہونچی۔

آدھی رات سے زیادہ گذر چکی تھی۔ گنگا مین کنج قناعت کا سا سکون تھا۔ لہرین تارون کو گوشۂ جگر مین بٹھائے محو راز و نیاز تھین۔ چارون طرف سنسان تھا۔

رانی ندی کے کنارے کنارے مُڑ مُڑ کر پیچھے دیکھتی چلی جاتی تھی۔ دفعتہً اُسے ایک کشتی کھونٹے سے بندھی ہوئی نظر آئی۔ رانی نے غور سے دیکھا۔ ملاح لیٹا ہوا تھا۔ ملاح کو جگانا موت کو جگانا تھا۔ اُسنے فوراً رسی کھولدی اور کشتی پر سوار ہوگئی۔ کشتی آہستہ آہستہ دھار کے سہارے چلنے لگی، ایام غم کی طرح سست اور تاریک۔ خوابِ حسرت تھا جو موجِ خیال پر بہتا چلا جاتا تھا۔

کشتی مین حرکت ہوئی تو ملاح چونکا، اُٹھ بیٹھا، آنکھین ملین، دیکھا تو سامنے تختہ پر ایک عورت ہاتھ مین ڈانڑ لئے بیٹھی ہے۔ گھبرا کر بولا "تین کون ہے رے؟ ناؤ کہان لئے جات ہو؟" رانی ہنس پڑی۔ انتہائے خوف کو ہمت کہتے ہین۔ بولی "سچ بتا دون یا جھوٹ"

ملاح رانی کے انداز سے کچھ خائف ہو کر بولا "سچ بتا دا جائے"

رانی بولی۔ "اچھا تو سُن، مین لاہور کی رانی چندر کنور ہون۔ اسی قلعہ مین قید تھی۔ آج بھاگی جاتی ہون۔ مجھے جلد بنارس پہونچا دے۔ تجھے نہال کر دونگی۔ اور اگر تو کچھ شرارت کریگا تو دیکھ اس کٹار سے تیرا سر کاٹ دونگی۔ صبح ہونے سے پہلے ہمکو بنارس پہونچنا چاہیئے"

یہ دھمکی کارگر ہوگئی۔ ملاح نے ادب سے اپنا کمّل بچھا دیا۔ اور تیزی سے ڈانڑ چلانے لگا۔ کنارے کے درخت، اور سر پر جگمگاتے ہوئے مدھم تارے، ساتھ ساتھ دوڑنے لگے۔

(۳)

صبح کو چنار کے قلعہ مین ہر شخص حیرت زدہ اور پریشان تھا۔ سنتری اور چوکیدار اور

لونڈیاں سب سر جھکائے افسر قلعہ کے روبرو حاضر تھے۔ تفتیش ہو رہی تھی۔ مگر کچھ پتہ نہ چلتا تھا۔

اُدھر رانی بنارس پہونچی۔ مگر وہاں پہلے ہی سے پولیس اور فوج کا جال بچھا ہوا تھا شہر کے ناکے بند تھے۔ رانی کا سراغ لگانے کے صلہ میں ایک بیش قرار انعام کا اعلان کر دیا گیا تھا۔ حرص دعوت پا کر بھوکے گدھ کی طرح منڈلا رہی تھی۔

قید سے نکلکر رانی کو معلوم ہوا کہ وہ اور بھی سنگین قید میں ہے۔ قلعہ میں ہر شخص اُسکے حکم کا فرمان بردار تھا۔ افسر قلعہ بھی اُسکا ادب کرتا تھا۔ لیکن آج آزاد ہو کر اُسکے ہونٹ بند تھے۔ در و دیوار دشمن ہو رہے تھے۔ طائر بے پر کو کنج قفس ہی میں عافیت ہے۔

پولیس کے افسر ہر آنے جانے والے کو غور سے دیکھتے ہیں۔ لیکن اُس بھکارنی کی طرف کسی کا دھیان نہیں جاتا جو ایک پھٹی ہوئی ساڑی پہنے، جاتریوں کے پیچھے پیچھے آہستہ آہستہ سر جھکائے گنگا کی طرف سے چلی آ رہی ہے۔ نہ وہ چونکتی ہے، نہ ہچکتی ہے، نہ گھبراتی ہے، اس بھکارنی کی رگوں میں رانی کا خون ہے۔

یہاں سے بھکارنی نے اجودھیا کی راہ لی۔ دن بھر اوگھٹ راستوں سے چلتی رات کو کسی سنسان جگہ پر لیٹ رہتی۔ چہرہ زرد، پیروں میں چھالے، پھول سا بدن کمھلا گیا تھا۔

وہ اکثر گانوؤں میں لاہور کی رانی کے چرچے سنتی۔ کبھی کبھی پولیس کے آدمی بھی اُسے رانی کی ٹوہ میں سرگرم نظر آتے۔ مگر اُنھیں دیکھتے ہی بھکارنی کے سینے میں سوئی ہوئی رانی جاگ اُٹھتی۔ گردن اُٹھا کر اُنھیں حقارت آمیز نظروں سے دیکھتی۔ اور غصہ وغم سے چہرہ تمتما جاتا۔

ایک دن اجودھیا کے نواح میں پہونچکر رانی ایک درخت کے نیچے بیٹھی ہوئی تھی اُسنے کمر سے خنجر نکالکر رکھدیا تھا اور سوچ رہی تھی کہ کہاں جاؤں؟ میرا منزل مقصود

کیا ہے - کیا اس جگت میں میرے لیئے اب کہیں ٹھکانا نہیں ہے۔

وہاں سے تھوڑی دور پر ایک آموں کا بڑا باغ تھا - اُس میں بڑے بڑے شامیانے اور خیمے گڑے ہوئے تھے - کئی سنتری زرق برق وردیاں پہنے ٹہل رہے تھے - کئی گھوڑے بندھے ہوئے تھے - رانی نے اس شاہانہ کرّوفر کو حسرت سے دیکھا - ایک بار وہ بھی کشمیر گئی تھی - اُسکا پڑاؤ اس سے کہیں شاندار تھا۔

بیٹھے بیٹھے شام ہوگئی - رانی نے وہیں رات کاٹنے کی ٹھانی - اتنے میں ایک بوڑھا سپاہی ٹہلتا ہوا آیا اور اُسکے قریب ٹھہر گیا - اینٹھی ہوئی ڈاڑھی تھی - چست چپکن کمر میں تلوار لٹک رہی تھی - رانی نے اُسے دیکھتے ہی فوراً خنجر اُٹھا کر کمر میں کھونس لیا۔

سپاہی نے اُسے تیز نگاہ سے دیکھکر پوچھا "بیٹی کہاں سے آتی ہو؟"

رانی نے کہا "بہت دور سے"

کہاں جاؤگی؟

کچھ معلوم نہیں - بڑی دور۔

سپاہی نے پھر رانی کی طرف غور سے دیکھا اور بولا "ذرا اپنی کٹار مجھے دکھادو"

رانی خنجر سنبھال کر کھڑی ہوگئی اور تند لہجہ میں بولی "دوست ہو یا دشمن" ٹھاکر نے کہا "دوست"

سپاہی کے اندازِ کلام اور چہرہ میں کوئی ایسی بات تھی جو یقین کو مجبور کرتی تھی - رانی بولی "دغا نہ کرنا - یہ دیکھو"

ٹھاکر نے تلوار ہاتھ میں لی - اُسے اُلٹ پلٹ کر دیکھا - اور بڑے ادب کیساتھ اُسے آنکھوں سے لگایا - تب رانی کے آگے تعظیم سے سر جُھکا کر بولا "مہارانی چندر کنور"

رانی نے پُر حسرت آواز سے کہا "نہیں - بلکہ بھکارنی ہوں - تم کون ہو؟"

سپاہی نے جواب دیا "آپ کا ایک سیوک"

رانی نے اسکی طرف پرسوال انداز سے دیکھا اور بولی۔ بیکسی کے سوا میرا اس سنسار مین کوئی نہین ہے "

سپاہی نے کہا مہارانی جی ایسا نہ کہئے۔ شیر پنجاب کی مہارانی کی آواز پر اب بھی گردنین جھک سکتی ہین۔ دیس مین ایسے لوگ موجود ہین جنھون نے تمہارا نمک کھایا ہے۔ اور اُسے بھولے نہین ہین "

رانی۔ اب یہ ارمان نہین۔ صرف ایک گوشۂ عافیت چاہتی ہون۔ ایسے ٹھونٹھ کی تلاش ہے جہان تنکون کا گھونسلا بنا سکون'

سپاہی ایسا گوشہ پہاڑون ہی مین ملسکتا ہے۔ ہمالہ کی گود مین چلئے۔ وہین آپ آندھی اور طوفان سے بچ سکتی ہین'

رانی نے تعجب سے کہا "دشمنون مین جاؤن۔ نیپال کا دربار کب ہمارا دوست رہا۔

سپاہی بولا۔ راناجنگ بہادر قول کا پکا راجپوت ہے'

رانی۔ مگر یہی جنگ بہادر تو ہین جو ابھی حال مین ہمارے خلاف لارڈ ڈلہوزی کو مدد دینے پر آمادہ تھے۔

سپاہی خجالت آمیز انداز سے بولا "تب آپ مہارانی چندر کنور تھین۔ آج آپ بھکارنی ہین۔ اقبال کے حاسد اور دشمن سب جگہ ہوتے ہین۔ جلتی ہوئی آگ کو پانی سے بجھاتے ہین۔ راکھ ماتھے پر چڑھائی جاتی ہے۔ آپ ذرا بھی پس و پیش نہ کرین۔ نیپال مین اب بھی دھرم باقی ہے۔ آپ بیخوف چلین۔ دیکھئے کہ آپ کو وہ کس طرح سر آنکھون پر بٹھاتا ہے۔

رانی نے رات اسی درخت کے سایہ مین کاٹی۔ سپاہی بھی وہین سویا۔ صبح کو وہان دو تیز گام گھوڑے نظر آئے۔ ایک پر سپاہی سوار تھا۔ دوسرے پر ایک نہایت خوشرو نوجوان۔ یہ رانی چندر کنور تھی جو جائے پناہ کی تلاش مین نیپال جا رہی تھی۔

کچھ دیر کے بعد رانی نے پوچھا "یہ پڑاؤ کسکا ہے ؟"

سپاہی نے جواب دیا "اسی رانا جنگ بہادر کا - تیرتھ جاترا کرنے آئے ہوئے ہین - مگر ہم سے پہلے پہونچ جایئن گے "

رانی "تمنے اُنسے مجھے یہین کیون نہ ملا دیا - اُنکا عندیہ معلوم ہو جاتا "

سپاہی - یہان اُنسے ملنا غیر ممکن تھا - آپ مخبرون کی نگاہ سے نہ بچ سکتین "

(۶)

اُس زمانہ مین سفر کرنا جان جوکھم تھا - دونون مسافرون کو بارہا ڈاکوؤن سے سامنا کرنا پڑا - اسوقت رانی کے جیوٹ اور ہاتھ کی تیزی اور صفائی دیکھکر بوڑھا سپاہی دانتون تلے اُنگلی دباتا تھا - کبھی اُنکی تلوار کام کر جاتی - اور کبھی گھوڑون کی رفتار تیز -

لمبا سفر تھا - جیٹھ کا مہینہ راستہ ہی مین ختم ہو گیا - برسات آئی - آسمان پر بادل منڈلائے - سوکھی ندیان اُبل پڑین - پہاڑی نالے گرجنے لگے - نہ ندیون مین کشتی - نہ نالون پر گھاٹ - مگر گھوڑے سدھے ہوئے تھے - خود بخود پانی مین اُتر جاتے - اور ڈوبتے اُتراتے، بہتے، بھنور کھاتے، پار جا پہونچتے - ایکبار بچھو نے کچھوے کی پیٹھ پر ندی کا سفر کیا تھا - یہ سفر اُس سے کم خطرناک نہ تھا -

کہین بلند قامت ساکھو اور مہوے کے جنگل تھے - کہین خوش اندام جامن کے بن - اُنکی گود مین ہاتھیون اور ہرنون کے غول کلیلین کر رہے تھے -

دھان کی کیاریان پانی سے لبریز تھین - کسانون کی عورتین دھان بٹھاتی تھین اور سہانے گیت گاتی تھین - کبھی ان سہانی آوازون کے بیچ مین کھیت کے مینڈ پر چھتری کے سایہ مین بیٹھے ہوئے زمیندار کی کرخت اور تحکمانہ آواز بھی سنائی دیتی تھی -

اِس طرح سفر کی تکلیفین جھیلتے ترائی کو طے کرکے دونون مسافر نیپال کی سرزمین مین داخل ہو گئے -

(۵)

صبح کا وقت تھا۔ نیپال کے مہاراج سُریندر بکرم سنگھ کا دربار سجا ہوا تھا۔ ارکین دربار پایہ بہ پایہ بیٹھے ہوئے تھے۔ نیپال نے ایک طولانی جنگ کے بعد تبّت پر فتح پائی تھی۔ اور اُسوقت شرائط صلح پر بحث ہو رہی تھی۔ کوئی تاوان جنگ کا خواہنگار تھا۔ کوئی الحاق کا حامی۔ بعض اصحاب سالانہ خراج پر زور دے رہے تھے۔ صرف رانا جنگ بہادر کے آنے کی دیر تھی۔ وہ کئی ماہ کی سیر و سیاحت کے بعد آج ہی رات کو اپنے مکان پر پہونچے تھے۔ اور یہ اہم مسئلہ جو اُنھین کی واپسی کا منتظر تھا اب مجلس وزرا مین پیش کیا گیا تھا۔ تبّت کے سفیر اُمید و بیم کی حالتمین وزیر اعظم کی زبان سے قطعی فیصلہ سننے کا انتظار کر رہے تھے۔

آخر چوبدار نے رانا کے آنے کی اطلاع دی۔ اہلِ دربار تعظیماً کھڑے ہو گئے۔ رانا مہاراج کو آداب بجا لاکر اپنے نقرئی سنگھاسن پر رونق افروز ہوئے۔ مہاراج نے فرمایا۔ "آپ صلح کے لیئے کیا شرائط تجویز کرتے ہین؟"

رانا نے ادب سے سر جُھکاکر کہا۔ "میری ناچیز راے مین اسوقت سخت گیری بالکل بے محل ہے۔ غم نصیب دشمن کیساتھ فیاضی سے برتاؤ کرنا ہمیشہ ہمارا شعار رہا ہے۔ کیا اس موقع پر خود غرضی کے نشہ مین ہم اپنے اُس زرین اصول کو بھول جائین گے؟ ہم ایسی صلح چاہتے ہین جو اصلی معنون مین صلح ہو۔ جو ہمارے دوستانہ تعلقات کی ضمان ہو۔ اور ہمارے دلون کو ملائے۔ اگر دربار تبت ہمین تجارتی رعائتین پیش کرنے پر آمادہ ہو تو ہمکو صلح کرنے مین کوئی تامل نہونا چاہیئے۔"

وزرا مین سرگوشیان شروع ہوئین۔ عام راے اس فیاضی کے موافق نہ تھی۔ مگر مہاراج نے اُسکی تائید کی۔ اسلیئے کسی کو رانا کی مخالفت مین زبان کھولنے کا حوصلہ نہوا۔ سفیرون کے رخصت ہو جانے کے بعد رانا جنگ بہادر نے کھڑے ہو کر کہا۔

"حاضرین دربار۔ آج نیپال کی تاریخ مین ایک یادگار واقعہ ہونیوالا ہے یہ یادگار نیک ہوگی یا بد اسکا اختیار آپکو ہے۔ آج مجھے دربار مین آتے وقت یہ رقعہ ملا ہے جسے مین آپ صاحبون کی خدمت مین پیش کرتا ہون۔ اپنے مفہوم کے لحاظ سے یہ ایک نہایت بلیغ درخواست ہے۔ سائل نے تلسی داس کی صرف یہ چوپائی لکھدی ہے۔

آپت کال پرکھئے چاری دھیرج دھرم متر اور ناری

مہاراج نے پوچھا۔ یہ خط کسنے بھیجا ہے؟

'ایک بھکارنی نے'

بھکارنی کون ہے؟

'مہارانی چندر کنور'

کرنل بکھتری نے حیرت سے پوچھا "جو ہمارے دوست انگریزی سرکار سے باغی ہوکر بھاگ گئی ہین"؟ راناجنگ بہادر نے شرمندہ ہوکر کہا جی ہان۔ حالانکہ اسی خیال کو دوسرے طریق پر ظاہر کرسکتے ہین۔"

کرنل بکھتری۔ انگریزون سے ہماری دوستی ہے۔ اور دوست کے دشمن کی مدد کرنا آئین دوستی کے خلاف ہے

جنرل شمشیر بہادر۔ ایسی حالت مین بہت اندیشہ ہے کہ انگریزی سرکار سے ہمارے تعلقات کمزور ہوجائین۔

راجکمار رنبیر سنگھ ہم یہ مانتے ہین کہ مہمان نوازی ہمارا فرض ہے۔ مگر اسی حدتک کہ ہمارے دوستون کو ہماری جانب سے بدگمان ہونے کا موقع نہ ملے۔

اس مسئلہ پر یہانتک اختلاف ہوا کہ ایک ہنگامہ سا برپا ہوگیا۔ اور کئی اراکین یہ کہتے ہوئے سنائی دیئے کہ مہارانی صاحبہ کا اسوقت آنا ملک کے لیئے فال بد ہے۔

تب راناجنگ بہادر اٹھے۔ انکا چہرہ تمتمایا ہوا تھا۔ وہ مخالفت کے متحمل

نہوئے تھے۔ اسوقت بھی مصلحت غصّہ پر حاوی ہونے کی ناکام کوشش کر رہی تھی۔ بولے۔ "بھائیو! اگر اسوقت میری باتین آپ لوگون کو ضرورت سے زیادہ سخت معلوم ہون تو مجھے معاف کیجیے گا۔ کیونکہ مجھے اب زیادہ سُننے کی تاب نہین ہے۔ اپنی قومی بے ہمتی کا یہ دلشکن نظارہ مجھسے نہین دیکھا جاتا۔ اگر نیپال کے دربار مین اتنی بھی اخلاقی ہمت نہین کہ وہ مہمان نوازی اور حمایت کے آئین کو نبھا سکے تو مین اس واقعہ کے متعلق ساری ذمہ داریون کا بار اپنے سر لیتا ہون۔ دربار اپنے تئین بالکل سبکدوش سمجھے۔ اور اسکا عام اعلان کر دے۔"

کربڑ کھتری گرم ہو کر بولے۔ محض یہ اعلان ملک کو خطرون سے نہین بچا سکتا۔

راناجنگ بہادر نے غصہ سے ہونٹ چبا لیا۔ مگر ضبط کر کے بولے۔ سلک داری خطرون اور ذمہ داریون کا دوسرا نام ہے۔ ہم ذمہ داریون سے آنکھین نہین چرا سکتے۔ اپنے سایہ حمایت مین آنیوالون کی دستگیری۔ راجپوتون کا دھرم تھا۔ ہمارے بزرگ جنکے نام لیوا ہم لوگ ہین، ہمیشہ اصول پر، دھرم پر، آن پر، جان دیتے تھے۔ اپنے مانے ہوئے دھرم کو توڑنا ایک خوددار قوم کے لئے شرمناک ہے۔ انگریز ہمارے دوست ہین۔ اور ہزار شکر ہے کہ دانا دوست ہین۔ مہارانی چندرکنور کو زیر نگاہ رکھنے مین انکا مدعا صرف یہ تھا کہ فتنہ و شر کو اجتماع کا کوئی مرکز باقی نہ رہے۔ اگر انکا یہ مدعا فوت نہو تو انھین ہم سے بدگمان ہونے کا نہ کوئی موقع ہے اور نہ ہمکو اُنسے شرمندہ ہونے کی کوئی ضرورت۔

کربڑ کھتری۔ مہارانی چندرکنور یہان کس غرض سے آئی ہین؟

جنگ بہادر۔ صرف ایک گوشہ عافیت کی تلاش مین جہان اُنھین اپنی مجبوریون کا خیال سوہان روح نہو۔ وہ صاحب اقبال رانی، جو رنگ محلون مین عیش کرتی تھی، جسے پھولون کے سیج پر بھی آرام نہ ملتا تھا، آج سیکڑون کوس سے، طرح طرح کی مصیبتین

اُٹھائی، ندی نالے، اور کوہ و بیابان، طے کرتی یہاں صرف ایک گوشۂ عافیت کی تلاش میں آئی ہے۔ اُمڈی ہوئی ندیاں، اور اُبلتے ہوئے نالے۔ برسات کا موسم، ان تکلیفوں کو آپ لوگ جانتے ہیں۔ اور یہ سب اسی ایک کنج عافیت کی خاطر، اسی ایک گوشۂ زمین کی تمنا میں! مگر ہم ایسے تنگ ظرف ہیں کہ یہ تمنا بھی پوری نہیں کر سکتے۔ حمیت کا تقاضا تو یہ تھا کہ ہم گوشۂ زمین کے بجائے اپنے گوشۂ جگر پیش کرتے۔ سوچئے کتنے فخر کی بات ہے کہ ایک ستم نصیب رانی اپنے مصیبت کے دنوں میں جس ملک کو یاد کرتی ہے وہ یہی پاک ملک ہے۔ مہارانی چندر کنور کو ہماری عالی ظرفی پر، اور ہماری بیکس نوازی پر پورا بھروسہ تھا، اور وہی حسن عقیدت اُنھیں یہاں تک لایا ہے۔ اسی اُمید پر کہ پیتو پتی ناتھ کے سایۂ حمایت میں اُنھیں کد و کاوش سے نجات ملیگی وہ یہاں تک آئی ہیں۔ آپ کو اختیار ہے چاہے اُنکی یہ اُمید پوری کریں یا اُسے خاک میں ملا دیں۔ چاہے آئین حمایت کو نبھاکر صفحۂ تاریخ میں اپنا نام نیک چھوڑ جائیں۔ یا قومی اور اخلاقی پابندیوں کو مٹاکر اپنے تئیں اپنی ہی نگاہوں میں گرا لیں۔ کیونکہ مجھے یقین نہیں ہے کہ یہاں ایک فرد بھی ایسا بے حمیت ہے جو اس موقعہ پر آئین دستگیری کو فراموش کر کے اپنا سر اونچا کر سکے۔ اب میں آپ کے فیصلہ کا منتظر ہوں۔ آپ اپنے قوم اور ملک کا نام روشن کرینگے۔ یا ہمیشہ کے لئے اپنے ماتھے پر بدنامی کا داغ لگائیں گے۔"

راجکمار نے جوش سے کہا۔ "ہم مہارانی کی قدموں تلے آنکھیں بچھائیں گے۔"

کپتان بکرم سنگھ بولے۔ "ہم راجپوت ہیں اور اپنے دھرم کو نبھائیں گے۔"

جنرل رنبیر سنگھ نے فرمایا۔ "ہم اُنکا وہ شاندار استقبال کرینگے کہ دنیا عش عش کریگی۔"

رانا جنگ بہادر نے کہا۔ "میں اپنے معزز دوست کرنل کھتری کی زبان سے اُنکا فیصلہ سننا چاہتا ہوں۔"

کرنل کھتری ایک با اثر آدمی تھے اور مجلس وزراء میں وہ رانا جنگ بہادر کی مخالف

جماعت کے سرغنہ سمجھے جاتے تھے۔ ندامت آمیز لہجہ مین بولے "اگرچہ مین مہارانی کی تشریف آوری کو خطرون سے خالی نہین سمجھتا مگر اس موقعہ پر ہمارا دھرم یہی ہے کہ ہم مہارانی صاحبہ کو سر اور آنکھون پر بٹھائین۔ دھرم سے منہ موڑنا کسی قوم کے لئے فخر کا باعث نہین ہوسکتا"

کئی آوازون نے پُرجوش لہجہ مین اس خیال کی تائید کی۔

مہاراجہ سریندر بکرم سنگھ نے اس مباحثہ کو غور سے سُنا۔ اور تب زبان مبارک سے فرمایا۔

"دھرم بیرو! مین تمھین اس مردانہ فیصلہ پر مبارکباد دیتا ہون۔ تمنے قوم کا نام رکھ لیا۔ پشوپتی اس کار خیر مین تمھاری مدد کرین!"

مجلس برخاست ہوئی۔ اور قلعہ سے سلامی دغنے لگی۔ سارے شہر مین خبر گونج اُٹھی کہ پنجاب کی مہارانی چندر کنور تشریف لائی ہین۔ جنرل رنبیر سنگھ اور جنرل شمشیر بہادر پانچ ہزار فوج کے ساتھ مہارانی کے استقبال کو روانہ ہوئے۔ مہمان خانہ کی آرائش ہونے لگی۔ بازارین بیرقون اور بندن وارون سے سج گئین۔

اقبال کی خاطر و تعظیم ہر جگہ ہوتی ہے۔ مگر کسی نے بھکھارنی کی ایسی تعظیم دیکھی ہے! فوجین بینڈ بجاتی، اور پتاکے لہراتی ہوئی ایک اُمڈی ندی کی طرح موج بموج چلی جاتی تھین۔ سارے شہر مین مسرت کا ہنگامہ تھا۔ دونون طرف خوش لباس تماشائیون کا ہجوم تھا۔ فوج کے سردار آگے آگے گھوڑون پر سوار تھے۔ اور سب کے آگے رانا جنگ بہادر قومی آن اور غرور کے نشہ مین مخمور اپنے زرنگار ہودے مین بیٹھے ہوئے تھے۔ یہ مہمان نوازی کا ایک پاک نظارہ تھا!

دھرم شالے کے دروازہ پر یہ جلوس رُکا۔ رانا ہاتھی سے اُترے۔ مہارانی چندر کنور کمرہ سے باہر نکل آئین۔ رانا نے جھک کر مجرا عرض کیا۔ رانی حیرت سے اُنکی طرف تاکنے لگی۔

یہ وہی اُنکا رفیق! اُنکا بوڑھا سپاہی تھا۔ آنکھیں لبریز ہوگئیں۔ اور مسکرائی۔ کھلے ہوئے پھول پر سے شبنم کے قطرے ٹپکے۔ بولی "میرے بوڑھے ٹھاکر! میری ناؤ پار لگانے والے! کس منھ سے تمھارا جس گاؤں"!

رانا نے سر جھکا کر کہا "آپ کے قدم سے ہمارے نصیب روشن ہو گئے"!

(۶)

دربار نیپال نے پچیس ہزار روپیہ سے مہارانی کے لئے ایک شاندار محل بنوا دیا۔ اور اُنکے لئے دس ہزار روپیہ ماہوار وظیفہ مقرر کیا۔

وہ عمارت آجتک قائم ہے۔ اور نیپال کی عالی ظرفی اور وفا کیشی کی یادگار ہے۔ پنجاب کی رانی کو لوگ آجتک یاد کرتے ہیں۔

یہی زینہ ہے جس سے قومیں نیکنامی کے سنہرے مینار تک پہونچتی ہیں۔

یہی واقعے ہیں جنسے قومی کارنامے روشن اور امر ہو جاتے ہیں۔

پولٹیکل رزیڈنٹ نے اپنے گورنمنٹ کو رپورٹ کی۔ گمان تھا کہ گورنمنٹ انڈیا اور نیپال کے درمیان کچھ کشیدگی پیدا ہو جائے۔ مگر گورنمنٹ کو رانا جنگ بہادر پر کامل اعتماد تھا۔ اور جب دربار نیپال نے یقین اور اطمینان دلادیا کہ مہارانی چندر کنور کو کسی مخالفانہ کوشش کا موقعہ نہ دیا جائیگا تو گورنمنٹ انڈیا کو بھی اطمینان ہو گیا۔

کوئی شک نہیں کہ یہ واقعہ ہندوستانی تاریخ کی اندھیری رات میں جگنو کی چمک کی شان رکھتا ہے۔

راجپوت کی بیٹی

(۱)

یہ وہ زمانہ ہے جب چتوڑ مین شیرین بیان میرا بائی تشنہ کامان معرفت کو پریم کے پیالے پلاتی تھی - رنچھوڑجی کے مندر مین جسوقت وہ روحانی سرور سے متوالی ہوکر اپنی دلکش آواز مین پاکیزہ پدون کو الاپتی تو سُننے والے مست ہوجاتے اور میرا کی طرح بیخودی کے نشہ مین جھومنے لگتے - ہر روز شام کو یہ روحانی لطف اُٹھانے کے لئے سارے چتوڑ کے لوگ اِس طرح بیقرار ہوکر دوڑتے جیسے دن بھر کی پیاسی گائین دور سے کسی ندی یا ساگر کو دیکھکر اُسکی طرف بھاگتی ہین - اور اس چشمہ معرفت سے چتوڑ والے ہی شادکام ہوتے تھے - بلکہ سارے راجپوتانہ کی پیاسی زمین اُس کے آب روح پرور سے سیراب ہوتی تھی -

ایک روز ایسا اتفاق ہوا کہ چھالاوار کے راؤ صاحب اور مندار کے راجکمار دونون ہی خدم وحشم کے ساتھ چتوڑ مین وارد ہوئے - راؤ صاحب کیساتھ اُنکی راجکماری پربھا بھی تھی جسکے حُسن کا دور دور شُہرہ تھا - یہین رنچھوڑ کے مندر مین دونون کی نگاہین ملین - حقیقت نے مجاز کا راستہ دکھا دیا - کئی دن متواتر یہی کیفیت رہی - نگاہون نے پیام محبت پہونچا دیئے -

راجکمار سارے دن وحشت کے عالم مین کوچہ و بازار مین گھوما کرتا - راجکماری سارے دن اُداس دروازہ پر کھڑی رہتی - شام ہوتے ہی دونون گرسنہ اور پیاسے مندر مین آتے - یہان چاند کو دیکھکر کمدنی کھل جاتی -

روشن‌ضمیر میرا نے کئی بار اُنکی نگاہِ شوق کو ہم آغوش ہوتے دیکھا۔ ایک روز کیرتن کے بعد جب جھالاوار کے راؤ صاحب چلنے لگے تو اُسنے مندار کمار کو بلا کر پربھا کے نازک ہاتھ اُنکے ہاتھوں مین دیدیئے اور مسکرا کر بولی۔ "راؤ صاحب! آپ کو یہ داماد مبارک ہو۔"

پربھا شرم سے گڑسی گئی۔ راؤ صاحب مندار کے راجکمار کے حسن اخلاق پر پہلے ہی گرویدہ ہو رہے تھے۔ خوش ہو کر فوراً سینہ سے لگا لیا۔

اُسی وقت چتوڑ کے رانا بھوجراج بھی مندر مین آئے۔ اور پربھا کو دیکھا۔ چھاتی پر سانپ لوٹ گیا۔

(۲)

جھالاوار مین۔ بڑی دھوم تھی۔ راجکماری پربھا کا آج بیاہ ہوگا۔ مندار سے بارات آئے گی۔ مہمانون کی خاطر مدارات کی تیاریان ہو رہی تھین۔ نوبت خانے نغمہ زن تھے، دوکانین سجی ہوئی، سڑکین خندان، بالاخانے رشک گلزار، مگر وہ جسکے لئے یہ سب تیاریان تھین، باغیچہ کے کنج مین اُداس بیٹھی رو رہی تھی۔

رنواس مین ڈومنیان مبارکباد گا رہی تھین، کہین حسینون کی چہل تھی، کہین زیورون کی چمک دمک، کہین عمر رفتہ کے دلخوش کن چرچے۔ نائن بات بات پر تیز ہوتی تھی۔ مالن کا دماغ آسمان پر تھا، پھولون کو داغ دل کی طرح چھپاتی تھی، کہارن مٹکے کی طرح پھولی ہوئی تھی، منڈپ کے نیچے پروہت جی بوڑھے غمزے کرتے تھے۔ بات بات پر اشرفیون کے لیئے ٹھنکتے تھے۔ رانی بھوکی پیاسی، سر کے بال بکھرے اِدھر اُدھر دوڑتی تھین۔ چارون طرف کی بوچھارین سہتی تھین اور انھین ماتھے پر چڑھاتی تھین۔ دل کھول کر زر و جواہر لٹاتی تھین، آج پربھا کا بیاہ ہے۔ بڑے نصیبون سے ایسے دن آتے ہین۔ اور بڑے بھاگون سے ایسی باتین سننے مین آتی ہین۔ سب اپنے اپنے دُھن مین مست ہین۔ کسیکو پربھا کی فکر نہین ہے جو کنج مین اکیلی بیٹھی رو رہی ہے۔

ایک حسینہ نے آکر نائن سے کہا "بہت بڑھ بڑھ باتین نکر، کچھ راجکماری کا بھی دھیان ہے - چل ان کے بال گوندھ، نائن نے دانتون تلے زبان دبائی - دونون پربھا کو ڈھونڈھتی ہوئی باغ مین آئین - پربھا نے آنسو پونچھ ڈالے - نائن موتیون سے مانگ بھرنے لگی - اور پربھا سر جھکا کر آنکھون سے موتی برسانے لگی -

سہیلی نے آبدیدہ ہوکر کہا - "بہن اتنا دل چھوٹا مت کرو، جی کو سنبھالو - منھ مانگی مراد مل رہی ہے" پربھا نے سہیلی کی طرف بیکسانہ انداز سے دیکھکر کہا "بہن نہ جانے کیون دل بیٹھا جاتا ہے - بہت سنبھالتی ہون، نہین سنبھلتا"

سہیلی نے چھیڑکر کہا "پیا سے ملنے کی بیکلی ہے"

پربھا حسرتناک انداز سے بولی "کوئی میرے دل مین بیٹھا کہہ رہا ہے کہ اب اُنسے ملاقات نہوگی" سہیلی نے اُسکے بال سنوار کر کہا "جیسے صبح کے پہلے اندھیرا ہو جاتا ہے اسی طرح ملاپ کے پہلے پریمیون کے دل پر مایوسی غالب ہو جاتی ہے"

پربھا بولی "تم تو جانے کیا کہتی ہو بہن، مجھے شگون اچھے نہین نظر آتے - آج دن بھر میری آنکھ پھڑکتی رہی، رات کو مین نے بڑے بڑے خواب دیکھے ہین - مجھے معلوم ہوتا ہے کہ آج ضرور کوئی نہ کوئی آفت آئیگی - تم بھوجراج کو جانتی ہو نہ"

شام ہوگئی آسمان پر تارون کے چراغ جلے - جھالاوار مین برنا ویر بارات کے استقبال کی تیاریان کرنے لگے - مردون نے ڈاڑھیان باندھین، پاگین سنوارین، ہتھیار سجے - عورتون نے بناؤ سنگار کئے - اور گاتی بجاتی رنواس کو چلین - ہزارون عورتین محل کے چھت پر بیٹھی ہوئی بارات کی راہ دیکھ رہی تھین -

دفعتاً غل مچا کہ بارات آگئی - لوگ سنبھل بیٹھے - نقارون پر چوب پڑی سلامیان دغنے لگین، جوانون نے گھوڑون کو ایڑ لگائی - دم کی دم مین مسلح سوارون کی ایک فوج شاہی محل کے سامنے آکر کھڑی ہوگئی - لوگون نے حیرت سے دیکھا - یہ مندار کی بارات

نہ تھی، رانا بھوجراج کی فوج تھی!

دم زدن میں چتوڑ والوں نے شاہی محل کو گھیر لیا۔ جھالاداری بھی چونکے۔ سنبھل کر تلواریں کھینچ لیں۔ اور تیغے چلنے لگے۔ رانا محل میں گھسے۔ عورتوں میں کہرام مچ گیا۔

پربھا سہیلیوں کے ساتھ بیٹھی ہوئی تھی۔ وصال کی ذرّہ بھر خوشی نہیں، مگر فراق کا بارگران دل کو مسلے ڈالتا تھا۔ یہ ہنگامہ برپا ہوتے ہی گھبرا کر اٹھ بیٹھی۔ سہیلی سے بولی "بہن وہی ہوا جسکا مجھے ڈر تھا، سہیلی نے کہا چلکر تہ خانہ میں چھپ رہو۔

پربھا نے متین انداز سے کہا "میں تہ خانہ میں چھپ رہوں اور یہاں خون کی ندی بہنے دوں۔ مجھے اپنی جان اتنی پیاری نہیں ہے"۔

اتنے میں راؤ صاحب ہانپتے ہوئے آئے اور بولے بیٹی پربھا! رانا نے ہمارے محل کو گھیر لیا ہے۔ تم فوراً نیچے تہ خانہ میں چلی جاؤ، اور دروازے بند کر لو۔ اگر ہم راجپوت ہیں تو ایک چتوڑی بھی جیتا نہ جائیگا۔

راؤ صاحب کی بات پوری نہ ہوئی تھی کہ رانا بھوجراج کئی دلیروں کیساتھ آپہونچے اور بولے "چتوڑ والے تو سر کٹانے کے لئے آئے ہی ہیں۔ مگر وہ راجپوت ہیں تو پربھا کو لیکر ہی جائینگے"۔

بوڑھے راؤ صاحب کے بدن میں رعشہ آگیا۔ آنکھوں سے چنگاریاں نکلنے لگیں۔ تلوار کھینچ کر رانا کی طرف جھپٹے۔ رانا وار کو بچا کر پربھا سے بولے "راجکماری ہمارے ساتھ چلوگی"؟

پربھا سر جھکائے ہوئے رانا کے سامنے آکر کھڑی ہوگئی اور بولی "ہاں چلونگی"۔

راؤ صاحب تڑپ کر بولے "پربھا! تو راجپوت کی بیٹی ہے"۔

پربھا نے سر جھکا لیا۔ زبان سے کچھ نہ بولی۔

راؤ صاحب نے طیش میں آکر کہا "بے غیرت!

چھُری کے تلے پڑا ہوا جانور جس طرح قاتل کی طرف دردناک نگاہون سے دیکھتا ہے اُسی طرح پربھا نے رانا کی طرف دیکھکر کہا۔ جس جھالاوار کی گود مین پلی ہون کیا اُسے خون سے رنگوا دون ؟۔

راؤ صاحب نے اُسی غضبناک انداز سے کہا راجپوتون کو خون اتنا پیارا نہین ہوتا۔ عزت پر جان دینا اُنکا دھرم ہے، تب پربھا کی آنکھین سُرخ ہوگئین۔ بولی راجپوت کی بیٹی اپنی حفاظت خود کر سکتی ہے۔ اسکے لئے خون بہانے کی ضرورت نہین۔

چشم زدن مین رانا نے پربھا کو گود مین اُٹھا لیا۔ بجلی کی طرح کوند کر باہر نکلے۔ گھوڑا تیار تھا۔ پربھا کو اپنے ساتھ بیٹھایا۔ ایڑ لگائی اور غائب ہوگئے۔

چتوڑ کے جانبازون نے بھی باگین موڑ دین۔ اُنکے دو سو جوان زمین پر پڑے تڑپ رہے تھے۔ مگر کسی نے میان سے تلوار نہ نکالی تھی رات کو دس بجے مندا رسے بارات جھالاوار پہونچی، مگر شہر کے باہر ہی اس سانحۂ دلدوز کی خبر ملی۔ دولھا نے سر پیٹ لیا۔ مایوس و دل شکستہ اُلٹے قدم واپس گیا۔

جس طرح رات کو ندی کا کنارہ سنسان ہوجاتا ہے، اُسی طرح ساری رات جھالاوار مین سناٹا چھایا تھا۔

(۳)

چتوڑ کے شیش محل مین پربھا خاموش بیٹھی سامنے کے خوشنما پودون کی پتیان گن رہی تھی۔ شام کا وقت تھا کہ رانا اُسکے کمرہ مین داخل ہوئے۔ پربھا اُٹھکر کھڑی ہوگئی۔

رانا نے کہنا شروع کیا پربھا! مین تمہارا خطاوار ہون، مین تمہین جبراً تمہارے ماں باپ کے گود سے چھین لایا ہون۔ لیکن اگر مین تم سے کہون کہ یہ سب تمہاری محبت کی بدولت ہوا تو تم اپنے دل مین ہنسو گی اور کہو گی کہ یہ اظہار محبت کا انوکھا نرالا ڈھنگ ہے۔ مگر حقیقت یہی ہے۔ جسوقت مین نے تمہین رنچھوڑجی کے مندر مین دیکھا اُسیوقت تمہارا بندہ محبت

ہوگیا۔ اور اگر تمھین اپنا بنانے کی کوئی اور صورت ہوتی تو یقین مانو مین اس وحشیانہ طریقہ سے کام نہ لیتا۔ مین نے راؤ صاحب کی خدمت مین بار بار پیغام بھیجے۔ مگر اُنھون نے ہمیشہ انکار کیا۔ یہانتک کہ ایکبار میرے آدمیون کو دربار سے دھکے دیکر نکلوا دیا۔ آخر جب مین نے دیکھا کہ ایک ہی دن مین تم اُس پاک دائرہ مین داخل ہو جاؤ گے جہان قدم رکھنا میرے لئے بدترین گناہ ہے۔ تو مجبور ہو کر مجھے یہ ظلم کرنا پڑا۔ مین مانتا ہون کہ یہ سراسر میری خود غرضی ہے۔ مین نے اپنے جذبۂ محبت کے سامنے تمھارے خیالات کی پرواہ نہ کی۔ مگر محبت خود غرضی کا دوسرا نام ہے۔ محبت مین انسان کو صرف ایک چیز نظر آتی ہے۔ اور وہ وصال یار ہے۔ مجھے یقین کامل تھا کہ مین اپنی خدمت سے، محبت سے، عقیدت سے، تمھین اپنا بنا لونگا۔ خدمت پتھر کو بھی پگھلا دیتی ہے۔ اور اِسی دعویٰ پر مجھسے یہ خطا سرزد ہوئی، پرتھا! پیاس سے مرتا ہوا انسان اگر کسی گھڑے مین منھ ڈالدے تو وہ سزا کے قابل نہین۔ مین محبت کا پیاسا ہون۔ سزا کے قابل نہین۔ کاش میری رانی میرا میری محبت کرتی۔ اُسکا دل محبت کا اتھاہ ساگر ہے۔ اُسکا ایک پیالہ بھی مجھے مست کرنے کے لئے کافی تھا۔ مگر جس دل مین ایشور کا باس ہو۔ وہان میرے لئے کہان جگہ ہے۔ تم یہ کہو گی کہ اگر محبت کا بھوت تمھارے سر پر سوار تھا تو سارے راجپوتانہ مین کیا عورتین نہ تھین؟ بیشک راجپوتانہ مین حسن کی کمی نہین۔ اور نہ چیتوڑ کے رانا کی طرف سے شادی کا پیغام کسی راجپوت کے لئے سُبکی کا باعث ہو سکتا ہے۔ مگر اس سوال کا جواب تم خود ہو، اِس خطا کی خطاوار تم خود ہو، راجستھان مین ایک ہی چیتوڑ ہے، ایک ہی رانا ہے، اور ایک ہی پرتھا ہے! اور وہ اسی قابل ہے کہ راجپوتون کے سرتاج رانا کے دل مین بیٹھے۔ کوئی دوسری جگہ اسکے لائق نہین ہے! کاش راؤ صاحب نے کوئی سویمبر رچا ہوتا تو مجھے اس ستمگری کی ضرورت نہ ہوتی۔ سارے راجپوتانہ مین ایک جوان بھی ایسا نہین جو میرا لوہا نہ مانتا ہو۔ مگر جب چارون طرف کے راستے بند ہین۔ اور اس بے بہا رتن کو جو میرا حق ہے ایک دوسرا

شخص اُٹھائے لئے جاتا ہو تو کیا میرے لئے یہی مناسب تھا کہ خاموش بیٹھا دیکھا کرتا!
ممکن ہے میری تقدیر مین محبت کا سکھ نہ لکھا ہو۔ ممکن ہو مین اپنی تقدیر سے جنگ کر رہا
ہون۔ مگر تقدیر سے لڑنا مردون کا کام ہے۔ اسپر شاکر ہوکر بیٹھ رہنا مردون کا کام نہین،
اِس جنگ مین میری جیت ہوگی یا ہار اسکا مین کیا جواب دیسکتا ہون۔ اگر محبت کا صلہ کچھ
ملتا ہے تو وہ مجھے ملیگا۔ اسکا فیصلہ تمہارے ہاتھ ہے"

پربھا کی آنکھین زمین کی طرف تھین، اور خیالات طائرون کی طرح اِدھر اُدھر اُڑتے
پھرتے تھے۔ وہ جھالا وار کو کشت و خون سے بچانے کے لئے رانا کے ساتھ آئی تھی۔ مگر
رانا کی طرف سے بھری بیٹھی ہوئی تھی۔ اُسے ننگ خاندان، ننگِ قوم، ظالم، خونخوار،
کمینہ، نفس کا غلام، بزدل کہکر دل کا بخار نکالنا چاہتی تھی۔ اُسکو یقین تھا کہ یہ پھٹکار سُنکر
رانا بلبلا جائیگا۔ غضبناک ہوکر مجھے بزور قابو مین لانا چاہیگا۔ اس آخری موقعہ کے لیئے
اُسنے اپنے کلیجہ کو خوب مضبوط، اور اپنے آبدار خنجر کو خوب تیز کر رکھا تھا۔ اسکا ایک وار ا نپر
ہوگا، دوسرا اپنے جگر پر، اور یون قضیہ تمام ہوجائیگا۔ لیکن رانا کی لجاجت، انکے دردناک
اندازِ تقریر، انکے اعترافِ گناہ، اور انکی سرگرمی نے اسوقت پربھا کو رام کرلیا، آگ پانی
سے بجھ جاتی ہے۔

رانا ذرا دیر وہان بیٹھے رہے۔ جب پربھا نے کوئی جواب ندیا۔ اور رانا کو اسکے بشرہ
سے معلوم ہوا کہ میرا بیٹھنا ناگوار معلوم ہو رہا ہے تو اُٹھکر چلے گئے۔

(۴)

پربھا کو چتوڑ مین رہتے ہوئے دو ماہ گذر چکے ہین۔ رانا پربھا کے پاس دوبارہ نہ آئے
اس دوران مین رانا کے خیالات مین بہت کچھ انقلاب ہوگیا ہے۔ جھالا وار پر حملہ کرنے
کے پہلے میرا بائی کو اسکی ذرا بھی خبر نہ تھی۔ رانا نے اس راز کو کسی پر آشکارا نہین کیا تھا۔
مگر اب میرا بائی اکثر اُنھین اس فعل پر نادم کیا کرتی ہے۔ اور رفتہ رفتہ رانا کو بھی یقین ہونے

لگا ہے۔ کہ پربھا اُنکی رضا جوئیون سے قابو مین آنیوالی عورت نہین۔ انھون نے اُسکی آسائش کے سامان مہیا کرنے مین کوئی دقیقہ نہین چھوڑا تھا۔ مگر پربھا اُسکی طرف آنکھ اُٹھاکر بھی نہین دیکھتی۔ رانا پربھا کی لونڈیون سے، ہر روز کی کیفیت دریافت کیا کرتے ہین۔ اور انھین ایک ہی یاس انگیز داستان ہر روز سنائی دیتی ہے۔ مرجھائی ہوئی کلی کسی طرح نہین کھلتی۔ اسلئے کبھی کبھی رانا کو اپنے فعل پر افسوس ہوتا ہے۔ وہ پچھتاتے ہین کہ مین نے ناحق یہ بلا سر پر لی۔ مگر پھر پربھا کی دلفریب صورت آنکھون کے سامنے آجاتی ہے۔ اور وہ اپنے دلکو اس خیال سے سمجھا لیتے ہین کہ ایک خوددار عورت کے دل پر اتنی جلد اثر نہین ہو سکتا۔ اور یقیناً میری نازبرداریان جلد یا دیر مین اپنا اثر دکھائینگی۔

پربھا دن کے دن اکیلے بیٹھے بیٹھے اکتاتی اور جھنجھلاتی۔ اُسکی تفریح کے لئے گانیوالی عورتون کی ایک جمعیت مقرر تھی۔ مگر گانے کی طرف اُسکی طبیعت کبھی مائل نہین ہوتی۔ وہ ہر دم اپنے خیالون مین غرق رہتی۔ رانا کی لجاجت کا اثر اب زائل ہو چکا تھا۔ اور اب پھر اُنکی بیرحمانہ زیادتی اُسے اپنی اصلی صورت مین محسوس ہونے لگی تھی۔ چرب زبانیان قائل نہین کرتین، صرف لاجواب کر دیتی ہین۔ پربھا کو اب اپنے لاجواب ہو جانے پر تعجب ہوتا تھا۔ اُسے رانا کی گفتگو کا دندان شکن جواب دینے کے پہلو بھی نظر آنے لگے تھے۔ وہ کبھی کبھی اُن سے لڑکر اپنی قسمت کا فیصلہ کرنے کے لئے بیقرار ہو جاتی۔

مگر قسمت کا فیصلہ کیا ہوگا؟ مین اپنی نگاہ مین ابھی تک راؤ صاحب کی بیٹی ہون، لیکن دنیا کی نگاہ مین رانا کی رانی ہو چکی۔ اب اگر بفرض محال اس قید سے نکل بھی جاؤن تو میرے لئے کہان ٹھکانہ ہے۔ مین کیسے منہ دکھاؤنگی۔ امندار کمار کو مجھ سے سچی محبت ہے۔ مگر وہ اس حالت مین مجھے شوق سے آغوش محبت مین لینگے، اسمین شک ہے۔ اور اگر وہ زبان خلق کی پرواہ نہ کرکے مجھے قبول بھی کرلین تو انکا سر ہمیشہ کے لئے نیچا ہو جائیگا۔ اور کسی نہ کسی وقت ضرور اُنکا دل مجھسے پھر جائیگا اور وہ مجھے اپنے خاندان کا کلنک سمجھینگے۔

تو میرے لئے اب صرف دو راستے ہین - یا تو اسی قید تنہائی مین زندگی کے دن کاٹون، یا یہان سے کسی طرح بھاگ جاؤن - مگر بھاگ کر کہان جاؤن، باپ کے گھر؟ وہان اب میرا گذر نہین، مندار کمار کے پاس؟ اسمین انکی ذلت ہے - اور میری بھی - بھکارنی بن جاؤن؟ اسمین بھی جگ ہنسائی ہوگی - اور آیندہ چلکر زندگی کا کیا انجام ہو - ایک بیکس عورت کے لئے حسن بلاے جان ہے - ایشور! وہ دن نہ آئے کہ مین ننگ قوم بنون! راجپوت قوم نے عزت پر اپنا خون پانی کی طرح بہایا ہے - اسکی ہزارون دیویان سایۂ غیر کے خوف سے سوکھی لکڑی کی طرح جل مری ہین - وہ گھڑی نہ آئے کہ میرے کارن کسی راجپوت کی آنکھین شرم سے زمین کی طرف جھکین - نہین - مین اسی قید مین مرجاؤن گی، رانا کے ظلم سہونگی، جیونگی، مرونگی، مگر اسی گھر مین - بیاہ تو جس سے ہونا تھا ہوچکا - بیاہ صرف ایکبار ہوتا ہے - دل مین اسی کی پرستش کرونگی، مگر زبان پر اسکا نام نہ لاؤنگی"

ایک دن جھنجھلا کر اُسنے رانا کو بلوا بھیجا - رانا آئے - صورت متفکر تھی - بولے "پربھا! تنے آج مجھے بلایا ہے - یہ میری خوش نصیبی ہے - تمنے مجھے یاد تو کیا - مگر یہ مت سمجھو کہ مین میٹھی میٹھی باتین سُننے کی امید لیکر آیا ہون، نہین، مین جانتا ہون جس لئے تمنے یاد کیا ہے - یہ تمھارا گنہگار تمھارے سامنے حاضر ہے - جو سزا چاہے دو - مجھے ابتک آنے کی جرأت نہ ہوئی - اسکا باعث صرف یہی خوف تھا - تم راجپوتنی ہو - اور راجپوتنیان اُن گناہون کو معاف کرنا نہین جانتین - چھالاوار مین جب تم میرے ساتھ آنے پر مستعد ہوگئی تھین اُسیوقت مین نے تمھارے جوہر پرکھ لئے - مجھے معلوم ہوگیا کہ تمھارے سینہ مین اپنے اوپر بھروسہ کرنے والا، یا ہمت دل ہے، اور اُسے قابو مین لانا آسان نہین - یہان بارہا آیا، مگر ہمیشہ تمہین خاموش ، تیور چڑھائے دیکھا - اندر قدم رکھنے کی جرأت نہوئی اُلٹے قدم لوٹ گیا - مگر آج تمنے مجھے بلایا ہے - مین بن بلایا مہمان نہین ہون، اور تمہین

مہمان کی خاطر کرنا چاہیئے۔ دل سے نہ سہی، جہان آگ دہک رہی ہو وہان ٹھنڈک کہان، زبان ہی سے سہی، اپنے اوپر جبر ہی کر کے سہی، مہمان کی خاطر ہونی لازم ہے۔ دُنیا مین دشمن کی بھی خاطر کیجاتی ہے۔ اور اکثر دوستون سے زیادہ۔ پربھا! مین دیکھتا ہون کہ تم میرے غریب خانے کو قید سے بھی بدتر سمجھ رہی ہو۔ مجھے اُمید تھی کہ تم میری خطاؤن کو معاف کرو گی۔ اور میرے اوپر ترس کھاؤ گی۔ مگر میری امید پوری نہ ہوئی۔ ذرا دیر کے لیے غصّے کو دباؤ اور میری خطاؤن پر غور کرو۔ میرے اوپر یہ الزام ہے کہ مین تمہین مان باپ کے گود سے زبردستی چھین لایا۔ تم جانتی ہو کرشن بھگوان رُکمنی کو زبردستی چھین لائے تھے۔ راجپوتون مین یہ کوئی نئی بات نہین ہے۔ ایسے واقعات سے ہماری تاریخین بھری ہوئی ہین۔ تم کہو گی اس سے جھالاوار والون کی بےعزتی ہوئی۔ ایسا ہرگز نہین ہوا۔ جھالاوار والون نے وہی کیا جو مردون کو کرنا چاہیئے تھا۔ اُنھون نے اپنی غیرت کا دلیرانہ ثبوت دیا۔ اگر وہ ناکام رہے تو اُنکی خطا نہین ہے۔ دلیرونکی ہمیشہ جیت نہین ہوتی۔ ہم کامیاب ہوئے اسلیئے کہ ہم تعداد مین زیادہ تھے۔ اور اس کام کے لیے مستعد ہو کر گئے تھے۔ وہ بیخبر تھے۔ اسلیئے اُنکی ہار ہوئی۔ مگر ایشور کے لیے یہ مت خیال کرو کہ مین عذر گناہ کر رہا ہون، نہین مجھسے غلطی ہوئی۔ اور مین اسپر دل سے نادم ہون۔ اب اس بگڑے ہوئے کھیل کو تمہارے ہی اوپر چھوڑتا ہون۔ اگر مجھے تمہارے دل مین کوئی گوشہ ملسکے تو مین اسے سورگ[1] سمجھونگا۔ ڈوبنے والے کو تنکے کا سہارا بھی بہت ہے۔ کیا یہ ممکن ہے؟"

پربھا نے دیوار کی طرف تاکتے ہوئے جواب دیا۔ 'نہین'

رانا۔ "جھالاوار جانا چاہتی ہو؟"

پربھا۔ "نہین"

رانا۔ سندار کمار کے پاس بھیجدون"؟

پربھا۔ ہرگز نہین"؟

[1] بہشت

رانا۔ مگر تمہارا یہ کُڑھنا مجھ سے نہین دیکھا جاتا۔

پربھا۔ آپ کو اس کوفت سے جلد نجات ملجائیگی۔

رانا نے سہمی ہوئی نگاہ سے دیکھکر کہا۔ جیسی تمہاری مرضی، اور چلے گئے۔

(۵)

رات کے دس بج گئے تھے۔ رنچھوڑجی کے مندر مین کیرتن ختم ہوگیا تھا۔ اور وشنو سادھو بیٹھے کھانا کھا رہے تھے۔ میرا خود تھال لالا کر سامنے رکھتی۔ سادھو سنتون کی خاطر و تعظیم مین اس دیوی کو روحانی حظ حاصل ہوتا تھا۔ وہ کسی مہاتما کو بغیر شکم سیر کھلائے نہ جانے دیتی۔ سادھو لوگ جس رغبت اور شوق سے کھانے مین منہمک تھے اس سے شبہہ ہوتا تھا کہ اغراق مین زیادہ لذت ہی یا غذا سے لطیف مین۔ ایشور کے عطیات سے فیض اُٹھانا بجائے خود عبادت ہے۔ ضعیف انسان اسکے سوا اور کیا کرسکتا ہے۔ اس لیئے یہ مہاتما لوگ خوشنودی خدا کے اس سیدھے راستے پر اندھا دھند دوڑ رہے تھے۔ پیٹ پر بار بار ہاتھ پھیرتے۔ کبھی اس پہلو بیٹھتے، کبھی اُس پہلو۔ اور زبان سے "بس" کہنا تو اِن کے نزدیک کفران نعمت سے کم نہ تھا۔

مگر انھین ایک مہاتما ایسے بھی تھے جو آنکھین بند کیئے خیال مین بیٹھے تھے۔ اور تھال کی طرف تاکتے بھی نہ تھے۔ انکا نام پرمانند تھا۔ آج ہی وارد ہوئے تھے۔ عارف کامل تھے۔ چہرہ سے جلال برستا تھا۔ دیگر اولیاء کرام کھاکر اُٹھ گئے۔ مگر اُنھون نے کھانے کی طرف نگاہ بھی نہ کی۔ یہ حیرت کی بات تھی۔

میرا نے ہاتھ جوڑکر کہا۔ مہاراج! آپ نے پرساد کو چھوا بھی نہین۔ کوئی بات مزاج کے خلاف تو نہین ہوگئی؟

سادھو نے متین انداز سے کہا۔ ہان اچھا نہین تھی،

میرا۔ کچھ میری خاطر سے کھایئے۔

سادھو - اچھا نہیں سہی،

میرا - میری یہ بینتی (استدعا) ماننا پڑے گی۔

سادھو - میں نے برت کیا ہو کہ کہیں نہ کھاؤں گا۔ [1] عہد

میرا - اور میں نے برت کیا ہو کہ کسی کو یہاں سے بغیر کھائے نہ جانے دونگی۔

سادھو - میرا برت ٹوٹیگا تو اسکے لئے بڑی دکشنا دینا پڑے گی۔

میرا نے خوش ہو کر کہا۔ کیا آگیا ہے شوق سے کہیے؟ [2] حکم

سادھو - ماننا پڑے گی،

میرا - مانونگی،

سادھو - بچن دیتی ہو؟

میرا - ہاں بچن دیتی ہوں - آپ پرسادپائیں۔

میرا بائی کا خیال تھا کہ سادھو کسی مندر بنوانے، یا کسی یگیہ کرا دینے کا سوال کرینگے۔ سادھوؤں کے اس وطیرہ کا اُسے بارہا تجربہ ہو چکا تھا - اور میرا کا سب کچھ ایسے کار خیر کے لئے وقف تھا۔ مگر اُسے کتنی حیرت ہوئی جب سادھو نے زمین کی طرف تاکتے ہوئے کہا

آج رات کو محل کا چور دروازہ کھول دینا،

میرا بائی کو سکتہ سا ہو گیا۔ بولی آپ کون ہیں؟

سادھو - مندار کا راجکمار،

میرا نے مندار کو سر سے پاؤں تک دیکھا - نگاہ میں تعظیم کے بجائے حقارت تھی۔ بولی راجپوت یوں دھوکا نہیں دیتے۔

راجکمار نے جواب دیا - یہ قاعدہ اُس موقع کے لئے ہو جب دونوں فریق برابر ہوں۔

میرا - ایسا نہیں ہو سکتا،

راجکمار - آپ نے بچن دیا ہے - اُسے پورا کرنا ہو گا،

میرا۔ مہاراج کے حکم کے سامنے میرا بچن کوئی چیز نہین،

راجکمار۔ مین یہ کچھ نہین جانتا۔ اگر آپ کو اپنے بچن کا خیال ہو تو اُسے پورا کیجئے،

میرا۔ (سوچکر) محل مین جاکر کیا کروگے؟

راجکمار۔ نئی رانی سے دو دو باتین

میرا۔ فکر مین ڈوب گئی۔ ایک طرف راناکی ممانعت تھی۔ دوسری طرف اپنا قول اور اُسکے پورا کرنے کے نتائج۔ دسرتھ نے بچن کے لیے بیٹے کو جلاوطن کردیا، بچن کے لیے بزرگون نے کون کون سی مصیبتین نہین جھیلین۔ کن کن آفتون مین نہین پھنسے بچن ہی کے لیے کرشن نے دھرم کی بھی پرواہ نہ کی۔ بچن کو پالنا میرا فرض ہے!

مگر پتی کی آگیا کو کیسے توڑون؟ اُنھون نے سخت ممانعت کردی ہے۔ اگر اسکے خلاف کرتی ہون تو لوک اور پرلوک دونون بگڑتا ہے۔ کیون نہ اُن سے صاف صاف کہدون! کیا وہ میری اتنی درخواست نہ مانین گے۔ مین نے آج تک اُن سے کچھ نہین مانگا۔ مین آج اُنسے یہ بھیک مانگونگی۔ کیا وہ میرے بچن کی پرواہ نہ کرین گے؟ اُن کا دل فراخ ہے۔ یقیناً وہ مجھے ہمیشہ کے لیے وعدہ شکنی کے الزام سے بچائین گے۔

اِس طرح دل مین فیصلہ کرکے بولی۔ کس وقت کھولدون؟

راجکمار نے اُچھلکر کہا۔ آدھی رات کو،

میرا۔ مین خود تمھارے ساتھ چلونگی۔

راجکمار۔ کیون؟

میرا۔ تمنے مجھے دھوکا دیا ہے۔ مجھے تمھارے اوپر بھروسہ نہین ہے،

راجکمار نے خفیف ہوکر کہا۔ آپ دروازے پر کھڑی رہیگا۔

میرا۔ اگر تمنے دغا کی تو جان سے ہاتھ دھونا پڑیگا،

راجکمار۔ مین سب آفتادون کے لیے تیار ہون،

(۶)

میرا یہان سے راناکی خدمت مین حاضر ہوئی۔ رانا اُسکی بہت تعظیم کرتے تھے۔ کھڑے ہو گئے۔ اُسوقت میرا کا آنا ایک غیر معمولی بات تھی۔ پوچھا بائی جی، اِسوقت کیسے تکلیف کی؟

میرا نے جواب دیا۔ آپ سے بھیک مانگنے آئی ہون۔ مایوس نہ کیجیے گا۔ مینے آجتک آپ سے کوئی سوال نہین کیا ہے۔ پر آج ایک مصیبت مین پھنس گئی ہون، آپ ہی مجھے اس سے نکال سکتے ہین۔ مندار کے راجکمار کو آپ جانتے ہین؟

رانا۔ ہان خوب اچھی طرح،

میرا۔ آج اُسنے مجھے بڑا دھوکا دیا۔ ایک ویشنو مہاتما کا روپ بھر کر رنچھوڑ جی کے مندر مین آیا۔ کیرتن کے بعد جب سادھوؤن کا بھوج ہوا تو اُسنے کچھ نہ کھایا۔ میرے یہان قاعدہ ہے کہ کوئی سادھو بغیر کھائے نہین جاتا۔ مین نے اُس سے کھانے کے لئے اصرار کیا۔ آخر بہت کہنے سُننے پر راضی ہوا۔ مگر اس شرط پر کہ مین بھی اُسکا ایک سوال پورا کردون۔ مین نے سمجھا کسی مندر کے بنوانے کا سوال کریگا۔ بچن دے بیٹھی۔ تب اُسنے اپنا سوال پیش کیا۔ سُنتے ہی مجھے سکتہ سا ہو گیا۔ پوچھا تو نام بتلایا۔ میری ہمت نہین پڑتی کہ اُسکا سوال آپ سے کہون۔

رانا۔ پربھا سے ملا دینے کو تو نہین کہا؟

میرا۔ جی ہان اُسکا منشا یہی تھا۔ مگر سوال یہ تھا کہ مین آدھی رات کو چور دروازہ کھولدون۔ مین نے اُسے بہت سمجھایا۔ بہت دھمکایا۔ مگر وہ کسی طرح نہ مانا۔ آخر مینے مجبور ہو کر اُسکے سوال کو پورا کرنیکا وعدہ کر لیا۔ تب اُسنے کھانا کھایا۔ اب میرے بچن کی لاج آپکے ہاتھ ہے۔ آپ چاہین اُسے پورا کرکے میرا مان رکھین۔ چاہے اُسے توڑ کر میرا مان کھودین۔ آپ میرے اوپر جو دیا رکھتے ہین اُسی کے بھروسے پر مین نے بچن دیدیا۔ اب اس پھندے

سے آپ ہی مجھے چھڑا سکتے ہین"۔

رانا سوچکر بولے۔ "تمنے بچن دیا ہے۔ اسکا پورا ہونا ضروری ہے۔ تم دیوی ہو۔ تمہارے بچن نہین ٹلسکتے۔ محل کا دروازہ کھلوا دو۔ مگر یہ مناسب نہین ہے کہ وہ راجکماری پربھا سے اکیلے ملاقات کرے۔ تم خود اُسکے ساتھ جانا۔ میری خاطر اتنی تکلیف کرنا۔ مجھے خوف ہے کہ وہ اُسے قتل کرنے کا ارادہ کرکے نہ آیا ہو۔ حسد آدمی کو اندھا کر دیتا ہے۔ بائی جی! مین اپنے دل کی بات آپ سے کہتا ہون۔ مجھے پربھا کو ہر لانے کا سخت افسوس ہے۔ مین نے سمجھا تھا کہ وہ یہان رہتے رہتے مانوس ہو جائیگی۔ مگر یہ خیال بالکل غلط نکلا۔ مجھے خوف ہے کہ اگر کچھ دن اُسے یہان اور رہنا پڑا تو وہ جیتی نہ بچیگی۔ خون ناحق ہو جائیگا۔ مین نے اُس سے جھالاوار جانے کے لئے کہا، لیکن راضی نہین ہوئی۔ آج آپ اُسکی باتین سُنئین۔ اگر وہ مندار کمار کے ساتھ جانے پر راضی ہو تو مین شوق سے اجازت دیدونگا۔ مجھسے اُنکا کڑھنا نہین دیکھا جاتا۔ کاش اس حسینہ کا دل میری طرف سے اتنا سخت نہ ہوتا۔ تو میری زندگی سپھل ہو جاتی۔ مگر جب میری تقدیر مین یہ سُکھ نہین لکھا ہے تو کیا چارہ۔ مین نے تم سے اِن باتون کا ذکر نہین کیا۔ تم سے ایسی باتین کرتے ہوئے شرم آتی ہے۔ تمہارے پاک دل مین ان باتون کے لئے کہان جگہ ہے"۔

میرابائی نے اوپر دیکھکر کہا۔ تو مجھے اجازت ہے کہ چور دروازہ کھولدون؟

رانا۔ تم خود مالک ہو۔ مجھسے پوچھنے کی ضرورت نہین۔

میرابائی نے پرنام کیا اور چلی گئی۔

(۷)

آدھی رات گذر گئی تھی۔ پربھا خاموش بیٹھی طلائی شمعدان مین جلتی ہوئی شمع کو دیکھتی تھی۔ اور سوچتی تھی اس کے گھُلنے سے روشنی ہوتی ہے۔ یہ اگر جلتی ہے تو

دوسرون کو فائدہ پہونچاتی ہے۔ میرے جلنے سے کسی کو کیا فائدہ ہے۔ مین کیون گھلون؟ میرے زندہ رہنے کی کیا ضرورت ہے؟

اُسنے پھر کھڑکی سے سر نکالکر آسمان کی طرف دیکھا۔ سیاہ سطح پر تارے جگمگا رہے تھے۔ تاریکی نے انھین خوب روشن کر دیا تھا۔ پربھا نے سوچا میرے سیاہ نصیب مین روشن تارے کہان ہین؟ میرے لیے زندگی کی خوشیان کہان ہین؟ یہی تنہائی کی قید جھیلنے کے لئے زندہ رہون؟ رونے کے لئے جیون؟ ایسے جینے سے کیا فائدہ؟

اور جینے مین بدنامی بھی تو ہے۔ میرے دل کا حال کون جانتا ہے؟ دنیا مجھے بے عزت کہتی ہوگی۔ چھالاوار کی دیویان میرے مرنے کی خبر سننے کی منتظر ہونگی۔ میری پیاری ماتا کی آنکھین اوپر نہ اٹھتی ہونگی۔ مگر جسوقت وہ میرے مرجانے کی خبر پائین گی فخر سے اُنکا سر اونچا ہو جائے گا۔ یہ بیحیائی کی زندگی ہے۔ ایسے جینے سے مرنا بہتر۔

پربھا نے سرہانے کے نیچے سے ایک آبدار کٹار نکالی۔ ہاتھ کانپ رہے تھے۔ اس نے کٹار کی طرف نظر جمائی۔ اس سے ہم آغوش ہونے کے لئے جگر کو مضبوط کیا۔ ہاتھ اُٹھایا مگر نہ اُٹھا۔ ارادہ مین ضعف تھا۔ آنکھین جھپک گئین۔ سر مین چکر آگیا۔ کٹار ہاتھ سے چھوٹ کر زمین پر گر پڑی۔

پربھا جھنجھلائی۔ کیا سچ مچ مین بے غیرت ہون؟ مین راجپوت کی بیٹی ہو کر مرنے سے ڈرتی ہون؟ عزت کھو کر بیحیا جیا کرتے ہین۔ وہ کونسی آرزو ہے جسنے مجھے اتنا کمزور بنا رکھا ہے۔ کیا رانا کی میٹھی میٹھی باتین؟ دشمن کی دلجوئیان؟ انھون نے مجھے جانور سمجھ لیا ہے۔ جیسے ہم شکار کر کے لاتے ہین اور تب قفس مین بند کر کے اُسے ہلاتے ہین۔ کاش اس جادوگر کے سامنے میری زبان کھلتی، وہ اس طرح گھما گھما کر باتین کرتے ہین اور میری طرف سے دلیلین نکالکر انکا ایسا جواب دیتے ہین کہ مین بالکل بے زبان ہو جاتی ہون۔ ہائے ظالم نے میری زندگی خاک مین ملا دی۔ اور اب مجھے یون کھلا رہا ہے۔

کیا اسی لیئے زندہ رہون کہ اُسکے نفس کا کھلونا بنون ؟

پھر کونسی آرزو ہے ؟ راجکمار کی محبت ؟ اب آہ اُسکا خیال کرنا بھی میرے لیئے گناہ ہے - مین اب اُس دیوتا کے لائق نہین ہون - پیارے ! مینے عرصہ ہوا تمہین دل سے نکالدیا - تم بھی مجھے دل سے نکال ڈالو -

ایشور ! ایسی باتین میرے دل مین کیون آتی ہین - مجھے تو اب موت کے سوا ٹھکانا نہین -

شنکر ! میرے کمزور دل کو سنبھالو - اور مرنے کے بعد مجھے رسوائی سے بچانا -

پربھا نے پھر کٹار نکالی - ارادہ کامل تھا - ہاتھ اُٹھا - اور قریب تھا کہ کٹار اُسکے داغدار سینے مین چُبھ جائے کہ اتنے مین کسی کے پانون کی آہٹ معلوم ہوئی - اُسنے چونککر سہمی ہوئی نگاہ سے دیکھا - مندار کمار آہستہ آہستہ پیر دبا تا کمرہ مین داخل ہوا -

— ۸ —

پربھا اُسے دیکھتے ہی چونک پڑی - کٹار کو چھپا لیا - راجکمار کو دیکھکر اُسے خوشی نہین ہوئی - بلکہ خوف ہوا - اگر کسی کو ذرا بھی خبر ہوگئی تو اسکی جان کی خیریت نہین - اسے فوراً یہان سے نکل جانا چاہیئے - اگر اسے باتون کا موقع دون تو دیر ہو گی - اور پھر وہ ضرور گرفتار ہو جائے گا - رانا اُسے ہرگز زندہ نہ چھوڑین گے - یہ خیالات برق و باد کی طرح اُسکے دماغ مین آئے - تیز آواز مین بولی " اندر مت آؤ "

راجکمار نے پوچھا " مجھے پہچانا نہین ؟

پربھا - خوب پہچان لیا - مگر یہ باتین کرنے کا موقع نہین ہے - اندر مت آؤ - رانا تمہارے گھات مین ہین ابھی یہان سے چلے جاؤ "

راجکمار نے ایک قدم اور آگے بڑھایا اور بیباکانہ انداز سے بولا " پربھا تم مجھسے بے مروّتی کرتی ہو "

پربھا۔ تم اگر یہان ٹھہروگے تو شور مچا دون گی!

راجکمار ۔ اسکا مجھے خوف نہین ۔ مین زندگی سے بیزار ہون ۔ اپنی جان ہتھیلی پر رکھکر آیا ہون ۔ آج دو مین سے ایک کا فیصلہ ہو جائیگا ۔ یا تو رانا رہین گے ۔ یا مین رہون گا ۔ تم میرے ساتھ چلوگی ؟

پربھا نے کہا ۔ نہین ۔

راجکمار ۔ کیون ؟ کیا چتوڑ کی آب و ہوا پسند آگئی ؟

پربھا ۔ دُنیا مین سب کچھ اپنی مرضی کے موافق نہین ہوتا ۔ جس طرح مین اپنی زندگی کے دن کاٹ رہی ہون وہ میرا دل ہی جانتا ہے ۔ مگر لوک لاج بھی تو کوئی چیز ہے ۔ دُنیا کی نگاہ مین مین چتوڑ کی رانی ہو چکی ۔ اب رانا جس طرح رکھین اُسی طرح رہونگی ۔ مین مرتے دم تک اُن سے نفرت کرونگی ۔ جلونگی ، کڑھونگی ، جب یہ جلن نہ سہی جائے گی تو زہر کھالونگی ، سینہ مین کٹار مار کر مر جاؤنگی ۔ مگر اسی گھر مین ۔ اس گھر سے باہر قدم نہ نکالونگی ۔

راجکمار کے دل مین شبہہ ہوا ۔ اُسنے سوچا پربھا پر رانا کا منتر چل گیا ۔ یہ مجھ سے دغا کر رہی ہے ۔ محبت کی جگہہ حسد کا شعلہ پیدا ہوا ۔ تیز آواز سے بولا ۔ اور اگر مین تمہین یہان سے اُٹھا لے جاؤن تو ؟

پربھا کے تیور بدل گئے ۔ بولی ۔ تو مین وہی کرونگی جو راجپوتنیان کیا کرتی ہین ۔ یا اپنے گلے مین چھری مارلونگی یا تمہارے گلے مین

راجکمار ایک قدم اور آگے بڑھا اور طعن آمیز انداز سے بولا ۔ رانا کے ساتھ تو تم خوشی سے چلی آئین ۔ اُسوقت یہ چھری کہان گئی تھی ؟

پربھا تلملا گئی ۔ تیر سا لگا ۔ بولی ۔ اُسوقت اس چھری کے ایک وار سے خون کی ندی بہنے لگتی ۔ مین نہین چاہتی تھی کہ میرے پیچھے میرے بھائی بندون کی جان جائے ۔ اسکے سوا مین کنواری تھی ۔ کم سے کم دُنیا مجھے ایسا سمجھتی تھی ۔ مجھے اپنے ناموس کے مٹنے کا

خوف نہ تھا۔ مین نے پتی برت نہین لیا تھا۔ کم سے کم دنیا یہی مجھتی تھی۔ مین اپنی نگاہ مین اب بھی وہی ہون۔ مگر دنیا کی نگاہ مین کچھ اور ہوگئی ہون۔ دنیا نے مجھے رانا کا پابند بنا دیا ہے۔ دنیا نے پتی برت کی زنجیر میرے گلے مین باندھ دی ہے۔ اب یہی میرا دھرم ہے۔ اسکے سوا اور کچھ کرنا چھتر اینون کے نام پر بٹہ لگانا ہے۔ چھتریون کا سر نیچا کرنا ہے۔ تم میرے زخم پر نمک چھڑکتے ہو۔ یہ کونسی شرافت ہے۔ میری تقدیر مین جو کچھ لکھا ہے بھوگ رہی ہون۔ مجھے بھوگنے دو۔ اور منت کرتی ہون کہ یہان سے چلے جاؤ۔

راجکمار ایک قدم اور بڑھا اور شرارت آمیز انداز سے بولا۔ پربھا کیا رانا نے تمھین تریا چرتر بھی سکھا دیا۔ تم میرے ساتھ بیوفائی کرکے اب دھرم کی آڑ لے رہی ہو۔ تم نے میرے دل و جان کو پیرون تلے مسل دیا۔ اور اب نام و ناموس کا عذر کرتی ہو۔ ان آنکھون سے تمھین رانا کے آغوش الفت مین عیش اڑاتے نہین دیکھ سکتا۔ میری آرزوئین خاک مین ملتی ہین۔ تو تمھین لیکر جائین گی۔ تمہاری بیوفائی کی یہی سزا ہے۔ بولو کیا فیصلہ ہے؟ اسوقت میرے ساتھ چلتی ہو یا نہین۔ قلعہ کے باہر میرے آدمی تیار کھڑے ہین۔

پربھا نے بیخوفی سے کہا "نہین"۔

راجکمار۔ "یہ آخری فیصلہ ہے؟"

پربھا۔ "ہان"۔

راجکمار نے تلوار کھینچ لی۔ اور پربھا کی طرف لپکا۔ پربھا خوف سے آنکھ بند کرکے ایک قدم پیچھے ہٹ گئی۔ معلوم ہوتا تھا اسے غش آجائے گا۔

دفعتاً رانا تلوار کھینچے ہوئے اندر داخل ہوئے۔ راجکمار سنبھل کر کھڑا ہوگیا۔

رانا نے غضبناک ہوکر کہا۔ دور ہٹ۔ چھتری عورتون پر تلوار نہین اٹھاتے۔

راجکمار نے تن کر جواب دیا۔ بیحیا عورتوں کی یہی سزا ہے۔

رانا نے حقارت آمیز لہجہ میں کہا۔ تمہارا رقیب تو میں تھا۔ میرے سامنے کیا شرماتے تھے۔ میں بھی تمہاری تلوار کے جوہر دیکھتا۔

راجکمار نے اینٹھ کر رانا پر تلوار چلائی۔ رانا تلوار بازی میں یکتائے روزگار تھے۔ وار خالی دیکر راجکمار کی طرف جھپٹے۔ دفعتاً پربھا جو ایک سکتہ کے عالم میں دیوار سے چمٹی ہوئی کھڑی تھی۔ بجلی کی طرح کود کر راجکمار کے سامنے کھڑی ہوگئی۔ رانا وار کرچکے تھے تلوار کا پورا ہاتھ اسکے شانے پر پڑا اور سینہ تک چلا گیا۔ خون کا فوارہ چھوٹنے لگا۔ رانا نے ایک آہ سرد لی اور تلوار ہاتھ سے پھینک کر گرتی ہوئی پربھا کو سنبھال لیا۔

دم زدن میں پربھا کے چہرہ پر مُردنی چھاگئی۔ آنکھیں بجھ گئیں۔ چراغ ٹھنڈا ہوگیا۔ مندار کمار نے بھی تلوار پھینکدی۔ اور آنکھوں میں آنسو بھرے پربھا کے سامنے گھٹنے ٹیک کر بیٹھ گیا۔ دونوں عاشقوں کی آنکھوں سے آنسو بہ رہے تھے۔ پروانے بجھے ہوئے چراغ پر نثار ہوتے تھے۔

محبت کے آداب اور آئین نرالے ہیں۔ ابھی ایک لمحہ پہلے راجکمار پربھا پر تلوار لیکر جھپٹا تھا۔ پربھا کسی طرح اسکے ساتھ چلنے پر راضی نہوتی تھی۔ رسوائی کا خوف، دھرم کی زنجیر فرض کی دیوار، مانع تھی۔ مگر اُسے تلوار کی زد میں دیکھکر اُسکے لئے اپنی جان تک دیدی۔ شرط وفا نباہ دی۔ مگر اپنے قول کے موافق اُسی گھر میں۔

ہاں محبت کے آداب اور آئین نرالے ہیں۔ ابھی ایک لمحہ پہلے راجکمار پربھا پر تلوار لیکر جھپٹا تھا۔ اسکے خون کا پیاسا تھا۔ حسد کی آگ سینہ میں مشتعل تھی۔ وہ آگ خون کے دھاروں نے بجھ گئی۔ وہ ایک عالم بیخودی میں کچھ دیر تک بیٹھا روتا رہا۔ پھر اُٹھا۔ اور تلوار اُٹھا کر زور سے اپنے سینہ میں چُبھالی۔ پھر خون کا فوارہ نکلا۔ دونوں دھاریں مل گئیں اور ہمرنگ ہوگئیں۔

پربھا اُسکے ساتھ چلنے پر راضی نہوتی تھی۔ مگر پریم کی زنجیر کو نہ توڑ سکی۔ دونوں ایک ساتھ رخصت ہوگئے

نگاہِ ناز

(۱)

دن رات سے گلے ملتا تھا۔ اور لکھنؤ کے ایک خوش قطع باغچہ مین محبت کے دو متوالے باہم بغلگیر ہو رہے تھے۔ انکی آنکھون مین آنسو تھے اور آنسوؤن کی آڑ مین اشتیاق اور التجا۔ آرزو اور کشش کے راز و نیاز ہو رہے تھے۔ پیڑون کی پتیان خاموش اور پھولون کی زبانین بند تھین۔ ہان نرگس کی نیم باز آنکھین کھلی ہوئی تھین۔ مگر ان مین بھی رازداری تھی۔ کیونکہ یہ گناہ کا نظارہ تھا۔ صرف نسیم غماز بیلون مین چھپکر سنتی تھی۔ اور مسکراتی تھی۔

"یہ کمبخت شام روز آتی ہے"

"مین تو اسے صبح امید سمجھتا ہون"

"مردون اور عورتون مین بڑا فرق ہے۔ تم لوگون کا دل سخت ہوتا ہے۔ جیسے شیشہ۔ ہمارا دل نرم ہوتا ہے۔ برہ کی آنچ کو نہین سہہ سکتا"

"شیشہ ٹھیس لگتے ہی ٹوٹ جاتا ہے۔ نرم چیزون مین لچک ہوتی ہے"

"چلو باتین نہ بناؤ۔ دن بھر راہ دیکھون۔ رات بھر گھڑی کی سوئیان۔ تب کہین آپ کے درشن ہوتے ہین"

"مین تو ہر دم تمھین اپنے گوشۂ جگر مین بٹھائے رکھتا ہون"

"ٹھیک بتلاؤ کب آؤ گے؟"

"گیارہ بجے۔ مگر احاطہ کا پچھلا دروازہ کھلا رکھنا"

"اُنھین میری آنکھین سمجھو"

"اچھا تو رخصت!"

"کیسے بے درد ہو۔ جاتے ہو اور گلے بھی نہین ملتے"

(۲)

پنڈت کیلاش ناتھ لکھنؤ کے ممتاز بیرسٹرون مین تھے۔ کئی انجمنون کے سکرٹری۔ کئی سوسائیٹیون کے پریسیڈنٹ۔ اخبارون مین اچھے اچھے مضمون لکھتے۔ پلیٹ فارم پر پرجوش تقریرین کرتے۔ شروع شروع مین جب وہ مغرب سے لوٹے تو یہ جوش انتہائے عروج پر تھا۔ لیکن رجوعات کی ترقی کیساتھ اس جوشِ ایثار مین کچھ کمی ہوگئی تھی۔ اب بیکار نہ تھے۔ بیگار کیون کرتے۔ ہان کرکیٹ کا شوق اب تک قائم تھا۔ وہ قیصر کلب کے بانی، اور کرکیٹ کے بہت مشتاق کھلاڑی تھے۔

اور اگر مسٹر کیلاش کو کرکیٹ کی دھن تھی تو انکی بہن کامنی ٹینس کی دلدادہ تھین۔ انھین نت نئے تفریحات کی تلاش رہتی تھی۔ شہر مین کہین ڈراما ہو۔ کوئی تھیٹر آئے۔ کوئی سرکس، کوئی بائسکوپ۔ کامنی کی طرف سے بے التفاتی غیر ممکن تھی۔ غرض تفنن طبع کا کوئی سامان انکے لئے اسی طرح ضروری تھا جس طرح ہوا یا روشنی۔ مسٹر کیلاش اپنے بعض دیگر روشن خیال ہم نشینون کی طرح ارباب نشاط کے سخت دشمن تھے۔ معلوم نہین یہ کسی ستم کا بدلہ تھا یا کیا۔ لیکن اس فرقہ کے خلاف انھون نے بائکٹ کی پرزور تحریک قائم کر رکھی تھی۔ انکی حیا ریز نگاہین۔ انکے شرمناک کنائے۔ انکی اخلاق سوز ادائین۔ انکے مخرب نفس ترانے۔ انکے عصمت فروشانہ غمزے۔ غرض انکا وجود مہلک، ہماری سوسائٹی کو مسموم، اور متعفن اور مکروہ بنا رہا ہے۔ کیا یہ ضروری ہے کہ ہمارے بچے آنکھین کھولتے ہی یہ پستی کا نظارہ دیکھین۔ کیا یہ لازمی ہے کہ ہماری مبارک شادیان ایسی نامبارک ہستیون کا جولانگاہ بنائی جائین۔ خانہ داری کے پاک مندر مین قدم رکھتے ہی ہم ایسے ناپاک جذبات کا شکار بنین جو خانہ داری کے منافی ہین۔؟ یہ مسٹر کیلاش کے خیالات تھے۔ اور ان پاکیزہ

خیالات کو وہ رنگین اور سجیلے الفاظ پہنا کر اپنے مضامین اور اپنی تقریرون مین بڑے جوش سے ادا کرتے تھے۔ رندانہ روش کے لوگ انھین اکثر مزاح کا نشانہ بناتے۔ لیکن مزاح اور تضحیک اور ہنسی یہ رفارمرون کے انعام ہین۔ مسٹر کیلاش انکی کوئی پرواہ نکرتے تھے۔

باوجود اس مصلحانہ جوش کے مسٹر کیلاش خشک یا روکھے آدمی نہین تھے۔ وہ واعظ ضرور تھے۔ مگر واعظ رنگین۔ کامنی کیطرح تھیٹرون پر انکی بھی نظر شفقت رہتی تھی۔ اگر وہان بھی وہی حسن فروشیان تھین۔ وہی اخلاقی گمراہیان، وہی عاشقانہ رندپرستیان، وہی حسن کے چرچے۔ وہی بے حجابانہ سحر ادائیان۔ وہی نازو ادا کی گھاتین۔ توکوئی مضائقہ نہ تھا۔ تھیٹر تھیٹر تھا اور ناچ ناچ۔ تھیٹر اور ناچ مین کوئی مناسبت نہین ہوسکتی تھی۔ غرض مسٹر کیلاش اور کامنی ان بزرگون کی طرح جو یورپین اقوام سے مساوات کا دعویٰ کرتے ہین مگر اپنی ہی قوم کے بعض ارکین کو حیوان سے بھی بدتر سمجھتے ہین۔ حرف حرف کے پابند تھے۔ معنی سے انھین کوئی سروکار نہ تھا۔ خوش قسمتی سے کامنی کے شوہر مسٹر گوپال نارائن بھی اُسکے ہم مذاق اور ہم خیال تھے۔ وہ سال بھر سے ایڈنبرگ مین تحصیل علم کر رہے تھے۔

(۳)

لکھنؤ مین الفریڈ تھیٹریکل کمپنی آئی ہوئی تھی۔ اور شہر مین جہان دیکھئے اسی تماشے کے چرچے تھے۔ کامنی کے لئے یہ عید کی راتین تھین۔ رات بھر تھیٹر دیکھتی۔ دن کو کچھ سوتی اور کچھ دیر وہی تھیٹر کے نغمے الاپتی۔ حسن اور محبت کی ایک نئی دلفریب دنیا کی سیر کر رہی تھی۔ جہان کی مصیبتین اور آفتین بھی اس دنیا کی خوشیون اور مسرتون سے زیادہ دلآویز تھین۔ یہان تک کہ تین مہینے گذر گئے۔ حدیث عشق کی مسلسل تلقین، اور طریق الفت کے روزانہ ورد وذکر کا قلب پر۔ اور وہ بھی عالم شباب مین کچھ نہ کچھ اثر ہونا ہی چاہیئے تھا۔ اور وہ اثر ہوا اسکی ابتدا اس طرح ہوئی جس طرح ہوا کرتی ہے۔ وہ فوری یا ناگہانی نہ تھی۔ تھیٹر ہال مین ایک خوش وضع شکیل نوجوان کی نگاہین کامنی کی طرف اُٹھنے لگین۔ وہ حسین تھی اور چنچل تھی۔

اس لیئے پہلے اُسے ان نگاہون مین کوئی خصوصیت نہ معلوم ہوئی۔ آنکھون کو حُسن سے ازلی تعلق ہے۔ گھورنا مردون کی ادر لجانا عورتون کی عادت ہے۔ کچھ دنون کے بعد اُسے ان مین کچھ چھپے ہوئے معنی نظر آنے لگے۔ منتر اپنا کام کرنے لگا۔ پھر نگاہون مین سرگوشیان ہوئین۔ آنکھین ملنے لگین۔ تالیف کی منزل دشوار تمام ہوئی تب اضطراب کا دور شروع ہوا۔ کامنی ایک دن کے لئے بھی اگر کسی دوسرے جلسے یا تقریب مین شریک ہوتی تو وہان اُسکا جی اُچاٹ رہتا۔ آنکھین کسی کو ڈھونڈا کرتین۔ آخر پیمانہ چھلک پڑا۔ خیال نے عمل کی صورت اختیار کی۔ خموشی کی مُہر ٹوٹی۔ تعارف ہوا۔ زبان گویا نے پہلے کنایون سے، پھر لطافت سے کام لیا۔ نظم کے بعد نثر کا دور آیا۔ وصال کے دروازے پر آ پہونچے۔ اسکے بعد جو کچھ ظہور مین آیا اسکی ایک جھلک ہم پہلے ہی دیکھ چکے ہین۔ اس نوجوان کا نام روپ چند تھا۔ پنجاب کا رہنے والا۔ سنسکرت کا شاستری۔ فارسی اُردو مین دستگاہ کامل۔ انگریزی کا ایم اے۔ لکھنؤ کے ایک وسیع لوہے کے کارخانہ کا منیجر تھا۔ گھر مین حسین بیوی۔ دو پیارے پیارے بچے۔ اپنے ہم جلیسون مین بے لوث مشہور۔ نہ شباب کی مستی تھی۔ نہ مزاج کا چھچھورا پن۔ عیالداری کی زنجیر مین جکڑا ہوا۔ معلوم نہین وہ کونسی کشش۔ کونسی ترغیب تھی جو اُسے اس طلسم مین لے گئی۔ جہان کی زمین آگ ہے اور آسمان شعلہ۔ جہان ذلت ہے تباہی ہے۔ اور گناہ ہے۔ اور کامنی۔ بدنصیب کامنی کو کیا کہا جائے جسکے سیلاب محبت نے ضبط اور وفا کے باندھ کو توڑ کر اپنی آزادانہ رَو مین، اخلاق کے شکستہ حال جھونپڑون کو ڈھا دیا۔ اور ننگ و ناموس کے ہرے بھرے سبزہ زار کو دبا دیا۔ یہ سب پورب جنم کے سنسکار تھے۔

(۴)

رات کے دس بج گئے تھے۔ کامنی اپنے کمرہ مین ارتی لیمپ کے سامنے بیٹھی ہوئی چٹھیان لکھ رہی تھی۔ حُسن کا چراغ روشن تھا۔

لکھنؤ کیلاش بھون

"میری جان! تمہارے خط کو پڑھکر جان نکل گئی۔ اُف! ابھی ایک مہینہ لگے گا۔ اتنے دنوں مین تو شاید تمہین یہان میری راکھ بھی نہ ملے گی۔ ایک ہی ہفتہ مین نیم جان ہو گئی۔ تم سے اپنے دُکھ کیا رو دُن۔ بناوٹ کے الزام سے ڈرتی ہون۔ جو کچھ بیت رہی ہے وہ مین ہی جانتی ہون۔ لیکن بلا درد دل سنائے جلن کیسے جائے گی۔ یہ آگ کیسے ٹھنڈھی ہوگی۔ اب مجھے معلوم ہوا کہ محبّت اگر دہکتی ہوئی آگ ہے، تو جدائی اسکے لئے روغن ہے۔ تھیٹر اب بھی جاتی ہون، مگر لطف دیکھنے کے لئے نہین۔ رونے اور بسورنے کے لئے۔ رونے ہی مین کچھ طبیعت کو تسکین ہوتی ہے۔ آنسو بے کراں امڈا چلا آتا ہے۔ مگر معلوم ہوتا ہے اس آہنی پیشہ نے تمہارے دل پر بھی کچھ نہ کچھ اثر ضرور کیا ہے۔ ورنہ کیا ممکن تھا کہ تمہین بالکل خبر نہوتی۔ میری زندگی بے مزہ خشک اجیرن ہو گئی ہے۔ نہ کسی سے ملنے کو جی چاہتا ہے نہ کسی سیر و تفریح کی طرف طبیعت مائل ہوتی ہے۔ پرسون ڈاکٹر کلکر کا لکچر تھا۔ بھائی صاحب نے بہت اصرار کیا۔ مگر مین نہ گئی۔ پیارے موت سے پہلے مت مارو۔ مصیبت کے دن تو آئین ہی گے۔ آہ! جب اُن آنیوالی مصیبتون کا خیال کرتی ہون تو دماغ مین چکر آجاتا ہے۔ ایشور کرے وہ دن دیکھنے کے لئے مین زندہ نہ رہون۔ لیکن خوشی کے ان گنے گنائے لمحون مین جدائی کا دُکھ مت دو۔ آؤ۔ جسقدر جلد ممکن ہو۔ اور گلے سے لگا کر میرے دل کی جلتی ہوئی آگ کو بجھاؤ۔ ورنہ کیا عجب ہے برہ کا یہ اتھاہ دریا کوزہ صبر مین نہ بند ہو سکے"!

اسکے بعد کامنی نے دوسرا خط اپنے شوہر کو لکھا

لکھنؤ کیلاش بھون۔

"مائی ڈیر گوپال! اس دوران مین تمہارے دو محبّت نامے آئے۔ مگر افسوس ہے کہ مین انکا جواب نہ دے سکی۔ دو ہفتہ سے دردِ سر مین مبتلا ہون کسی پہلو چین نہین آتا۔ مگر

اب کچھ افاقہ ہوا ہے۔کوئی اندیشہ مت کرنا تمنے جو ڈرامے بھیجے انکا تہ دل سے شکریہ ادا کرتی ہون۔طبیعت صاف ہوجائے تو پڑھنا شروع کردون۔تم وہان کی دلفریبیون کا ذکر مت کیا کرو مجھے تم پر رشک آتا ہے۔اگر مین اصرار کرون تو بھائی صاحب مجھے وہان تک پہونچا تو دین گے۔مگر ان کے مصارف اسقدر زیادہ ہین کہ ان سے ماہوار مستقل امداد کی توقع نہین ہوسکتی۔اور غالباً تم بھی مجھے بار سمجھنے لگو۔ایشور چاہے گا تو وہ دن بھی آئینگے جب مین تمہارے ساتھ اُس زندگی اور بہار اور نغمہ کے سرزمین کی سیر کرونگی۔مین تمہین اسوقت کوئی تکلیف تو نہین دینا چاہتی۔لیکن اپنی ضروریات کس سے کہون۔میرے پاس اب کوئی خوش وضع گاؤن نہین رہا۔کسی تقریب مین جاتے ہوئے شرماتی ہون۔پہلے کے کپڑے ضرورت سے زیادہ شوخ اور بھڑکیلے ہین اگر تمہارے امکان مین ہو تو میرے لئے ایک اپنی پسند کا گاؤن بنوا کر بھیجدو۔ضرورتین تو اور بھی بہتیری ہین۔مثلاً کانون کے آویزے چھوٹے اور بے آب ہوگئے ہین۔مگر فی الحال اسقدر کافی ہے۔کیونکہ آخر تمہارے وسائل بھی تو محدود ہین۔امید ہے کہ تم بہت اچھی طرح ہوگے"

تمہاری پیاری کامنی

(۵)

لکھنؤ کے سِسشن جج کے اجلاس مین بڑی بھیڑ بھاڑ تھی۔کمرہ عدالت مین سیاہ عباؤن والے مخلوق دو رویہ اس کثرت سے جمع ہوگئے تھے۔گویا یہ سیاہی اور تاریکی ہے جو انصاف کی حمایت کرتی ہے۔ہر شخص کی آنکھین مسرانہ بے صبری کیساتھ اس شعلۂ حسن کی طرف لگی ہوئی تھین جو استقلال اور بیباکی کے ساتھ جج صاحب کے روبرو کھڑی تھی۔ یہ کامنی تھی۔اُسکا چہرہ سُرخ ہو رہا تھا۔اور پیشانی پر عرق کے قطرے نمودار تھے۔کوئی سنگدل شاعر اس کے پیشانی پر بکھری ہوئی زلفون اور موتی کے قطرون کے لئے اچھی تشبیہ لاسکتا ہے۔مگر ایک واقعہ نگار یہی کہہ سکتا ہے کہ یہ ہملا تین، با وجود ہزار کوشش ضبط کے

اِس کے سکونِ قلب کا راز افشا کر رہی تھین - کمرہ مین موت کا سا سناٹا چھایا ہوا تھا صرف وکلا کی پُرمعنی نگاہین زبان خاموش سے ہمکلام ہو رہی تھین - کبھی کبھی دبی ہوئی سرگوشیون کی بھی نوبت آجاتی تھی - احاطہ مین اسقدر انبوہ کثیر تھا کہ معلوم ہوتا تھا کہ سارا شہر یہین سمٹکر آگیا ہے - اور تھا بھی ایسا ہی - شہر کی اکثر دوکانین بند تھین - اور جو کھلی تھین اُن پر لڑکے بیٹھے ہوئے تاش کھیلتے تھے - کیونکہ کوئی خریدار نہ تھا - شہر سے باہر بارگاہ عدالت تک آدمیون کا تانتا لگا ہوا تھا - کامنی کو ایک نظر دیکھنے کے لئے اسکی زبان کا ایک کلمہ سننے کے لئے اسوقت ہر شخص اپنا سب کچھ قربان کرنے کو تیار تھا - وہ لوگ جو کبھی پنڈت دین دیال شرما جیسے آتش بیان مقرر کی تقریرین سننے کے لئے گھر سے باہر نہین نکلے' وہ جنھون نے اپنے نوجوان اور منچلے بیٹون کو الفریڈ تھیٹر مین جانے کی اجازت نہین دی - وہ وادی سکون مین بسنے والے لوگ جنھین وائسرائے کی تشریف آوری کی بھی خبر نہوتی تھی - وہ زنگ آلودہ روحین جنھین محرم کی دلچسپیان بھی گوشہ تنہائی سے باہر نکال سکتی تھین وہ سب آج گرتے پڑتے' اُٹھتے بیٹھتے - آستانِ عدالت کی طرف چلے جا رہے تھے - پردہ نشین عورتین اپنے بالاخانون پر جا جا کر ایک بیکسانہ اشتیاق کے ساتھ اسطرف نگاہین دوڑاتی تھین - جدھر ان کے خیال مین عدالت تھی - حالانکہ غریب نگاہین محلات کی بیرحم دیوارون سے ٹکرا کر لوٹ آتی تھین - اسلئے کہ آج بزم عدالت مین بڑا دلچسپ' بڑا حیرت انگیز تماشہ ہونے والا تھا - جس پر الفریڈ کے ہزارون تماشے قربان تھے - آج وہ راز ہائے سربستہ کھلنے والے تھے جو تاریکی مین رائی ہوتے ہین - اور روشنی مین آکر پربت ہوجاتے ہین - حضرت دل کی لغزشون اور طبع انسانی کی نیرنگیون کا پردہ اُٹھنے والا تھا - یہ غیر ممکن تھا کہ روپ چند جیسا شخص سرقہ بالجبر کا مجرم ہو - پولیس کا اگر یہ بیان ہے تو ہوا کرے - شہادتین اگر پولیس کی تائید کرتی ہین تو کرین - زبان خلق کا فیصلہ ناطق تھا - یہ پولیس کی ستم طرازیان ہین اور حق تو یہ ہے کہ یہ حسن ہوش رُبا - یہ چشم فسون ساز' یہ پھول سے رخسارے یہ ملاحت'

جو کچھ نکہت تھوڑا ہے۔ سامعین ہر ایک منچلے مخبر کی داستان کو ایسی حیرت سے مُنھ پھیلا کر سنتے تھے۔ گویا کوئی وحی نازل ہوئی ہے۔ ہر ایک زبان پر یہی چرچا تھا۔ افواہی اختلاف اور رنگ آمیزیوں میں لپٹا ہوا مگر اس عام دلچسپی میں ہمدردی یا عبرت کو مطلق دخل نہ تھا۔ یہ حظ نفس کی تحریک تھی۔ گناہ سے انسان کا کوئی خلقی رشتہ ہے۔

(۶)

پنڈت کیلاش ناتھ کا بیان ختم ہو گیا۔ اور کامنی اجلاس پر تشریف لائیں۔ اُنکا بیان بہت مختصر تھا۔ میں اپنے کمرہ میں رات کو سو رہی تھی۔ کوئی ایک بجے کے قریب چور چور کا غل سُنکر چونک پڑی۔ اور اپنی چارپائی کے قریب چار آدمیوں کو ہاتھا پائی کرتے ہوئے پایا۔ میرے بھائی صاحب اپنے دو چوکیداروں کے ساتھ ملزم کو پکڑ رہے تھے۔ اور وہ اپنے تئیں اُن سے چھڑا کر بھاگنا چاہتا تھا۔ میں تیزی سے اُٹھکر برآمدے میں نکل آئی۔ اسکے بعد میں نے چوکیداروں کو مجرم کے ساتھ پولیس اسٹیشن کی طرف جاتے دیکھا۔

روپ چند نے کامنی کا بیان سُنا۔ اور ایک ٹھنڈی سانس لی۔ آنکھوں کے سامنے سے پردہ سا ہٹ گیا۔ کامنی! کیا تو ایسی بیوفا۔ ایسی ستم شعار۔ ایسی کمزور ہے! کیا تیری وہ ناز برداریاں۔ تیری وہ بیقراریاں، وہ عاشقانہ دلفگاریاں سب دھوکے کی ٹٹی تھیں۔ تو نے کتنی بار کہا ہے کہ رسوائی آئین وفا کی پہلی منزل ہے۔ تو نے کتنی بار آنکھوں میں آنسو بھر کر اسی آغوشِ ناز میں چپٹے ہوئے مجھ سے کہا ہے کہ میں تمہاری ہو گئی۔ میری لاج تمہارے ہاتھ ہے۔ مگر افسوس تیری وہ سب مہر انگیزیاں آزمایش کا ایک جھونکا بھی نہ سنبھال سکیں۔ آہ تو نے دغا دی اور میری زندگی خاک میں ملا دی۔

روپ چند تو ان خیالات میں ڈوبے ہوئے تھے۔ ان کے وکیل نے کامنی سے جرح کے سوالات کرنے شروع کئے۔

وکیل۔ "کیا تم از روئے ایمان کہہ سکتی ہو کہ روپ چند تمہارے مکان پر اکثر نہیں جایا کرتا تھا"

کامنی :۔ "مین نے کبھی اُسے اپنے گھر پر نہین دیکھا۔"

وکیل :۔ "کیا تم قسم کھا سکتی ہو کہ تم اِسکے ساتھ کبھی تھیٹر دیکھنے نہین گئین؟"

کامنی :۔ "مین نے اُسے کبھی نہین دیکھا۔"

وکیل :۔ "کیا تم حلفاً کہہ سکتی ہو کہ تمنے اُسے محبت آمیز خطوط نہین لکھے؟"

شکرے کے چنگل مین پھنسی ہوئی فاختہ کی طرح، خطوط کا نام سنتے ہی کامنی کے ہوش اُڑ گئے - ہاتھ پیر پھول گئے - اوسان جاتے رہے - زبان نہ کھل سکی - جج نے - وکیلون نے اور دو ہزار آنکھون نے اُسکی طرف پُر معنی نگاہون سے دیکھا -

مگر روپ چند کا چہرہ انتقام کی خوشی سے چمک اُٹھا - اُسکی آنکھون مین ایک شیطانی تبسم نمودار ہوا - جہان پھول تھا وہان کانٹا پیدا ہوا - دغاباز عورت! اپنے عیش اور اپنی خیالی عزت پر میری اور میرے خاندان کی زندگی کو قربان کرنے والی! تو اب بھی میرے قابو مین ہے - مین اب بھی تجھے اِس بیوفائی اور ابلہ فریبی کی سزا دے سکتا ہون - تیری چٹھیان جنھین تو نے نہین معلوم صدق دل سے لکھا یا نہین - مگر جنھین میرے دل بیقرار کو تسکین دینے کی جادو صفت تاثیر تھی جو تنہائی کے ٹھون مین مجھے کبھی رُلاتی تھین کبھی بہلاتی تھین - اور کبھی اُس سبزہ زار مین لے جاتی تھین جہان حُسن ہے - اور نغمہ ہے - اور بہار ہے - وہ سب چٹھیان میرے پاس ہین - اور وہ اِسی وقت تیری بیوفائی اور کج ادائی کا پردہ فاش کرینگی - اس طرح غصہ سے مغلوب ہو کر روپ چند نے اپنے کوٹ کی جیب مین ہاتھ ڈالا - جج نے وکیلون نے - اور دو ہزار آنکھون نے اُسکی طرف نظر تحسین سے دیکھا -

تب کامنی کی گھبرائی ہوئی آنکھین چارون طرف سے مایوس ہو کر روپ چند کے چہرہ کی طرف پہونچین اُن مین اسوقت ندامت اور التجا کا پیغام تھا - ان مین معذرت اور بیکسی صاف جھلکتی تھی - اُن مین شکوہ بھی تھا اور عذر تقصیر بھی - وہ زبان حال سے کہتی تھین - مین عورت ہون، کمزور ہون - اوچھی ہون - تم مرد ہو - مضبوط ہو - عالی ہمت ہو

یہ کینہ پروری تمہاری شان سے بعید ہے۔مین کبھی تمہاری تھی۔اور گو اب اتفاقات مجھے تم سے جدا کئے دیتے ہین۔لیکن میری لاج تمہارے ہاتھ ہے۔اور روپ چند کی آنکھون نے جواب دیا۔اگر تمہاری لاج میرے ہاتھ ہے تو اس پر کوئی آنچ نہ آنے پائیگی تمہاری لاج پر آج اپنا سب کچھ نچھاور ہے!۔

ڈفینس کے وکیل نے کامنی سے پھر وہی سوال کیا "کیا تم از روے حلف کہہ سکتی ہو کہ تمنے روپ چند کو محبت آمیز خطوط نہین لکھے"

کامنی نے بیباکانہ انداز سے جواب دیا "مین از روے حلف کہتی ہون کہ مین نے اسے کبھی کوئی خط نہین لکھا۔اور عدالت سے اپیل کرتی ہون کہ وہ مجھے ان اہانت آمیز حملون سے بچائے"

(۷)

استغاثہ کی کارروائی ختم ہوگئی۔اب ملزم کے بیان کی باری آئی۔اسکی طرف صفائی کی کوئی شہادت نہ تھی۔مگر وکیلون کو اور جج کو۔اور بے صبر پبلک کو یقین کامل تھا کہ ملزم کا بیان استغاثہ کے اس ہوائی قلعہ کو ایک چھن مین مسمار کردے گا۔روپ چند اجلاس کے روبرو آیا۔اسکے چہرہ پر مضبوط ارادہ تھا۔اور آنکھون مین اطمینان اور شانتی جلوہ گر تھی۔ناظرین مشتاقانہ اضطراب کے عالم مین ایسے بیخود ہوئے کہ بارگاہِ عدالت مین گھس پڑے۔اور جج کو پولیس کی مدد لینا پڑی۔روپ چند اس وقت عید کا چاند تھا یا دیولوک کا فرشتہ۔یا بازارِ حسن کا یوسف۔ہزارون آنکھین اسکی طرف لگی ہوئی تھین مگر دلون کو کیسی مایوسی کیسا اچنبھا ہوا جب روپ چند نے نہایت مستقل مزاجی کیساتھ اپنے جرم کا اقبال کرلیا۔لوگ ایک دوسرے کے منھ تاکنے لگے۔

ملزم کا بیان ختم ہوتے ہی عدالت مین ایک طوفان برپا ہوگیا۔ہر شخص ہر شخص سے باتین کر رہا تھا۔ہر ایک چہرہ پر حیرت تھی۔شبہ تھا۔اور مایوسی تھی۔غائب اور نیم

اور آتش کی شاید اتنی قدر کبھی نہ ہوگی۔ معشوق کی بیوفائی اور ستم ادائی پر منظوم گفتگو ہو رہی تھی۔ ہر ایک شخص قسم کھا سکتا تھا کہ روپ چند بیگناہ ہے۔ شرطِ وفا اور آئینِ الفت نے اسکی زبان بند کر رکھی ہے۔ مگر بعض ایسے گرگ باران دیدہ بھی تھے جو اسکی حماقت پر ہنستے تھے۔

دو گھنٹے گذر گئے۔ عدالت مین ایک بار پھر خاموشی کا راج ہوا۔ جج صاحب فیصلہ سنانے کے لئے کھڑے ہوئے۔ فیصلہ مختصر تھا "ملزم جوان ہے۔ تعلیم و تہذیب یافتہ ہے اور اسلئے آنکھون والا اندھا ہے۔ اُسے عبرتناک سزا دینی ضروری ہے۔ اقبالِ جرم سے جرم کا ازالہ نہین ہوتا۔ مین اُسے پانچ سال کی قید سخت کی سزا دیتا ہون"

دو ہزار آدمیون نے بادلِ پُر درد یہ فیصلہ سُنا۔ اور جگر تھام کر رہ گئے۔ معلوم ہوتا تھا کلیجون مین بھالے چبھ گئے ہین۔ ہر ایک چہرہ پر ایوسانہ غصہ جھلک رہا تھا۔ یہ انصاف نہین ہے۔ ظلم ہے۔ سختی ہے۔ مگر روپ چند خاموش اور مطمئن تھا۔ ہان مضبوط ارادہ کے بجائے اب اُسکے چہرہ پر زرد حسرت تھی۔ آگ جل چکی صرف راکھ باقی تھی اور کامنی! آہ بدنصیب کامنی، بیوفا کامنی، وہین عدالت مین کھڑی زار زار رو رہی تھی۔



بیٹی کا دھن

(۱)

بیتوا ندی دو اونچے کرارون کے بیچ مین اس طرح منہ چھپائے ہوئے تھی جیسے بعض دلون مین ارادے کمزور اور تن پروری کے بیچ مین ہمت کی مدھم لہرین چھپی رہتی ہین ایک کرار پر ایک چھوٹا سا گاؤن آباد ہے جسکے شاندار کھنڈرون نے اسے ایک خاص شہرت دے رکھی ہے - قومی کارنامون پر مٹنے والے لوگ کبھی کبھی یہان درو دیوار شکستہ کے سامنے ایک پرخواب مایوسی کی حالت مین بیٹھے نظر آجاتے ہین اور گاؤن کا بوڑھا کیوٹ چودھری جب محققانہ دردو سوز کے ساتھ رانی کے محل اور راجہ کے دربار اور کنور کی بیٹھک کے مٹے ہوئے نشانات دکھاتا ہے تو اس کی آنکھین آبگون ہو جاتی ہین جسکا سننے والون پران تاریخی انکشافات سے کچھ زیادہ ہی اثر ہوتا ہے - کیا زمانہ تھا کہ کیوٹون کو مچھلیون کے صلے مین اشرفیان ملتی تھین - کہار لوگ محل مین جھاڑو دیتے ہوئے اشرفیان بٹور لیجاتے تھے - بیتوا ندی روز بڑھ کر مہاراجہ صاحب کی قدمبوسی کے لیئے آتی تھی - یہ اقبال تھا! مہاراجہ صاحب دومست ہاتھیون کو ایک ایک ہاتھ سے ہٹا دیتے تھے - یہ سب واقعات مورخانہ انداز سے بیان کئے جاتے تھے اور انکی نسبت اپنی رائے قائم کرنے کی ہر شخص کو اپنی خوش اعتقادی کی نسبت سے کامل آزادی تھی ہان اگر زور بیان، اور متانت، اور لب و لہجہ کسی تذکرے کو واقعیت کا رنگ دے سکتے ہین تو بوڑھے چودھری کو ان کے صرف کرنے مین مطلق دریغ نہ ہوتا تھا -

سُکّھو چودھری صاحب خاندان تھے۔ مگر جتنا بڑا مُنھ تھا اُتنے بڑے نوالے نہ تھے۔ تین لڑکے تھے، تین بہوئیں۔ کئی پوتیاں۔ لڑکی صرف ایک تھی، گنگا جلی۔ جسکا ابھی تک گونہ نہیں ہوا تھا۔ یہ چودھری کی آخری اولاد تھی۔ بیوی کے مرجانے پر اُس نے اُسے بکریوں کا دودھ پلا پلا کے پالا تھا۔ خاندان تو اتنا بڑا اور کھیتی صرف ایک ہل کی۔ فراغت اور تنگی میں صرف ایک قدم کا فاصلہ تھا۔ مگر اُس کی محققانہ اور مورخانہ قابلیت نے اُسے وہ امتیاز دے رکھا تھا۔ جسپر گاؤں کے معزز ساہوکار جھگڑ شاہ کو بھی رشک ہوتا تھا۔ جب سُکّھو گاؤں کے مجمع میں ضلع کے نوارد افسروں سے تاریخی یادگاروں کا ذکر کرنے لگتا تھا تو جھگڑ تڑپ تڑپ کے رہ جاتے تھے اور غالباً یہی وجہ تھی کہ انھیں بھی ایسے موقعہ کی تلاش رہتی تھی جب وہ سُکّھو کو نیچا دکھا سکیں۔

(۲)

اس موضع کے زمیندار ایک ٹھاکر جتن سنگھ تھے جن کی بیگار کے مارے گاؤں کے مزدور اور کسان جان سے تنگ تھے امسال جب ضلع کے مجسٹریٹ کا دورہ ہوا اور وہ اِن آثارِ قدیمہ کی سیر کے لئے تشریف لائے تو سُکّھو چودھری نے دبی زبان سے اپنے گاؤں والوں کی تکلیفیں بیان کیں۔ حکّام سے ہمکلام ہونے میں اُسے مطلق تامل نہوتا تھا۔ اگرچہ وہ جانتا تھا کہ جتن سنگھ سے رار کرنا اچھا نہیں، مگر جب گاؤں والے کہتے کہ چودھری! تمہاری ایسے ایسے حاکموں سے متائی ہے اور ہم لوگوں کی رات دن روتے کٹتی ہے آخر یہ تمہاری دوستی کسدن کام آئے گی۔ تو سُکّھو کا مزاج آسمان پر جا پہونچتا۔ مجسٹریٹ نے جتن سنگھ سے اس معاملہ میں تحریری جواب طلب کیا۔ اِدھر جھگڑ شاہ نے چودھری کی اِن مغویانہ اور سرکشانہ زبان درازیوں کی رپورٹ جتن سنگھ کو دی۔ ٹھاکر جلکر آگ ہوگیا۔ اپنے کارندہ سے بقایا کی فہرست طلب کی۔ سوء اتفاق سے چودھری کے ذمہ امسال کی لگان باقی تھی۔ کچھ تو پیداوار کم ہوئی اور پھر

گنگا جلی کا بیاہ کرنا پڑا - چھوٹی بہو نتھ کے لیئے رٹ لگائے ہوئے تھی - وہ بنوانا پڑی اِن مصارف نے ہاتھ بالکل خالی کر دیا - لگان کے بارے مین کچھ زیادہ اندیشہ نہین تھا جس زبان مین حکام کو خوش کرنے کی طاقت ہے کیا اُس کی شیرین بیانیان ٹھاکر پر کچھ اثر نہ کرینگی ؟ بوڑھے چودھری تو اس اعتماد مین بیٹھے ہوئے تھے اُدھر اُن پر بقایا لگان کی نالش ہو گئی - سمن آپہونچا - دوسرے ہی دن پیشی کی تاریخ پڑ گئی زبان کو اپنا جادو چلانے کا موقعہ نہ ملا -

جن لوگون کے بڑھاوے سے سُکھو نے ٹھاکر سے چھیڑ چھاڑ کی تھی اُن مین سے اب کسی کی صورت نہین دکھائی دیتی تھی - ٹھاکر کے شحنے اور پیادے گاؤن مین پھیرے لگا رہے تھے - اُنکا خوف غالب تھا - کچہری یہان سے تیس میل کے فاصلہ پر تھی - کنوار کے دن، راستہ مین جا بجا نالے اور ندیان حائل - کچّا راستہ - بیل گاڑی کا گذر نہین - پیرون مین سکت نہین - آخر عدم پیروی مین یکطرفہ فیصلہ ہو گیا - لوہے دلون کی وکالت کرنا دلدل مین پیر رکھنے سے کم نہین -

(۳)

قُرقی کا نوٹس پہونچا تو چودھری کے ہاتھ پاؤن پھول گئے - اپنی کمزوری کا علم اوسان کا دشمن ہے - شیرین بیان سُکھو جس کی روشنی طبع اُسکے سر پر یہ آفتین لائی تھی اُسوقت بچّہ بے زبان بنا ہوا تھا - وہ چپ چاپ اپنی کھاٹ پر بیٹھا ہوا ندی کی طرف تاکتا اور دل مین سوچتا کیا میرے جیتے جی گھر مٹی مین ملجائیگا ! یہ میرے بیلون کی خوبصورت گوئین، کیا اِنکی گردن مین دوسرے کا جوا پڑیگا - یہ سوچتے سوچتے اُس کی آنکھین بھر آتین - اور وہ بیلون سے لپٹ کر رونے لگتا - مگر بیلون کی آنکھون سے کیون آنسو جاری تھے - وہ ناند مین کیون مُنھ نہین ڈالتے تھے ؟ کیا جذبہ درد مین وہ بھی اپنے آقا کے شریک تھے -

پھر وہ اپنے جھونپڑے کو مایوس نگاہون سے دیکھتا۔کیا ہمکو اِس گھر سے نکلنا پڑیگا یہ بزرگون کی نشانی میرے جیتے جی مٹ جائے گی!

بعض طبیعتین آزمایش مین مضبوط رہتی ہین۔بعض اُسکا ایک جھونکا بھی نہین سہہ سکتین چودھری کی طبعی ذہانت نے اب موزونی طبع کی صورت اختیار کی جو تکنبندی سے بہت مشابہ تھی۔اپنی کھاٹ پر پڑے پڑے وہ گھنٹون دیوتاؤن کو یاد کیا کرتا تھا اور مہابیر اور مہادیو کے گُن گاتا۔

اسمین کوئی شک نہین کہ اُسکی تینون بہوؤن کے پاس زیور تھے۔مگر عورت کا زیور اُوکھ کا رَس ہے۔جو پیلنے ہی سے نکلتا ہے۔چودھری ذات کا ہیٹا ہو،مگر طبیعت کا شریف تھا۔ناموران سلف کا ذکر خیر کرتے کرتے اس کی طبیعت بھی غیور ہوگئی تھی۔وہ اپنی طرف سے کبھی بہوؤن سے اِس قسم کا تقاضا نہین کرسکتا تھا۔شائد یہ صورت اُس کے خیال ہی مین نہ آئی تھی۔ہان تینون بیٹے اگر معاملہ فہمی سے کام لیتے تو بوڑھے چودھری کو دیوتاؤن کی مدد کی ضرورت نہوتی۔مگر بڑے صاحبزادے کو گھاٹ سے فرصت نہ تھی۔اور باقی دو لڑکے اس عقدہ کو مردانہ اور دلیرانہ طریق پر حل کرنے کی فکر مین مدہوش تھے۔کاش جھبن سنگہ اِسوقت انھین کہین اکیلے مل جاتے!

منجھلے جھینگر نے کہا۔اُوہ اِس گاؤن مین کیا رکھا ہے۔جہان کمائین گے وہین کھائین گے۔مگر جھبن سنگہ کی مونچھین ایک ایک کرکے چُن لون گا۔

چھوٹے پھکّڑ اینٹھ کر بولے۔مونچھین تم چُن لینا،ناک مین اُڑا دون گا۔نکٹا بنا گھومے گا۔اسپر دونون نے قہقہہ لگایا۔اور مچھلی مارنے کے لئے ندی کی طرف چلدئیے۔

(۴)

اِس گاؤن مین ایک بوڑھے براہمن بھی رہتے تھے۔مندر مین پوجا کرتے تھے روانہ اپنے ججمانون کو درشن دینے کے لیئے ندی پار جاتے مگر کھیوے کے پیسے نہ دیتے

تیسرے دن وہ زمیندار کے گویندون کی نظر بچا کر سکھو کے پاس آئے اور رازدارانہ انداز سے بولے۔ چودھری کل ہی تک میعاد ہے اور تم ابھی تک پڑے سو رہے ہو۔ کیون نہین گھر کی چیز بستو۔ ڈھور ڈانگر کہین اور ہانک دیتے ہو؟ سمدھیانے بھیدو جو کچھ بچ رہے وہی سہی، گھر کی مٹی کھود کر کوئی تھوڑے ہی لیجائے گا۔

چودھری اُٹھ بیٹھا اور آسمان کی طرف دیکھکر تقدس کی شان سے بولا۔ جو کچھ اُسکا حکم ہے وہ ہوگا۔ مجھ سے یہ چال نہ کیا جائے گا۔

کئی دن کی متواتر شب و روز کی عقیدت مندانہ وِرد اور دعا خوانی نے جس مین نمائش کا شائبہ نہ تھا، اُسے مدافعت کی اِس عملی اور عام تجویز پر کار پیرا نہ ہونے دیا۔ پنڈت جی جو اس فن کے اُستاد تھے نادم ہو گئے۔

مگر چودھری کے گھر کے دوسرے ممبر خدا کی مرضی پر اس حد تک شاکر نہ تھے۔ گھر کے برتن بھانڈے چپکے چپکے کھسکائے جاتے تھے۔ اناج کا ایک دانہ بھی گھر مین نہ رہنے پایا۔ رات کو کشتی لدی ہوئی جاتی اور خالی واپس آتی۔ تین دن تک گھر مین چولہا نہ جلا۔ بوڑھے چودھری کے منہ مین دانہ کا کیا ذکر پانی کی ایک بوند بھی نہ پڑی تھی۔ عورتین بھاڑ سے چنے بھنا بھنا کر کھاتین۔ لڑکے ندی سے مچھلیان لاتے اور بھون بھون کھاتے۔ اگر اس فاقہ کشی مین کوئی بوڑھے کا شریک تھا تو وہ اُس کی لڑکی گنگا جلی تھی۔ وہ غریب اپنے باپ کو چارپائی پر بے آب و دانہ پڑے کراہتے دیکھتی اور بلک بلک کر روتی قدرت نے دیگر جذبات کی طرح عورتون کو محبت بھی زیادہ دی ہے۔ لڑکون کو والدین سے وہ محبت نہین ہوتی جو لڑکیون کو ہوتی ہے۔ اور گنگا جلی کے آنسوؤن مین اُلفت کا خالص جذبہ تھا، مادی مآل اندیشیون سے پاک!

گنگا جلی اس فکر مین غوطے کھایا کرتی کہ کیسے دادا کی مدد کرون۔ اگر ہم سب بھائی بہن ملکر جیتن سنگھ کے پاس جائین اور اُنکے پیرون پر سر رکھدین تو کیا وہ نہ مانین گے۔

مگر وادا سے یہ کب دیکھا جائیگا - ارے وہ ایک دن بڑے صاحب کے پاس چلے جاتے تو سب کچھ بن جاتا - مگر انکی تو جیسے بدھ ہی کیا ہوگئی - اسی ادھیڑبن مین اُسے اندھیرے مین روشنی کی ایک جھلک نظر آئی -

(۵)

پجاری جی سُکھو چودھری کے پاس سے چلے گئے تھے اور چودھری بڑی بلند آواز سے اپنے سوتے ہوئے مہابیر اور بھگوان اور ہنومان کو بلاتے تھے گنگا جلی اُنکے پاس جاکر کھڑی ہوگئی چودھری نے دیکھا اور بولے - کیا ہے بیٹی ؟ رات کو کیون باہر آئین ؟

گنگا جلی نے کہا - باہر رہنا تو بھاگ ہی مین لکھا ہے گھر مین کیسے رہون "

سُکھو نے زور سے بانک لگائی " کہان گئے تم کرشن مراری ، میرو دکھ ہرو "

گنگا جلی بیٹھ گئی اور آہستہ سے بولی " بھجن گاتے تو تین دن ہوگئے ، گھر بار بچانے کی بھی کوئی اُپاے سوچی کہ یہ سب مٹی مین ملا دوگے - کیا ہم لوگون کو پیڑ تلے رکھوگے -

چودھری نے پُرغم انداز سے کہا - بیٹی ! مجھے تو کوئی اُپائے نہین سوجھتی - بھگوان جو چاہین گے ہوگا - بیگ چلو گردھر گوپالا - کاہے بلمب کرو "

گنگا جلی بولی - مین نے ایک اُپاے سوچی ہے - کہو تو بتاؤن "

چودھری اُٹھ کر بیٹھ گیا - قالب بے جان مین جان سی پڑگئی - پوچھا - کونسی اُپاے ہے بیٹی ؟

گنگا جلی نے کہا - میرے گہنے جھکڑ سا ہو کے یہان گرو رکھدو مین نے جو لیا ہے وسے بھر کے روپئے ہو جائین گے -

چودھری نے آہ سرد بھری اور بولے - بیٹی تم کو مجھ سے یہ کہتے لاج نہین آتی -

بید شاستر مین مجھے تمھارے گاؤن کے کنوئین کا پانی پینا بھی نہین لکھا ہے۔ تمھاری ڈیوڑھی مین پیر رکھنا بھی منع ہے کیا مجھے نرک مین ڈھکیلنا چاہتی ہو ؟

گنگا جلی اس جواب کے لئے پہلے ہی سے تیار تھی۔ بولی۔ مین تمھین اپنے گہنے دیئے تھوڑے ہی دیتی ہون۔ اِسوقت لیکر کام چلاؤ۔ چیت مین چھڑا دینا۔

چودھری نے زور دیکر کہا۔ یہ مجھ سے نہ ہو گا۔

گنگا جلی نے بھی پُر جوش انداز سے جواب دیا۔ تم سے نہو گا تو مین آپ جاؤنگی مجھ سے گھر کی یہ دسا دیکھی نہین جاتی۔

چودھری جھنجلا کر بولے۔ برادری مین کون مُنھ دکھاؤن گا۔

گنگا جلی نے چڑھ کر کہا۔ برادری مین کون ڈھنڈورا پیٹنے جائے گا۔

چودھری نے فیصلہ کیا۔ جگ ہنسائی کے لئے مین اپنا دھرم نہ بگاڑون گا۔

گنگا جلی نے دھمکایا۔ میری بات نہ مانوگے تو تمھارے اوپر میری ہتیا پڑی گی۔ مین آج ہی اس بیتوا ندی مین کود پڑونگی۔ تم سے چاہے گھر مین آگ لگتے دیکھا جائے۔ مجھسے نہ دیکھا جائے گا۔

چودھری نے پھر ایک ٹھنڈی سانس بھری اور سکیسانہ انداز سے بولے۔ بیٹی میرا دھرم نہ ستیاناس کرو۔ اگر ایسا ہی ہے تو اپنی کسی بھاوج کے گہنے مانگ لاؤ۔

گنگا جلی نے طنز کے ساتھ کہا۔ بھاوجون سے اپنا منھ کون نُچوائے۔ انکو فکر ہوتی تو کیا منھ مین دہی جما تھا۔ کہتین نہ ؟

چودھری لاجواب ہو گئے۔ گنگا جلی کی دلیلون کے مقابلہ مین اُسکے انداز کی سرگرمی نے زیادہ اثر کیا اور یہی تدبیر اُسوقت چودھری کے دماغی حالت کے موزون تھی جسکے عملی اوصاف زائل ہو چکے تھے۔ وہ اپنی منوا نہ سکتا تھا، صرف دوسرے کی مان سکتا تھا آگے آگے نہین، صرف پیچھے پیچھے چل سکتا تھا۔

گنگا جلی گھر مین گئی - اور گہنون کی پٹاری لے آئی - اور اُنھین نکالکر چودھری کے انگوچھے مین باندھ دیا - چودھری نے کہا - ہاے رام! اس مٹی کی کیا گت کرو گے یہ کہکر اُٹھے - مگر پوٹلی ہاتھ مین لیتے ہی باوجود بہت ضبط کرنے کے اُنکے آنسو اُمڈ آئے اور دبی ہوئی سسکیان ایک بار زور سے پھوٹ نکلین -

(۶)

رات کا وقت، بیتوا ندی کے کرارے پر سکھو چودھری گہنون کی پوٹلی بغل مین دبائے اِس طرح سب کی نظرین بچاتے چلے جاتے تھے - گویا یہ پاپ کی گٹھڑی ہے جب وہ جھکڑ ساہ کے مکان کے قریب پہونچے تو ذرا رک گئے - آنکھین خوب اچھی طرح صاف کین - اور بشاشت کا روپ بھرا - کسی کو اپنے حاسد اور بدخواہ کے سامنے بیکسی کا اظہار کرنے کی نوبت نہ آئے - زندگی مین اِس سے زیادہ المناک اور کوئی حادثہ نہین ہے لیکن جب ایسی ضرورت آ ہی پڑے تو پھر جذبات پر ایک خوب موٹا پردہ ڈالنا چاہیئے -

جھکڑ ساہ دھاگے کی کمانیون والی ایک موٹی عینک لگائے، کچھ بہی کھاتے سامنے پھیلائے ناریل پیتے تھے اور چراغ کی دُھندھلی روشنی مین اُن حروف کو پڑھنے کی کوشش بے سود کرتے تھے جن مین سیاہی کا بہت کفایت شعارانہ استعمال کیا گیا تھا - بار بار عینک کو صاف کرتے اور آنکھین ملتے تھے مگر چراغ کی بتی کو اُکسانا یا دُہرانا مناسب نہ خیال کرتے تھے - اِتنے مین سکھو چودھری نے کہا جے رام جی کی!

جھکڑ نے عینکون کی آڑ سے دیکھا - آواز پہچانی - بولے - جے رام جی کی چودھری! کہو اس معاملہ مین کیا ہوا - یہ لین دین بڑا پاجی کام ہے - دن بھر سر اٹھانے کی چھٹی نہین ملتی -

چودھری نے پوٹلی کو رانون تلے چھپاکر لاپروائی کے انداز سے کہا - ابھی تو کچھ

نہین ہوا۔ کل اجراے ڈگری ہونے والی ہے۔ ٹھاکر صاحب نے جانے کب کی بیر نکالی ہے۔ اگر ہمکو دو تین دن کی بھی مہلت ملتی تو ڈگری منہ جبار نہ ہونے پاتی۔ جنٹ صاحب اور بڑے صاحب دونون ہمکو اچھی طرح جانتے ہین۔ ابھی اِسی سال مین نے اُن سے ندی کنارے گھنٹون باتین کین مگر ایک تو برسات کے دن، دوسرے ایک دن کی بھی مہلت نہین۔ کیا کرتا۔ مجھے اِسوقت روپیون کی فکر ہی۔

جھگڑو نے تعجب انگیز لہجہ مین کہا۔ تمکو روپیون کی فکر! گھر مین بھرا ہوا ہے وہ کسدن کام آئے گا۔

جھگڑو شاہ نے یہ بات طنزاً نہین کہی تھی۔ اُنھین اور سارے گاؤن کو اِس بات کا یقین کامل تھا۔ ہمارے پڑوسیون کو دنیا مین کسی اور بات کا اِتنی جلد یقین نہین ہوتا جتنا ہماری خوشحالی کا۔

چودھری کا بہروپ کھلنے لگا۔ بولے ساہ جی روپئے ہوتے تو کس بات کی چنتا تھی۔ تم سے پردہ کونسا ہے۔ تین دن سے گھر مین چولھا نہین جلا۔ سامنے گھر مین رونا پیٹنا پڑا ہے اب تو تمھارے بسائے بسون گا۔ ٹھاکر نے تو اُجاڑنے مین کوئی کسر نہین چھوڑی۔

جھگڑو ساہ جتن سنگھ کو خوش ضرور رکھنا چاہتے تھے۔ مگر چودھری کی حکام رسی کو بھی نظر انداز نہین کر سکتے تھے۔ اگر اصل مع سود مرکب آسانی سے وصول ہو جائے تو اُنھین چودھری کو زیر بار احسان کرنے مین کوئی تامّل نہین تھا۔ کیا عجب ہے اسی شخص کی چرب زبانیون کی بدولت انکم ٹکس سے نجات ہو جائے جو باوجود اخفاء آمدنی کے متعدد کوششون کے، اُنکی توند کی طرح روز بروز مائل بہ فراوانی تھا۔ بولے کیا کہین چودھری! خرچ سے ہم بھی آجکل تنگ ہین لہنے وصول نہین ہوتے۔ ٹکس کا روپیہ دینا پڑا۔ تمھین کتنا روپیہ درکار ہوگا۔؟

چودھری نے کہا۔ ڈیڑھ سو روپیہ کی ڈگری ہے۔ خرچ بیچ ملا کر دو سو کے لگ بھگ ہو

جھگڑ اب اپنے داؤن کھیلنے لگے۔ پوچھا تمھارے لڑکون نے کچھ بھی مدد نہ کی؟ وہ سب بھی تو کچھ نہ کچھ کماتے ہی ہین۔

ساہوکا کا یہ نشانہ ٹھیک پڑا۔ لڑکون کی لاپروائی سے چودھری کے دل مین جو بخارات جمع تھے وہ اُبل پڑے۔ بولے۔ بھائی اگر لڑکے کسی لائق ہوتے تو یہ دن ہی کیون آتا۔ اُنھین تو اپنے چین آرام سے مطلب ہے۔ گرہستی کا بوجھ میرے سر ہے۔ مین اسے جیسے چاہون سنبھالون۔ اُن سے کچھ سروکار نہین۔ مرتے دم بھی گلا نہین چھوٹتا۔ مرونگا تو سب کھال مین بھس بھروا کر رکھ چھوڑین گے۔ یہ گرہستی نہین ہے جنجال ہے۔

جھگڑ نے دوسرا تیر مارا۔ وہ اور بھی کاری پڑا۔ کیا بہوؤن سے بھی کچھ نہ بن پڑا؟ چودھری نے جواب دیا۔ بہو بیٹے سب اپنی اپنی فکر مین مست ہین۔ مین تین دن دوارے پر بے دانہ پانی پڑا رہا۔ کسی نے بات نہ پوچھی۔ کہان کی صلاح کہان کی بات چیت۔ بہوؤن کے پاس روپیے ہون۔ مگر گہنے تو ہین اور میرے ہی بنوائے ہوئے اس آڑے پر دو دو تھان اُتار دیتین تو کیا مین چھُڑا نہ دیتا۔ دن سدا یون ہی تھوڑے ہی رہے گا۔

جھگڑ سمجھ گئے کہ یہ محض زبان کا سودا ہے اور زبان کے سودے وہ بھول کر بھی نہ کرتے تھے۔ بولے تمھارے گھر کے آدمی بھی انوکھے ہین۔ کیا اتنا بھی نہین جانتے کہ بڈھا روپیے کہان سے لائے گا۔ زمانہ اور طرح کا ہے۔ یا تو کچھ جائداد لکھو، یا پھر گہنے پاتے ہون۔ اس کے بغیر روپیہ کہان۔ اس مین بھی جائداد مین سیکڑون بکھیڑے ہین۔ سبھیتا اسی گرو رکھنے مین ہوتا ہے ہان تو جب گھر والون کی یہی مت ہے تو تم کیون حیران ہوتے ہو۔ یہی نہ ہوگا بدنامی ہوگی۔ لوگ ہنسین گے۔ مگر اس لاج کو کہان تک نبا ہو گے۔

چودھری نے بیکسانہ انداز سے کہا۔ جھکڑ یہی لاج ہی تو ہے جو مارے ڈالتی ہے تم سے کیا چھپا ہے۔ ہمارے دادا بابا مہاراج کی سواری کے ساتھ چلتے تھے۔ اور اب آج یہ دن آگیا ہے کہ گھر کی دیوارین تک بکی جاتی ہین۔ کہین مُنھ دکھانے کی جگہ نہ رہیگی۔ یہ دیکھو گہنون کی پوٹلی ہے۔ یہ لاج نہ ہوتی تو مین اسے لیکر کبھی یہان نہ آتا۔ مگر یہ ادھرم اسی لاج نباہنے کے لئے سر پر لیا ہے۔

جھکڑ نے تعجب سے پوچھا۔ یہ گہنے کس کے ہین؟

چودھری نے سر جُھکا کر بڑی مشکل سے کہا۔ میری بیٹی گنگا جلی کے۔

جھکڑ نے دلسوزی کے ساتھ کہا۔ ارے رام رام!

چودھری بولے۔ ڈوب مرنے کو جی چاہتا ہے۔

جھکڑ نے کہا۔ شاستر دن مین بیٹی کے گاؤن کا رو کھ تک دیکھنا منع ہے۔

چودھری نے اپنی معذوری جتائی "نہ جانے نارائن کب موت دین گے۔ تین لڑکیان بیاہین۔ کبھی اُنکے دروازے کی صورت نہین دیکھی۔ پرماتما نے اب تک تو یہ ٹیک نباہی۔ مگر اب نہ جانے مٹی کی کیا دُردشا ہونے والی ہے"

جھکڑ ساہ لیکھا جوجوا اور بخشش سوسو کے زرّین اصول کے پابند تھے۔ سود کی ایک کوڑی بھی نہین چھوڑتے تھے۔ اگر مہینہ کا ایک دن بھی لگجائے تو پورے مہینے کا سود وصول کر لیتے۔ مگر نوراتر کے دِنون مین روز دُرگا پاٹ کرواتے تھے۔ پتر پکش کے دنون مین روزانہ برہمنون کو سیدھے باٹتے۔ مذہبی عقیدت اور مذہبی فیاضی ہمارے ساہوکارون کا زیور ہے۔ جھکڑ کے دروازہ پر سال مین ایک بار بھاگوت ضرور ہوتی۔ کوئی غریب برہمن لڑکی کے بیاہ کے لئے اُنکے سامنے دست سوال پھیلائے اُسے مایوسی نہوتی تھی۔ برہمن کتنا ہی موٹا تازہ کیون نہو اُسے اُنکے دروازے پر مہذب نفرین اور پھٹکار نہین سُننا پڑتی تھی۔ اُنکے مذہب مین بیٹی کے گاؤن کے کنوین کا پانی

پینے کے مقابلہ مین پیاس سے مرجانا بدرجہا بہتر تھا۔ اور وہ خود اس اُصول کے سختی سے پابند تھے اور اس پابندی کی قدر کرتے تھے۔ اُنھین اسوقت چودھری پر رحم آیا۔ یہ شخص جس نے کبھی اوچھے خیالون کو دل مین جگہ نہین دی اسوقت زمانہ کی کشمکش سے مجبور ہوکر ادھرم پر اُتر آیا ہے اُسکے دھرم کی رکشا کرنی چاہیئے۔ یہ خیال آتے ہی جھگڑو ساہ گدّی سے اُٹھ بیٹھے اور تسکین بخش انداز سے بولے۔ "وہی پرماتما جس نے ابتک یہ ٹیک نبھائی ہے اب بھی تمھارا پرن نبھائے گا۔ لڑکی کے گہنے لڑکی کو دیدو۔ لڑکی جیسی تمھاری ہے ویسی میری۔ مین ڈگری کے کُل روپیے تمھین دیدون گا۔ جب ہاتھ مین روپیے آجائین تو دیدینا مجھے لوگ جتنا بُرا کہتے ہین اُتنا بُرا نہین ہون۔ ہان اپنا پیسہ پانی مین نہین بہاتا"

چودھری پر اس فیاضانہ ہمدردی کا نہایت گہرا اثر ہوا۔ وہ باآواز بلند رونے لگے۔ اُنھین اپنی بھگتی کی دُھن مین اسوقت کرشن بھگوان کی موہنی مورت سامنے کھڑی نظر آئی وہ جھگڑو جو سارے گاؤن مین بدنام تھا جسکی اُسنے بارہا حاکمون سے شکایت کی تھی۔ اسوقت چودھری کو ایک دیوتا معلوم ہوتا تھا۔ بولے جھگڑو! تمنے اسوقت میری بات میری لاج۔ میرا دھرم سب کچھ رکھ لیا۔ تمنے میری ڈوبتی ہوئی ناؤ پار لگادی۔ کرشن مُراری تمکو اس جس کا پھل دینگے۔ اور مین تو جبتک جیون گا تمھارے گُن گاتا رہونگا۔

دھوکا

سنی کنڈ مین کھلے ہوئے کنول بسنت کے دھیمے دھیمے جھونکون سے لہرا رہے تھے۔ صبح کی سکون بخش سنہری کرنین ان سے گلے مل ملکر مسکراتی تھین۔ حسن کے پھول وفا کے سنہرے رنگ مین رنگے ہوئے تھے۔

راجکماری پربھا کنڈ کے کنارے ہری ہری گھاس پر کھڑی خوشنوا چڑیون کے نغمے سن رہی تھی۔ اسکا کندنی رنگ انھین پھولون کی طرح دمک رہا تھا۔ صباحت کی ایک تصویر تھی جو آفتاب کی زرین شعاعون سے بنائی گئی تھی۔

پربھا نے مولسری کے درخت پر بیٹھی ہوئی ایک شیاما کی طرف دیکھکر کہا میرا جی چاہتا ہے کہ مین بھی ایسی ہی چڑیا ہوتی۔

اسکی سہیلی آمبا نے مسکرا کر پوچھا "یہ کیون؟"

پربھا نے کنڈ کی طرف تاکتے ہوئے جواب دیا "پیڑ کی ہری بھری ڈالیون پر بیٹھی ہوئی چہچہاتی۔ میری شیرین نوائیون سے سارا باغ گونج اٹھتا"

آمبا نے چھیڑ کر کہا "نوگڑھ کی رانی ایسی کتنی ہی چڑیون کا گانا جب چاہے سن سکتی ہے"

پربھا شرم سے سر جھکا کر بولی "مجھے نوگڑھ کی رانی بننے کی آرزو نہین ہے میرے لیے کسی ندی کا سنسان کنارہ چاہیئے۔ ایک بین، اور ایسے ہی خوشنوا پرندون کی صحبت نغمہ شیرین مین میرے لیے ساری دنیا کی نعمتین بھری ہوئی ہین"

پربھا نے شاعرانہ مزاج پایا تھا۔ اور اکثر ایسے سپنے دیکھا کرتی تھی۔ آمبا کچھ جواب دینا چاہتی تھی کہ اتنے مین باہر سے کسی کے گانے کی آواز آئی۔

کر گئے تھوڑے دن کی پریت

پربھا نے ہمہ تن گوش ہو کر سنا۔ اور بیقرار ہو کر بولی "بہن اس آواز مین جادو ہے۔ مجھ سے اب بغیر سُنے نہین رہا جاتا۔ اسے اندر بلاؤ"۔

آمبا پر بھی نغمہ کا جادو اثر کر رہا تھا۔ بولی۔ بیشک ایسا راگ مینے آجتک نہین سُنا۔ کھڑکی کھول کر بلا لاتی ہون"۔

تھوڑی دیر مین راگیا اندر داخل ہوا۔ شکیل، خوش قامت نوجوان تھا۔ برہنہ پا، برہنہ سر، کندھے پر ایک مرگ چھالا تھا۔ بدن پر گیروے رنگ کی کفنی، اور ہاتھون مین ایک ستار۔ چہرہ سے نور برس رہا تھا۔ اُسنے دبی ہوئی نگاہون سے دونون حسینون کو دیکھا اور تب سر جھکا کر بیٹھ گیا۔

پربھا نے بھی جھجھکتی ہوئی آنکھون سے دیکھا۔ اور نگاہین نیچی ہو گئین۔

آمبا نے کہا "جوگی جی! ہمارے بڑے بھاگ تھے کہ آپ کے درشن ہوئے۔ ہمکو بھی کوئی پد سُنا کر کرتارتھ کیجیے"۔ جوگی نے سر جھکا کر جواب دیا "ہم جوگی لوگ نارائن کا بھجن کرتے ہین۔ ایسے ایسے درباروں مین ہم کیا گا سکتے ہین۔ پر آپ کی مرجی ہے تو سُنیے

کر گئے تھوڑے دن کی پریت
کہان وہ پریت، کہان وہ بچھڑون، کہان دھوبن کی ریت
کر گئے تھوڑے دن کی پریت

جوگی کی رسیلی اور پُر درد آواز، ستار کی زمزمہ سنجیان، اُسپر نغمہ کی لطافت پربھا کو بیخود کیے دیتی تھین۔ اُسنے بڑی درد رس طبیعت پائی تھی، اور اُسکا ذوق نغمہ نہایت لطیف تھا۔ جس طرح ستار کے زمزمے ہوا مین گونج رہے تھے اسی طرح پربھا کے دل مین شیرین تصورات کی ترنگین اُٹھ رہی تھین۔ وہ جذبات جو ابتک سوئی ہوئی تھے جاگ پڑے۔ دل سرزمین خواب مین جا پہونچا۔ ستی کنڈ کے کنول طلسم کی پریان

بن بن کر منڈلاتے ہوئے بھونروں سے دست بستہ اور باچشم پرآب کہتی تھیں۔

کر گئے تھوڑے دن کی پریت

سرخ اور سبز پتیوں سے لدی ڈالیاں، حجاب سے سر جھکائے چہکتی ہوئی چڑیوں سے رو رو کہتی تھیں۔

کر گئے تھوڑے دن کی پریت

اور راجکماری پربھا کا دل بھی ستار کی مستانہ اداؤں کے ساتھ گونجتا تھا۔

کر گئے تھوڑے دن کی پریت

(۲)

پربھا بگھولی کے راؤ دیوی چند کی اکلوتی بیٹی تھی۔ راؤ صاحب پرانے وقتوں کے رئیس تھے۔ کرشن کی اپاسنا میں غرق رہتے جسکا ایک خاص جزو سماع ہے اسلیئے ان کے دربار میں دور دور سے کلاونت اور گوئیے آیا کرتے اور انعام واکرام پاتے راؤ صاحب کو نغمہ کا عشق تھا۔ خود بھی اس فن کے استاد کامل تھے۔ اگرچہ اب پیرانہ سالی کے باعث کاوش کی طاقت باقی نہ تھی، پر اس فن کے رموز و نکات کے ماہر تھے۔ پربھا بچپنے ہی سے ان صحبتوں میں بیٹھنے لگی۔ اور کچھ طبعی مناسبت اور کچھ شب و روز کے چرچوں کے طفیل اسے بھی اس فن میں درخور ہو گیا تھا۔ اسوقت اسکے حسن کا شہرہ تھا راؤ صاحب نے نوگڑھ کے جوان بخت اور نیک نہاد راجہ ہری چند سے اسکی شادی تجویز کی تھی طرفین سے تیاریاں ہو رہی تھیں۔ راجہ ہری چند میو کالج اجمیر کے متعلم تھے۔ اور نئی تہذیب کے دلدادہ۔ انکی استدعا تھی کہ انھیں ایکبار راجکماری پربھا سے بالمشافہ ہمکلام ہونے کا موقع دیا جائے۔ پر راؤ صاحب اس گناہ عظیم کے مرتکب نہ ہو سکتے تھے۔

پربھا راجہ ہری چند کے نئے خیالات کے چرچے سن سنکر دلآاس تعلق سے بہت مطمئن نہ تھی۔ پر جسوقت سے اس نے اس باکمال اور نوجوان جوگی کا گانا سنا تھا،

اُسوقت سے وہ اُسی کے دھیان مین ڈوبی رہتی - آمبا اسکی سہیلی تھی - اُن کے درمیان کوئی پردہ نہ تھا - پر اس راز کو پربھا نے اُس سے بھی پوشیدہ رکھا -

آمبا اسکی مزاج شناس تھی - فوراً تاڑ گئی - پر اُسنے پند و نصیحت کرکے اس آگ کو بھڑکانا مناسب نہ سمجھا - اُسنے خیال کیا کہ کس بیرسی کی حالت مین یہ وہم چند دنون مین کافور ہوجائے گا - جیسا کہ اکثر سودائے خام کا انجام ہوتا ہے - مگر اُسکا قیاس غلط ثابت ہوا - جوگی کی صورت کبھی پربھا کی آنکھون سے نہ اُترتی - اُسکا مدھر راگ ہر دم اُسکے کانون مین گونجا کرتا - اُسی کُنڈ کے کنارے وہ از خود رفتگی کے عالم مین سارے دن بیٹھی رہتی، اور عالم خیال مین وہی مدھر، دلکش راگ سُنتی اور وہی نورانی صورت دیکھتی - کبھی کبھی اُسے ایسا معلوم ہوتا کہ باہر سے وہ آواز آرہی ہے - وہ چونک پڑتی اور وحشت کے عالم مین باغ کی چاردیواری تک جاتی - وہان سے مایوس ہوکر لوٹ آتی اور اپنے تئین سمجھاتی "یہ میری کیا حالت ہی ؟ مجھے کیا ہوگیا ہے ! مین ہندو لڑکی ہون، مان باپ جسے سونپ دین مَین اُسکی لونڈی بنکر رہنا میرا دھرم ہے - مجھے دل و جان سے اُسکی خدمت کرنی چاہیے کسی دوسرے کا خیال بھی دل مین لانا میرے لیئے پاپ ہے - آہ ! دل مین پریم کا خیال رکھکر مین کس مُنہ سے اپنے شوہر کے پاس جاؤنگی - ان کانون سے کیونکر وہ محبت کی باتین سُنونگی جو میرے لیئے طعنے سے بھی زیادہ تلخ ہونگی ! ان آنکھون سے کیسے وہ محبت کی نگاہین دیکھون گی جو نگاہِ قہر سے بھی زیادہ دلسوز ہونگی ! اس گردن مین وہ محبت کے ہاتھ پڑین گے جو زنجیر سے بھی زیادہ گران بار ہونگے ! پیارے ! تم میرے دل سے نکل جاؤ - یہ جگہہ تمہارے لائق نہین - میرا بس ہوتا تو تمھین دل کے سیج پر سُلاتی، مگر مین دھرم کی رسیون مین بندھی ہوئی ہون -"

اسطرح ایک مہینہ گذر گیا - بیاہ کے دن نزدیک آتے جاتے تھے - اور پربھا کا کنول سا چہرہ مُرجھایا جاتا تھا - کبھی کبھی ان حسرتناک خیالون سے بیچین ہوکر اُسکا جی چاہتا کہ کنڈ کی

گو میں بیاہ لون - لیکن راؤصاحب پر اس صدمۂ جانکاہ کے اثر کا خیال کر کے رُک جاتی - اور سوچتی میں انکا سرمایۂ زندگانی ہون - مجھ بدنصیب کو اُنھون نے کس نازونعمت سے پالا ہے - مین ہی ان کی زندگی کا سہارا اور انکی آخرت کی اُمید ہون - نہین لیون جان دیکر مین انکی آرزؤن کا خون نہ کرون گی - میرے دل پر جو چاہے گذرے اُنھین نہ کڑھاؤنگی -

بظاہر پربھا کا ایک گوّیے جوگی کے پیچھے دیوانہ ہو جانا سبکسری معلوم ہوتی ہے - اُسکے نغمے تان سین کے تانون سے بھی زیادہ دلربا کیون نہ ہون، پر ایک راجکماری کے لئے اُسکے ہاتھون بک جانا حد درجہ کی کمزوری کہی جا سکتی ہے - لیکن راؤصاحب کے دربار مین علم کا، شجاعت کا، مردانہ جان نثاریون کا کوئی چرچا نہ تھا - جسنے حسن کی کلیان کھلتی ہین وہان تو شب و روز زمزمہ سنجیون کے دور رہتے تھے - اِس فن کے ماہر اعزاز کی مسند پر جلوہ افروز ہوتے تھے - اور اُنھین پر تحسین کے بہترین جواہر لٹائے جاتے تھے - وہان گانا ہی کمال کا معیار تھا - پربھا نے اوائل سے یہی کیفیت دیکھی تھین اور اُسپر انکا گہرا رنگ چڑھ گیا تھا - ایسی حالت مین اُسکی طبیعت نے جو روش اختیار کی اُسپر تعجب کا کوئی مقام نہین -

(۳)

شادی بڑی دھوم سے ہوئی - راؤصاحب نے پربھا کو گلے سے لگا لیا اور رو رو کر رخصت کیا - پربھا بھی بہت روئی - اُمّا کو تو وہ کسی طرح چھوڑتی ہی نہ تھی -

لوگڑھ بڑی ریاست تھی - اور راجہ ہری چند کی خوش انتظامی کے باعث رونق پر تھی - پربھا کی خدمت کے لئے لونڈیون کی ایک فوج تھی - اُسکے لئے آنند بھون سجایا گیا تھا - جسے قدرت نے فضا دی تھی اور صنعت نے فرحت - مشاطہ نے دولہن کو خوب سنوارا - راجہ صاحب شوق دیدار سے بیچین تھے - اندر گئے - پربھا نے ہاتھ جوڑے ہوئے سر جھکا کر انکا خیر مقدم کیا - مگر آنکھون سے آنسو کی ندی بہ رہی تھی - دولہا

ـــنے عاشقانہ جوش سے گھونگھٹ ہٹادیا۔ حُسن کا چراغ تھا۔ پر بے نور۔

دوسرے دن سے راجہ صاحب کی یہ کیفیت ہوئی کہ بھونرے کی طرح ہردم اِس پھول پر منڈلایا کرتے۔ نہ اُمورِ ملکی کی فکر تھی، نہ سیر وشکار کی پرواہ۔ پربھا کی باتین نغمہ تھین، اُسکی نگاہین ساغر، اور اُسکے دیدار مین سیرِ کُہسار کی دلآویزی تھی۔ محبت کے نشے مین بیخود ہوئے جاتے تھے۔ وہ کیا جانتے تھے کہ دودھ مین مکھی ہے!

یہ غیر ممکن تھا کہ راجہ صاحب کی ان دلجوئیون اور ناز برداریون کا پربھا پر کوئی اثر نہ ہوتا۔ اور انسے اظہارِ ثروت مقصود نہ تھا۔ اسمین سچا انوراگ بھرا ہوا تھا۔ جو ہم سے محبت کرتا ہے اُس سے ہم نفرت نہین کر سکتے۔ پربھا دِل مین نادم ہوتی وہ اپنے کو ایسی کامل، خالص، محبت کے قابل نہ پاتی تھی۔ اِس خلوص کے عوض مین اُسے اپنے مصنوعی، رنگے ہوئے جذبات ظاہر کرتے ہوئے روحانی صدمہ ہوتا تھا جبتک کہ راجہ صاحب اُسکے ساتھ رہتے وہ اُنھین اپنی شیرین اداؤن مین مخمور رکھتی۔ وہ انکی گردن مین لتا کی طرح لپٹی ہوئی گھنٹون پریم کی باتین کیا کرتی۔ وہ انکے ساتھ گلشن کی کیاریون مین چہلین کرتی۔ اُنکے لئے پھولون کے ہار گوندھتی اور اُنکے گلے مین ڈالکر کہتی پیارے! دیکھنا یہ پھول مُرجھا نہ جائین۔ اِنھین ہمیشہ تازہ رکھنا، وہ چاندنی راتون مین اِنکے ساتھ کشتی پر بیٹھکر جھیل کی سیر کرتی۔ اور اُنھین پریم کے راگ سناتی۔ اگر اُنھین باہر سے آنے مین ذرا بھی دیر ہو جاتی تو وہ پُرمزہ شکوے کیا کرتی۔ اور اُنھین بیرحم اور بیدرد کہتی۔ اُنکے سامنے خود ہنستی آنکھین ہنستین، اور آنکھون مین کاجل ہنستا تھا۔ مگر آہ! جب وہ اکیلی ہوتی تو طائرِ خیال اُڑکر اُسی کُنڈ کے کنارے جا پہونچتا۔ کُنڈ کا وہ نیلگون پانی اُسپر تیرتے ہوئے کنول، اور موسیرون کی قطارین آنکھون کے سامنے آجاتین۔ پھر آسیا مسکراتی، نزاکت سے لچکتی آجاتی۔ اور تب رسیلے جوگی کی دلفریب مستانہ تصویر آنکھون مین آبیٹھتی۔ اور ستار کے نشہ خیز زمزمون کے ساتھ نغمۂ جان گداز کی صدائین آنے لگتین۔

کر گئے تھوڑے دن کی پریت

تب وہ ایک سرد آہ کھینچکر اُٹھ بیٹھتی، اور باہر نکلکر پنجرے مین چہکتی ہوئی چڑیون کی شیرین نوائیون مین پناہ لیتی۔ اِس طرح یہ خواب پریشان ہو جاتا۔

(۴)

اسی طرح کئی مہینے گذر گئے۔ ایک روز راجہ ہری چندر پربھا کو اپنے نگارخانہ مین لیگئے جو اُستادان فن کی سحر طرازیون کا بےنظیر مجموعہ تھا۔ طاق اوّل مین تاریخی تصاویر تھین۔ داخل ہوتے ہی رانا پرتاپ کی قدآدم تصویر نظر آئی۔ جسکے چہرہ سے مردانہ سطوت کی شعاعین نکل رہی تھین۔ ذرا اور آگے بڑھکر دائین طرف سرفروش سانگا، جانباز جگمل اور دلیر دُرگا داس جلوہ افروز تھے۔ بائین طرف غیور راجپیت اور شیردل بھیم سنگھ بیٹھے ہوئے تھے۔ رانا پرتاپ کے مقابل سلیم اور ثابت قدم سیواجی کی تصویر تھی۔ طاق کے بالائی حصہ مین آمنے سامنے کامل کرشن اور روشنضمیر رام براجتے تھے۔ مصوّرون نے چہرہ نگاری مین کمال دکھایا تھا۔ باطن کو ظاہر بنا دیا تھا۔ پربھا نے پرتاپ کے پیرون کو چوما اور کرشن کے سامنے دیر تک آنکھوں مین احترام اور پریم کے آنسو بھرے، سر جھُکائے کھڑی رہی۔ اسکے دل پر اسوقت ایک تقدس آمیز رعب طاری تھا۔ اُسے معلوم ہوتا تھا یہ اُن بزرگون کی تصویرین نہین، بلکہ اُنکی پاک روحین ہین۔ جنکے کارنامون سے ہندوستان کی تاریخ روشن ہے۔ جو ہندوستان کا بہترین قومی سرمایہ، اعلیٰ ترین قومی یادگار، اور بلند ترین قومی نعرے ہین۔ وہ اُنکے سامنے کھڑی نہو سکی اور جلدی سے طاق کے دوسرے حصہ مین داخل ہو گئی۔ یہان وسط مین نورانی بُدھ یوگ آسن مین بیٹھے ہوئے نظر آئے۔ اُنکے دائین طرف عارف شنکر تھے۔ اور بائین طرف بیدار مغز دیانند۔ ایک حصہ مین درویش کبیر اور صاحبدل رام داس پہلو بہپلو کھڑے تھے۔ ایک دیوار پر عالی مقام گووند اپنے شہادت کے دونون تارون کے ساتھ جلوہ افروز تھے۔ دوسری دیوار پر ہندو فلسفہ کی

بزم جاوید قائم تھی۔ مصوروں کا کمال ایک ایک عضو سے ٹپکتا تھا۔ پربھا نے اُنکے قدموں کو بوسہ دیا۔ پر اُنکے سامنے سر نہ اُٹھا سکی۔ اُسے محسوس ہوتا تھا کہ اُنکی منور آنکھیں اسکے دل پُر داغ مین چھپی جاتی ہین۔

اسکے بعد طاق کا تیسرا درجہ آیا۔ شعرا نازک خیال کی مجلس آراستہ تھی۔ روشن خیال والمیک اور ہمہ گیر ویاس جاے صدر پر رونق افروز تھے۔ داہنے طرف رنگین بیان کالیداس تھے۔ بائین طرف جدت طراز بھوبوتی۔ قریب ہی بھرتری اپنے گوشۂ قناعت مین بیٹھے ہوئے تھے۔ بائین طرف کی دیوار پر اُردو شعرا کی محفل تھی۔ مسند اعزاز پر سحر بیان میر رونق افروز تھے۔ جانب راست معنی آفرین غالب، اور انسانی فطرت کے رمز شناس انیس تھے۔ جانب چپ پُرسطوت ذوق اور شیرین کلام آتش پُر گو نظیر، زمانہ شناس حالی، لطیف اکبر اور رفیق اقبال نے اِس دائرہ کو پورا کر دیا تھا۔

دائین طرف کی دیوار پر ہندی شعرا کا مجمع تھا۔ صوفی سور، فطرت نگار تلسی، قادر الکلام کیشو، اور عاشق تن بہاری، درجہ بدرجہ جلوہ افروز تھے۔ سورداس سے پربھا کو روحانی عقیدت تھی۔ اُسنے قریب جا کر اُنکے قدمون کو بوسہ دینا چاہا۔ دفعتاً اُنھین قدمون کے سامنے سر جھکائے اُسے ایک چھوٹی سی تصویر نظر آئی۔ پربھا اُسے دیکھکر چونک پڑی۔ یہ وہی تصویر تھی۔ جو اس کے پردۂ دل پر کھنچی ہوئی تھی۔ وہ دو بدو اُسکی طرف نگاہ نکر سکی۔ دبی ہوئی نگاہون سے دیکھنے لگی۔

راجہ ہری چند نے مسکرا کر پوچھا "اس شخص کو تمنے کہین دیکھا ہے؟"

اِس سوال سے پربھا کا دل کانپ اُٹھا۔ جیسے ہرن شکاری کے سامنے راہ فرار نپا کر گھبرایا ہوا اِدھر اُدھر دیکھتا ہے۔ اُسی طرح پربھا دیوار کی طرف تاکنے لگی۔ سوچنے لگی کیا جواب دون؟ اس کو کہان دیکھا ہے؟ اُنھون نے یہ سوال مجھ سے کیون پوچھا۔ کہین تاڑ تو نہین گئے۔ یا نارائن میری پت تمہارے ہاتھ ہے۔ کیونکر انکار کرون۔ چہرہ زرد ہو گیا۔

سر جھکا کر دبی ہوئی زبان سے بولی۔ ہان خیال آتا ہے کہ کہین دیکھا ہے ؟

ہری چندر ”کہان دیکھا ؟

پربھا کے سر مین چکر سا آنے لگا۔ بولی ”شاید ایکبار وہ گاتا ہوا میرے باغ کے سامنے سے جا رہا تھا۔ اماں نے بلا کر اسکا گانا سُنا تھا“

ہری چندر نے پوچھا کیسا گانا تھا ؟

پربھا کے ہوش اُڑے ہوئے تھے۔ سوچتی تھی راجہ کا ایسی باتین پوچھنا معنی سے خالی نہین۔ دیکھو آج عزت بچتی ہے یا نہین۔ بولی اُسکا گانا تو ایسا بُرا نہ تھا“

ہری چندر نے شرارت آمیز انداز سے مسکرا کر پھر پوچھا کیا گایا تھا ؟

پربھا اس سوال پر باخبر ہوگئی۔ سوچی اس سوال کا سچا جواب دیدون تو پھر باقی کیا رہتا ہے۔ یقین ہوگیا کہ آج خیریت نہین ہے۔ چھت کی طرف دیکھکر بولی۔ سور داس کا کوئی پد تھا“

ہری چندر نے کہا۔ ”یہ تو نہین“

کر گئے تھوڑے دن کی پریت

پربھا کی آنکھون مین اندھیرا چھا گیا۔ سر گھومنے لگا۔ کھڑی نہ رہ سکی بیٹھ گئی۔ اور مایوسانہ انداز سے بولی ”ہان یہی پد تھا“ اور فوراً ہی کلیجہ مضبوط کر کے پوچھا آپ کو کیسے معلوم ہوا۔

ہری چند بولے وہ میرے یہان اکثر آیا جایا کرتا ہے۔ مجھے بھی اُسکا گانا پسند ہے۔ اسی نے مجھ سے یہ حال بتایا تھا۔ مگر وہ تو کہتا تھا کہ راجکماری نے میرے گانے کو بہت پسند کیا۔ اور پھر آنے کے لیئے اصرار کیا۔

پربھا کو اب سچا غصہ دکھانے کا موقع ملا۔ تیز ہو کر بولی ”یہ بالکل جھوٹ ہے۔ مین نے اس سے کچھ نہین کہا“

ہری چند بولے ”وہ تو مین پہلے ہی سمجھ گیا تھا کہ یہ حضرت کی چالاکی ہے۔ ڈینگ

بار نا گوئیون کا خاصہ ہے۔ مگر اسمین تو تمہین انکار نہین کہ اُسکا گانا بُرا نہ تھا، پربھا خفیف ہو کر بولی۔ نہ! اچھی چیز کو بُرا کون کہیگا؟

ہری چند نے پوچھا۔ پھر سُننا چاہو تو اُسے بُلواؤن، سر کے بل دوڑا آئیگا۔

کیا اُنکے درشن پھر ہون گے؟ اس اُمید سے اسکا چہرہ شگفتہ ہو گیا۔ مگر ان کئی مہینون کی متواتر کوشش سے جس خیال کو فراموش کرنے مین وہ کسی قدر کامیاب ہو چلی تھی اُسکے پھر تازہ ہو جانے کا خوف دامنگیر ہوا۔ بولی۔ میرا اسوقت گانا سُننے کو جی نہین چاہتا

ہری چند نے اصرار کیا۔ "یہ مین نہ مانونگا۔ تم اور گانا سُننا نہ چاہو۔ مین ابھی اُسے بلائے لاتا ہون"

یہ کہکر راجہ ہری چند تیر کی طرح طاق سے باہر نکل آئے۔ پربھا اُنھین روک نہ سکی وہ دم بخود، فکر مین ڈوبی، کھڑی تھی۔ دل مین خوشی اور رنج کی لہرین باری باری سے اُٹھتی تھین مشکل سے دس منٹ گذرے ہونگے اسی ستار کی مستانہ صداؤن کے ساتھ جوگی کا رسیلا تان سُنائی دیا۔

کر گئے تھوڑے دن کی پریت

وہی دلآویز نغمہ تھا۔ وہی جذباتی تاثیر، وہی روحانی دلکشی، وہی سب کچھ جو فکر اور تخیل اور جذبات کو مرغزار تمنا مین پہونچا دیتا ہے۔

ایک لمحہ مین جوگی کی موہنی صورت دکھائی دی۔ وہی مستانہ پن، وہی نشیلی آنکھین وہی دیوتاؤن کی سی صورت۔ اُسکے چہرہ پر ایک ہلکا سا تبسم تھا۔ پربھا نے اُسکی طرف سہمی ہوئی نگاہون سے دیکھا۔ دفعتہً اُسکا کلیجہ اُچھل پڑا۔ اسکی آنکھون کے سامنے سے ایک پردہ سا ہٹ گیا۔ بیخودی کے نشہ سے اُمڈی ہوئی، آنکھون مین پریم کے آنسو بھرے وہ اپنے شوہر کے پیرون پر گر پڑی اور بولی "پریتم"

راجہ ہری چند کو آج گرمی محبت، خلوص جذب، اور تسلیم کامل کا ایک نیا ولولہ انگیز

اور سرور افزا تجربہ ہوا - وہ ناقابل اظہار کمی جو عالم خلوص مین بھی کھٹکا کرتی تھی - دور ہوگئی تھی اُنھون نے پربھا کو سینے سے لگا لیا - آج اُن دونون دلون کے درمیان کوئی میل، کوئی حد فاصل، کوئی آڑ نہین ہے - آج انہین سچا ملاپ ہوا ہے -

راجہ ہری چند نے کہا "جانتی ہو مین نے یہ سوانگ کیون رچا تھا؟ گانے کا مجھے ہمیشہ سے شوق ہے - اور سُنا کہ تمہین بھی اسکا جنون ہے - تمہین اپنا دل نذر کرنے سے پہلے ایکبار تمہارا درشن کرنا ضروری معلوم ہوا - اور اسکے لیے سب سے بہتر ترکیب یہی نظر آئی "

پربھا نے سرشار آنکھون سے دیکھکر کہا "جوگی بنکر تمنے جو کچھ پا لیا وہ راجہ رہکر تم ہرگز نہ پا سکتے - تم میرے پتی بنتے پر پریتم نہ ہو سکتے - اب تم میرے پتی بھی ہو - اور پریتم بھی - مگر تم نے مجھے بڑا دھوکا دیا - اور میری آتما کو گنہگار بنایا - اسکا ذمہ دار کون ہوگا؟"



پچھتاوا

(۱)

پنڈت درگاناتھ جب کالج سے نکلے تو کسب معاش کی فکر دامنگیر ہوئی۔ رحمدل اور باصول آدمی تھے۔ ارادہ تھا کہ کام ایسا کرنا چاہیئے جس مین اپنی گذران بھی ہو اور دوسرون کے ساتھ ہمدردی اور دلسوزی کا بھی موقعہ ملے۔ سوچنے لگے اگر کسی دفتر مین کلرک بنجاؤن تو اپنی گذر تو ہوسکتی ہے۔ لیکن عوام سے کوئی تعلق نہ رہے گا۔ وکالت مین شریک ہوجاؤن تو دونون باتین ممکن ہین مگر ہزار احتیاط کرنے پر بھی دامن کو صاف رکھنا مشکل ہوگا۔ پولیس کے محکمہ مین غربا پروری کے بے انتہا موقعے ہین۔ مگر وہان کی آب وہوا آزاد منش اور نیک نیت آدمی کے لئے ناموافق ہے۔ مال کے صیغہ مین قاعدہ اور قانون کی گرم بازاری ہے۔ بے لوث رہنے پر بھی سختی اور جبر سے محترز رہنا غیر ممکن۔ اِس طرح بہت غور و فکر کے بعد انھون نے فیصلہ کیا کہ کسی زمیندار کے یہان مختار عام بنجانا چاہیئے۔ تنخواہ تو ضرور کم ملیگی مگر غریب کاشتکارون سے رات دن کا تعلق رہیگا حسنِ سلوک کے موقعے ملین گے۔ سادگی کی زندگی بسر ہوگی۔ ارادہ مضبوط ہوگیا۔ کنور لبنتال سنگھ ایک صاحب ثروت زمیندار تھے۔ اُنکی خدمت مین حاضر ہوئے۔ اور عرض کی کہ مجھے بھی اپنے نمکخوارون کے زمرہ مین شامل کر لیجئے۔ کنور صاحب نے اُنھین سر سے پاؤن تک دیکھا اور بولے پنڈت جی! مجھے آپ کو اپنے یہان رکھنے سے بڑی خوشی ہوتی مگر آپ کے لائق میرے یہان کوئی جگہہ نہین ہے۔

درگاناتھ نے کہا۔ میرے لئے کسی خاص جگہہ کی ضرورت نہین ہے۔ مین ہر ایک کام کرنے کو تیار ہون۔ تنخواہ جو کچھ آپ بخوشی دین گے۔ وہ مجھے منظور ہے۔ مین نے تو

ارادہ کرلیا ہے کہ سوا کسی رئیس کے اور کسی کی نوکری نہ کرونگا۔ کنور وشال سنگھ نے مغرورانہ انداز سے فرمایا۔ رئیس کی نوکری، نوکری نہین، ریاست ہے۔ مین اپنے چپراسیون کو دو روپیہ مہینہ دیتا ہون اور وہ تنزیب کی اچکن پہنکر نکلتے ہین۔ دروازون پر گھوڑے بندھے ہوئے ہین۔ میرے کارندے پانچ روپیہ سے زیادہ نہین پاتے لیکن شادی بیاہ وکیلون کے خاندان مین کرتے ہین۔ معلوم نہین انکی کمائی مین کیا برکت ہوتی ہے۔ برسون تنخواہ کا حساب نہین کرتے۔ کتنے ہی ایسے ہین جو بلا تنخواہ کے کارندگی یا چپراسگری کرنے کو تیار بیٹھے ہین۔ مگر اپنا یہ اصول نہین۔ سمجھ لیجیے مختار عام اپنے علاقہ مین زمیندار سے کم حیثیت نہین رکھتا۔ وہی رعب، وہی حکومت، وہی شان، جسے اس نوکری کا چسکا لگ چکا ہے اس کے سامنے تحصیلداری کی کیا حقیقت ہے۔

پنڈت درگاناتھ نے کنور صاحب کی تائید نہین کی۔ جیسا کہ کرنا انکا فرض تھا۔ دُنیاداری مین ابھی کچے تھے۔ بولے۔ مجھے ابتک کسی رئیس کی نوکری کا چسکا نہین لگا ہے۔ مین تو ابھی کالج سے نکلا آتا ہون۔ اور نہ مین ان وجوہ سے یہ نوکری کرنی چاہتا ہون جو آپ نے فرمائے مگر اتنے قلیل مشاہرہ مین میرا گذر نہ ہوگا۔ آپکے اور ملازم آسامیون کا گلا دباتے ہون گے۔ مجھ سے مرتے دم تک یہ فعل نہونگے۔ اگر ایماندار نوکر کی قدر ہوتی ہے تو مجھے یقین ہے کہ آپ بہت جلد مجھ سے خوش ہو جائینگے۔

کنور صاحب نے بڑی متانت سے کہا۔ بیشک ایماندار آدمی کی سب جگہہ قدر ہوتی ہے۔ لیکن میرے یہان زیادہ تنخواہ دینے کی گنجائش نہین ہے۔

زمیندار کی اس ناقدری پر کسی قدر ترش ہوکر پنڈت جی نے جواب دیا۔ تو پھر مجبوری ہے۔ اس تکلیف دہی کے لئے معاف فرمائے گا۔ مگر مین یہ آپ سے کہہ سکتا ہون کہ ایماندار آدمی اتنا سستا نہ ملے گا۔

کنور صاحب نے دل مین سوچا کہ عدالت کچہری روز ہوتی ہی رہتی ہے۔ سیکڑون

روپے تجویزون اور فیصلون کے ترجمے مین صرف ہوجاتے ہین۔ ایک انگریزی دان آدمی ملتا ہے۔ بالکل سادہ لوح۔ کچھ زیادہ تنخواہ دینی پڑے گی تو کوئی مضائقہ نہین۔ مگر پنڈت جی کی بات کا جواب دینا ضروری تھا۔ بولے۔ مہاراج ایماندار آدمی ایماندار ہی رہے گا چاہے اُسے تنخواہ کتنی ہی کم دیجیے۔ اور نہ زیادہ تنخواہ پانے سے بے ایمان ایماندار بن سکتا ہے۔ ایمان کا روپیہ سے کوئی تعلق نہین۔ مین نے ایماندار چپراسی دیکھے ہین۔ اور بے ایمان ہائی کورٹ کے جج۔ لیکن خیر۔ آپ ہونہار آدمی ہین۔ میرے یہان شوق سے رہیے۔ مین آپکو ایک علاقہ کا مختار بنا دونگا۔ آپ کا کام دیکھکر ترقی بھی کر دونگا۔

درگاناتھ بیس روپیہ ماہوار پر راضی ہوگئے۔ وہان سے ڈھائی میل پر کنور صاحب کے کئی موضعے چاندپار کے علاقہ کے نام سے مشہور تھے۔ پنڈت جی اس علاقہ کے مختار عام مقرر ہوئے۔

(٢)

درگاناتھ چاندپار کے علاقہ مین پہونچے تو اُنھین معلوم ہوا کہ واقعی جیسا کنور صاحب کہتے تھے ریاست کی نوکری بجائے خود ریاست ہے۔ رہنے کے لیے خوبصورت بنگلہ فرش فروش سے سجا ہوا۔ سیکڑون بیگہ کی سیر، کئی نوکر کئی چپراسی۔ سواری کے لیے ایک خوبصورت ٹانگن۔ آسائش اور تکلف کے سب سامان موجود۔ مگر اُنھین۔ یہ ٹھاٹ باٹ دیکھکر کچھ زیادہ خوشی نہوئی۔ کیونکہ اسی سجے ہوئے بنگلہ کے چارون طرف کاشتکارون کے جھونپڑے تھے۔ پھوس کے بنے ہوئے۔ جن مین مٹی کے برتنون کے سوا اور کوئی اثاثہ نہ تھا۔ بنگلہ وہان کے عرف عام مین کوٹ مشہور تھا۔ لڑکے سہمی ہوئی آنکھون سے برآمدے کو دیکھتے مگر اوپر قدم رکھنے کی جرأت نہوتی۔ اس افلاس کے بیچ مین ثروت اور تمول کا یہ نظارہ اُن کے لئے نہایت دل شکن تھا۔ کاشتکارون کی یہ حالت کہ سامنے

آتے ہوئے تھرتھر کانپتے تھے۔ چپراسی لوگ اُنسے بلا تو تکار کے بات نکرتے۔

پہلے ہی دن کئی سو کاشتکاروں نے پنڈت جی کی خدمت مین نذرانے پیش کئے۔ مگر اُنھین کتنا تعجب ہوا جب اُنکے نذرانے واپس کر دیئے گئے۔ کاشتکار تو خوش ہوئے مگر چپراسیون کے خون اُبلنے لگے۔ نائی اور کہار خدمت کے لئے آئے۔ وہ لوٹا دیئے گئے۔ گوالون کے گھرون سے دودھ کا ایک بھرا ہوا مٹکا آیا۔ وہ بھی واپس ہوا۔ تمبولی ایک ڈھولی پان لیکر آیا۔ مگر اسکی نذر بھی قبول نہوئی۔ آسامیون نے آپس مین کہا یہ کوئی دھرماتما آدمی معلوم ہوتا ہے۔ لیکن چپراسیون سے یہ بے ضابطگیان کیونکر برداشت ہوتین۔ اُنھون نے کہا حضور اگر آپ کو یہ چیزین پسند نہون تو نہ لین۔ مگر رسم کو تو نہ مٹاوین۔ اگر کوئی دوسرا آدمی یہان آئے گا تو اُسے نئے سر سے یہ رسوم باندھنے مین کتنی دقت ہوگی۔ پنڈت جی نے اس نیک صلاح کا صرف اتنا جواب دیا جسکے سر جیسی پڑے گی آپ بھگت لے گا۔ مجھے ابھی سے اِسکی فکر کرنے کی کیا ضرورت ہے۔

ایک چپراسی نے جرأت کر کے کہا۔ ان آسامیون کو آپ جتنا غریب سمجھتے ہین اُتنے غریب نہین ہین۔ اِنکا ڈھنگ ہی ایسا ہے۔ بھیس بنائے رہتے ہین۔ دیکھنے مین ایسے سیدھے سادھے گویا بے سینگ کی گائے ہین مگر سچ مانئے اِنمین کا ایک ایک آدمی ہائی کورٹ کا وکیل ہے۔

مگر چپراسیون کی اِس بحث کا پنڈت جی پر کچھ اثر نہوا۔ اُنھون نے ہر ایک کاشتکار سے ہمدردانہ اور برادرانہ برتاؤ کرنا شروع کیا۔ صبح سے ۹ بجے تک غریبون کو مفت دوائین دیتے۔ پھر حساب کتاب کا کام دیکھتے۔ اُنکے اخلاق نے آسامیون کو موہ لیا۔ مالگذاری کا روپیہ جسکے لئے ہر سال قرقی اور نیلام کی ضرورت ہوتی تھی امسال ایک اشارے پر وصول ہوگیا۔ کسانون نے اپنے بھاگ سراہے اور منانے لگے کہ ہمارے سرکار کی کبھی بلدی نہو۔

(۳)

کنور بشال سنگھ اپنی رعایا کی پرورش کا بہت خیال رکھتے تھے۔ بیج کے لئے اناج دیتے۔ مزدوری اور بیل کے لئے روپئے۔ فصل کٹنے پر ایک کا ڈیڑھ وصول کر لیتے۔ جیسا کہ مناسب تھا۔ چاندا پار کے علاقے مین کتنے ہی آسامی اُنکے مقروض تھے چیت کا مہینہ تھا۔ فصل کچھ کھلیان مین تھی۔ کچھ گھر مین آچکی تھی۔ کنور صاحب نے چاندا پار والون کو بُلایا اور کہا ہمارا اناج اور روپیہ بیباق کر دو چیت آگیا۔ جب تک سختی نہ کیجائے تم لوگ ڈکار تک نہین لیتے۔ اس طرح کام نہین چلسکتا۔

بوڑھے ملوکا نے کہا۔ سرکار آسامی کبھی اپنے مالک سے بیباک ہو سکتا ہے۔ کچھ ابھی لے لیا جائے۔ کچھ پھر دیدین گے۔ ہماری گردن تو سرکار کی مٹھی مین ہے۔

کنور صاحب نے فرمایا۔ آج کوڑی کوڑی چکا کر تب یہان سے اُٹھنے پاؤ گے۔ تم لوگ ہمیشہ اسیطرح حیلہ حوالہ کرتے رہتے ہو۔

ملوکا نے منت کرکے کہا۔ ہمارا پیٹ ہے سرکار کی روٹیان ہین۔ ہمکو اور کیا چاہیے جو کچھ اُپج ہے وہ سب سرکار ہی کی تو ہے۔

کنور صاحب کو ملوکا کی اس زبان درازی پر غصہ آگیا۔ راجہ رئیس ٹھیرے۔ اُسے سخت سست کہا اور بولے کوئی ہے۔ ذرا اس بڈھے کی گوشمالی تو کر دے۔ یہ بہت بڑھ بڑھ کر باتین کرتا ہے۔

اُنھون نے تو شاید دھمکانے کی نیت سے کہا مگر چپراسیون کی آنکھون مین چاندا پار کھٹک رہا تھا۔ ایک تیز دم چپراسی قادر خان نے لپک کر بوڑھے کسان کی گردن پکڑی اور ایسا دھکا دیا کہ وہ بیچارہ ٹھوکر کھا کر زمین پر گر پڑا۔ ملوکا کے دو جوان بیٹے چپ چاپ کھڑے تھے۔ باپ کی یہ حالت دیکھی خون نے جوش مارا۔ دونون جھپٹے اور قادر خان پر ٹوٹ پڑے دھماکے کی آوازین آنے لگین۔ صاف گرا۔ اچکن تار تار ہوئی اور قادر خان زمین دوز ہوگئے ہان زبان کی تیزی مین ذرہ بھر فرق نہ آیا۔

ملوکا نے دیکھا کہ بات بگڑ گئی۔ اُٹھا اور قادر خان کو چھڑا کر اپنے لڑکون کو گالیان دینے لگا۔ جب لڑکون نے اُلٹے اُسی کو ڈانٹا تو وہ ڈر کر کنور صاحب کے پیرون پر گر پڑا۔ مگر بات سچ مچ بگڑ چکی تھی۔ اُسکی مصلحت آمیزیان بے اثر ہوئین۔ کنور صاحب کی آنکھون سے شعلے نکل رہے تھے۔ بولے۔ بے ایمان آنکھون کے سامنے سے دُور ہو جا۔ ورنہ تیرا خون پی جاؤنگا۔

بوڑھے کے جسم مین خون تو نہ تھا مگر کچھ گرمی ضرور تھی۔ سمجھا تھا کہ یہ کچھ انصاف کرینگے یہ پھٹکار سنکر بولا۔ سرکار بڑھاپے مین آپ کے دروازے پر پانی اُتر گیا۔ اور اُسپر سرکار ہمین کو ڈانٹتے ہین۔ کنور صاحب نے کہا۔ تمھاری عزت ابھی کیا اُتری ہے۔ اب اُتریگی

دونون لڑکے طیش مین آکر بولے۔ سرکار اپنا روپیہ لینگے کہ کسیکی عزت لین گے۔

کنور صاحب نے اینٹھ کر کہا روپیہ پیچھے لین گے۔ پہلے دیکھین گے تمھاری عزت کیسی ہے۔

(۴)

چاندا پار کے کسان اپنے گاؤن مین پہونچکر پنڈت دُرگا ناتھ سے اپنا ماجرا کہہ رہے تھے کہ اتنے مین کنور صاحب کا آدمی پہونچا۔ اور خبر دی کہ سرکار نے اسی دم آپ کو بلایا ہے۔

دُرگا ناتھ نے اسامیون کو تشفی دی اور گھوڑے پر سوار ہو کر دربار مین حاضر ہوئے۔ کنور صاحب کی آنکھین غصہ سے لال تھین۔ چہرہ تمتایا ہوا۔ کئی مختار اور چپراسی بیٹھے ہوئے آگ پر تیل ڈال رہے تھے۔ پنڈت جی کو دیکھتے ہی کنور صاحب بولے۔ چاندا پار والون کی حرکت آپ نے دیکھی ؟

پنڈت جی نے سر جھکا کر کہا۔ جی ہان نہایت رنج ہوا۔ یہ تو ایسے سرکش نہ تھے۔ کنور صاحب بولے۔ یہ سب آپ ہی کے قدمون کی برکت ہے۔ آپ ابھی اسکول کے

لڑکے ہین - آپ کیا جانین دنیا مین کس طرح رہنا ہوتا ہے - اگر آپ کا آسامیون کیساتھ یہی برتاؤ رہا تو پھر مین زمیداری کر چکا - یہ سب آپ کی کرنی ہے - مین نے اسی دروازے پر آسامیون کو رسیون سے باندھ باندھکر الٹے لٹکا دیا ہے - اور کسی نے چون تک نہین کی - آج انکی یہ جرأت کہ میرے سامنے میرے ہی آدمی پر ہاتھ چلائین -

درگاناتھ نے معذرت آمیز انداز سے کہا حضور! اسمین میری کیا خطا ہے مین نے تو جب سے سنا ہے خود افسوس کر رہا ہون -

کنور صاحب نے فرمایا - آپ کی خطا نہین ہے تو اور کسکی ہے - آپ ہی نے انھین سر چڑھایا - بیگار بند کر دی - آپ ہی اُنکے ساتھ بھائی چارہ رکھتے ہین - اُن کے ساتھ گپ شپ کرتے ہین - یہ چھوٹے آدمی اس برتاؤ کی قدر نہین کر سکتے - کتابی اخلاق مدرسون کے لیئے ہے - دنیاوی اخلاق کا قانون دوسرا ہے - خیر جو ہوا سو ہوا - اب مین چاہتا ہون کہ اِن بدمعاشون کو اس گستاخی کا مزہ چکھاؤن - آسامیون کو ابھی آپ نے مالگذاری کی رسید تو نہین دی ہے ؟

درگاناتھ نے ڈرتے ڈرتے کہا - جی نہین رسیدین تیار ہین صرف آپکے دستخط کی دیر ہے -

کنور صاحب کے چہرہ پر اطمینان کی جھلک نظر آئی - بولے! یہ بہت اچھا ہوا - شگون اچھے ہین - اب آپ اِن رسیدون کو چراغ علی کے سپرد کیجیے - اِن لوگون پر بقایا لگان کی نالش کیجایئے گی - فصل نیلام کراؤن گا جبھو کون دین گے تب آٹے دال کا بھاؤ معلوم ہوگا - جو روپیہ اب تک وصول ہو چکا ہے وہ بیج اور اُدھار کے کھاتے مین چڑھا لیجیئے - آپ کو شہادت صرف یہ دینی ہوگی کہ مالگذاری کی مد مین نہین قرضہ کی مد مین روپیہ وصول ہوا - بس -

درگاناتھ سکتے مین آ گئے - کیا یہان بھی اُنھین آفتون کا سامنا کرنا پڑیگا جنسے

بچنے کے لیئے یہ گوشۂ قناعت اختیار کیا تھا - جان بوجھکر اتنے غریبون کی گردن پر چھری پھیرون اسلیئے کہ میری نوکری قائم رہے! نہ! یہ مجھ سے نہوگا - بولے کیا میری شہادت کے بغیر کام نہ چلیگا - ؟

کنور صاحب نے غصہ سے کہا کیا اتنے کہنے مین آپ کو کوئی عذر ہے - ؟

درگا ناتھ نے دبدبے کے لہجے مین کہا - جی یون تو مین آپکا نمک خوار ہون - ہرایک حکم کی تعمیل کے لئے حاضر ہون - مگر مین نے شہادت کبھی نہین دی ہے - اور شاید یہ کام مجھ سے انجام نہو سکے - مجھے تو معاف ہی رکھا جائے -

کنور صاحب نے تحکمانہ انداز سے فرمایا - یہ کام آپ کو کرنا پڑیگا - اسمین حیلہ حوالہ کی گنجایش نہین ہے - آگ آپ نے لگائی ہے بجھائیگا کون ؟

درگا ناتھ نے زور دیکر کہا - مین جھوٹ بولنے کا عادی نہین ہون - اور اس طرح کی شہادت نہین دے سکتا -

کنور صاحب مصلحت آمیز لہجہ مین بولے جس مین طنز کا پہلو غالب تھا - مہربان یہ جھوٹ نہین ہے مین نے جھوٹ کا بیوپار نہین کیا ہے - مین یہ نہین کہتا کہ آپ روپیہ کی وصولی سے انکار کیجئے - جب آسامی میرے مقروض ہین تو مجھے اختیار ہے کہ چاہے روپیہ قرضہ کی مدمین وصول کرون، چاہے مالگذاری کی مد مین - اگر اتنی سی بات کو آپ جھوٹ سمجھتے ہین تو یہ آپ کی زیادتی ہے - ابھی آپ نے دنیا نہین دیکھی - ایسی صاف گوئی کے لئے دنیا مین جگہ نہین ہے - آپ میرے ملازم ہین آخر حق نمک بھی تو کوئی چیز ہے - آپ تعلیم یافتہ ہونہار آدمی ہین - ابھی آپ کو دنیا مین بہت دن رہنا اور بہت کام کرنا ہے - ابھی سے آپ یہ روش اختیار کرین گے تو آپ کو زندگی مین بجز مایوسی اور پریشانی کے اور کچھ ہاتھ نہ آئے گا - ایمانداری بیشک اچھی چیز ہے مگر اعتدال کا خیال بھی رہنا چاہیئے - انتہا ہر چیز کی بری ہوتی ہے - اب زیادہ سوچ بچار کرنے کی ضرورت نہین - یہ موقع ایسا ہی ہے -

کنور صاحب پرانے پھینکیت تھے نوجوان کھلاڑی ہار گیا وہ پس وپیش کے جال
مین پھنس گیا۔ جو نیک ارادون کے لیے سم قاتل ہے۔

(۵)

اِس واقعہ کے تیسرے دن چاندا پار کے آسامیون پر بقایا لگان کی نالش ہوئی۔ سمن آئے۔ گھر گھر کہرام مچ گیا۔ سمن کیا تھے۔ موت کے پروانے تھے۔ دیوی دیوتاؤن کی منتا ؤن ہونے لگی۔ عورتین زمیندار کو کوسنے لگین۔ اور مرد اپنی تقدیرون کو۔ مقررۃ تاریخ کے دن گاؤن کے گنوار کندھے پر لٹیا ڈور، اور انگوچھے مین چبینہ باندھے کچہری کو چلے۔ سیکڑون عورتین اور بچے روتے ہوئے اُن کے پیچھے پیچھے چلے جاتے تھے۔ گویا وہ اُن سے اب پھر نہ ملین گے۔

پنڈت درگاناتھ کے لیے یہ تین دن سخت آزمائش کے دن تھے۔ ایک طرف کنور صاحب کی دلجوئیان تھین۔ دوسری طرف کسانون کی آہ وزاریان۔ مگر پس وپیش کے بھنور مین تین دن تک غوطے کھانے کے بعد اُنھین زمین کا سہارا لگیا۔ دل نے کہا یہ پہلی آزمائش ہے۔ اگر اس مین ناکام رہے تو پھر اُنکا سامنا کرنا غیر ممکن۔ فیصلہ ہو گیا کہ مین اپنے فائدے کے لیے اتنے بیکسون کو نقصان نہ پہونچاؤن گا۔

دس بجے دن کا وقت تھا۔ عدالت کے احاطہ مین میلہ سا لگا ہوا تھا۔ جابجا چھوٹے بڑے سیہ پوش دیوتاؤن کی پوجا ہو رہی تھی۔ چاندا پار کے کسان غول کے غول ایک درخت کے نیچے آکر بیٹھے۔ اُن سے کچھ دور پر کنور صاحب کے مختار عام اور سپاہیون اور گواہون کا ہجوم تھا۔ یہ لوگ بہت خوش تھے۔ جس طرح مچھلی پانی مین پہونچکر کلیلین کرتی ہے اُسی طرح یہ لوگ خوش فعلیان کر رہے تھے۔ کوئی پان کھا رہا تھا۔ کوئی حلوائی کے دوکان سے پوریون کے پتل لئے چلا آتا تھا۔ اُدھر بیچارے کسان درخت کے نیچے خاموش اُداس بیٹھے ہوئے سوچتے تھے کہ آج نہ جانے کیا ہوگا۔ نہین معلوم کیا آفت آئے گی۔

رام کا بھروسہ ہے!

مقدمہ پیش ہوا۔ استغاثہ کی شہادتین گذرنے لگین۔ یہ آسامی بڑے سرکش ہین۔ جب لگان مانگا جاتا ہے تو جنگ پر آمادہ ہوتے ہین۔ اب کی انھون نے ایک حبہ نہین دیا۔ قادرخان نے رو کر اپنے سر کی چوٹ دکھائی۔ سب کے پیچھے پنڈت درگاناتھ کی پکار ہوئی۔ انہین کے بیان پر استغاثہ کا فیصلہ تھا۔ وکیل صاحب نے انہین خوب طوطے کی طرح پڑھا رکھا تھا۔ مگر انکی زبان سے پہلا ہی جملہ نکلا تھا کہ مجسٹریٹ نے انکی طرف تیز نگاہون سے دیکھا۔ وکیل صاحب بغلین جھانکنے لگے۔ مختار عام نے انکی طرف گھورکر دیکھا۔ اہلمد اور پیشکار سب کے سب انکی طرف ملامت آمیز نگاہون سے دیکھنے لگے۔

عدالت نے سخت لہجہ مین کہا۔ تم جانتے ہو کہ مجسٹریٹ کے روبرو کھڑے ہو؟

درگاناتھ نے مودبانہ مگر مستقل انداز سے جواب دیا۔ جی ہان خوب جانتا ہون۔

عدالت۔ تمہارے اوپر دروغ بیانی کا مقدمہ عائد ہو سکتا ہے۔

درگاناتھ۔ بیشک اگر میرا بیان غلط ہو۔

وکیل نے اُلٹے طنزیہ لہجہ مین کہا۔ معلوم ہوتا ہے کسانون کے دودھ گھی اور نذر و نیاز نے یہ کایا پلیٹ کر دی ہے۔ اور مجسٹریٹ کی طرف پُرمعنی انداز سے دیکھا۔

درگاناتھ بولے۔ آپ کو ان نعمتون کا زیادہ تجربہ ہوگا۔ مجھے اپنی روکھی روٹیان زیادہ پیاری ہین۔ عدالت نے پوچھا۔ تم ازروے حلف کہتے ہو کہ ان آسامیون نے بالکل مطالبہ بیباق کر دیا ہے۔

درگاناتھ نے جواب دیا۔ جی ہان مین ازروے حلف کہتا ہون کہ ان کے ذمہ لگان کی ایک کوڑی باقی نہین ہے۔

عدالت۔ رسیدین کیون نہین دین۔

درگاناتھ۔ میرے آقا کا حکم۔

(۶)

مجسٹریٹ نے نالشین خارج کر دین - کنور صاحب کو جونہی اس شکست کی خبر ملی انکے غیظ و غضب کی کوئی حد نرہی - پنڈت درگا ناتھ کو ہزارون ہی بے نقط سنائین - نمک حرام، دغا باز، بیوفا، مکار یہان سے اس شخص کی کتنی خاطر کی - مگر کتے کی دم کبھی سیدھی نہین ہوتی - آخر دغا کر ہی گیا - خیریت یہ ہوئی کہ پنڈت درگا ناتھ مجسٹریٹ کا فیصلہ سنتے ہی مختار عام کو کنجیان اور کاغذات سپرد کر کے رخصت ہو گئے تھے - ورنہ اس نمک حرامی کے صلہ مین کچھ دنون تک ہلدی اور گڑ پینے کی ضرورت ہوتی -

کنور صاحب کا لین دین وسیع پیمانہ پر تھا - چاندا پار بڑا علاقہ تھا - وہان کے آسامیون سے کئی ہزار کی رقم آنے کو تھی - انھین یقین ہو گیا کہ اب یہ روپیہ ڈوب جائیگا - وصول ہونے کی کوئی امید نہین - اس پنڈت نے آسامیون کو سر چڑھا دیا - اب انھین میرا کیا خوف! اپنے کارندون اور مشیرون سے صلاح لی - انھون نے بھی یہی کہا کہ اب وصولی کی کوئی صورت نہین - کاغذات عدالت مین پیش کئے جائینگے تو آمدنی کا ٹکس تو لگ جائیگا - مگر روپیہ وصول ہونا مشکل - عذر داریان ہونگی - کہین حساب مین کوئی غلطی نکل آئی تو رہی سہی ساکھ بھی جاتی رہیگی - اور دوسرے علاقون کا روپیہ بھی مارا پڑیگا -

مگر دوسرے دن جب ٹھاکر صاحب پوجا پاٹ سے فارغ ہو کر اپنی چوپال مین بیٹھے تو کیا دیکھتے ہین کہ چاندا پار کے آسامی غول کے غول چلے آ رہے ہین - انھین خوف ہوا کہ کہین یہ سب کوئی فساد کرنے تو نہین آئے - مگر کسی کے ہاتھ مین لکڑی تک نہ تھی - ملوکا آگے آگے آتا تھا - اسنے دور ہی سے جھک کر سلام کیا - ٹھاکر صاحب کو ایسی حیرت ہوئی گویا کوئی خواب دیکھ رہے ہین -

ملوکا نے سامنے آکر عرض کی - سرکار ہم لوگون سے جو کچھ بھول چوک ہوئی اسے معاف کیا جائے - ہم لوگ سب حضور کے چاکر ہین - سرکار نے ہمکو پالا ہے - اب بھی ہمارے اور

وہی نگاہ رہے۔

کنور صاحب کا حوصلہ بڑھا۔ سمجھے کہ پنڈت کے چلے جانے سے ان سبھون کے ہوش ٹھکانے ہو گئے ہین۔ اب کسکا سہارا لین گے۔ اسی بدمعاش نے ان سب کو بھڑکا دیا تھا۔ کڑک کر بولے۔ وہ تمھارے حمایتی پنڈت کہان گئے۔ وہ آجاتے تو ذرا انکی مزاج پرسی کیجاتی۔

بوڑھے ملوکا نے آنکھون مین آنسو بھرے ہوئے کہا۔ سرکار انکو کچھ نہ کہین۔ وہ آدمی نہین دیوتا تھے۔ جوانی کی سوگند ہے جو انھون نے آپ کی کوئی شکایت کی ہو۔ وہ بیچارے تو ہم لوگون کو بار بار سمجھاتے رہتے تھے کہ دیکھو مالک سے بگاڑ کرنا اچھی بات نہین۔ ہم سے کبھی ایک لوٹے پانی کے روادار نہین ہوئے۔ چلتے چلتے ہم لوگون سے کہا کہ مالک کا جو کچھ تمھارے جمے نکلے چکا دینا۔ آپ ہمارے مالک ہین ہم نے آپ کا بہت کھایا پیا۔ آپ ہی کے نمک سے ہمارے تن بنے ہین۔ اب ہماری سرکار سے یہی بنتی ہے کہ ہمارا حساب کتاب دیکھکر جو کچھ ہمارے اوپر نکلے ہم سے بتا دیا جائے۔ ہم ایک ایک کوڑی چکا کر تب پانی پئین گے۔

کنور صاحب کو سکتہ سا ہوگیا۔ انہین روپیون کے لئے کتنی بار زبردستی کھیت کٹوائے گئے۔ کتنی بار گھرون مین آگ لگوائی۔ کتنی بار مار پیٹ کی۔ کیسی کیسی سختیان کین۔ کیسے کیسے ستم ڈھائے۔ اور آج یہ سب خود بخود سارا حساب صاف کرنے آئے ہین۔ یہ کیا جادو ہے!۔

مختار عام صاحب نے کاغذات کھولے۔ اور اسامیون نے اپنی اپنی پوٹلیان کھولین۔ جسکے ذمہ جتنا نکلا اسنے بے چون وچرا وہ رقم سامنے رکھدی۔ دیکھتے دیکھتے سامنے روپیون کا ڈھیر لگ گیا۔ چھ ہزار روپیہ دم کی دم مین وصول ہوگیا۔ کسی کے ذمہ کچھ باقی نہ رہا۔ یہ سچائی اور انصاف کی فتح تھی۔ زبردستی اور ظلم سے جو کام کبھی نہ ہوا وہ انسانیت نے پورا کر دکھایا۔

کل جب سے یہ لوگ مقدمہ جیت کر گھر آئے اسیوقت سے انھین روپیہ ادا کرنے کی دھن سوار تھی - پنڈت جی کو وہ سچ مچ دیوتا سمجھنے لگے تھے - اور یہ انکی سخت تاکید تھی کسی نے غلہ بیچا کسی نے گہنے گرو رکھے کسی نے بیل فروخت کر ڈالے - یہ سب کچھ سہا - مگر پنڈت جی کی بات نہ ٹالی -

کنور صاحب کے دل مین پنڈت جی کی طرف سے جو بدگمانی اور کدورت تھی وہ بہت کچھ مٹ گئی - مگر انھون نے ہمیشہ سختی اور ظلم سے کام لینا سیکھا تھا - انہین اصولون کے وہ قائل تھے - انصاف اور سچائی اور ملائمت کی انہون نے کبھی آزمائش نہین کی - اور اینر انکا بالکل اعتقاد نہ تھا - مگر آج انہین صاف نظر آرہا تھا کہ سچائی اور نرمی مین بڑی طاقت ہے یہ آسامی میرے قابو سے نکل گئے تھے - مین انکا کیا بگاڑ سکتا تھا - یہ خوف کا کرشمہ نہین - حق اور انصاف کی تاثیر ہے - ضرور وہ پنڈت سچا اور دھرماتما آدمی تھا - اسمین مصلحت اندیشی ہو، موقع شناسی ہو، مگر اسمین کوئی شک نہین کہ وہ سچا اور بے لوث تھا -

(٥)

جب تک ہمکو کسی چیز کی ضرورت نہو اسکی ہماری نگاہون مین قدر نہین ہوتی - ہری دوب بھی کسی وقت اشرفیون کے تول بک جاتی ہے - کنور صاحب کا کام ایک بے لوث آدمی کے بغیر رکا نہین رہ سکتا تھا - اسلیئے پنڈت جی کے اس مردانہ فعل کی قدر ایک شاعر کے فکر سخن سے زیادہ ہوئی - چاندا پارا کے آدمیون نے تو اسکے بعد اپنے زمیندار کو کسی قسم کی تکلیف نہین دی - ہان ریاست کے دوسرے حلقون مین وہی سابق دستور رگڑ جھگڑ مچی رہتی تھی - روزانہ عدالت، روزانہ فوجداری، روزانہ ڈانٹ پھٹکار، مگر یہ سب زمینداری کے سنگار ہین - انکے بغیر زمینداری کیا! آخر وہ دن بھر بیٹھے بیٹھے کیا مکھیان مارے - کنور صاحب اسی طرح شان قدیم کے ساتھ اپنا انتظام سنبھالتے جاتے تھے -

کئی سال گذر گئے - کنور صاحب کا کاروبار روز بروز چمکتا گیا - اور باوجود اسکے کہ پانچ

لڑکیون کی شادیان بڑے حوصلے اور دھوم سے کین، انکے عروج مین زوال نہ آیا۔ ہان قوی البتہ کچھ کچھ ڈھیلے ہونے لگے۔ افسوس یہ تھا کہ ابتک اس مال و زر اور جاہ و حشم کا کوئی وارث نہین تھا۔ بھانجے، بھتیجے اور نواسے ریاست پر دانت لگائے ہوئے تھے۔

کنور صاحب کا دل ان دنیاوی جھگڑون سے پھرتا جاتا تھا۔ آخر یہ رونا دھونا کسکے لیے! اب انکے طرز زندگی مین ایک انقلاب ہوا۔ کبھی کبھی سادھو سنت ان کے دروازہ پر دھونی رمائے نظر آتے وہ خود اب بھگوت گیتا اور وشنو پران زیادہ پڑھتے۔ بیترنی گھاٹ اترنے کے سامان ہونے لگے۔ لیکن پرماتما کی مرضی! سادھو سنتون کی دعا کی بدولت، خواہ دھرم اور پن کے اثر سے، بڑھاپے مین انکے لڑکا پیدا ہوا۔ سوکھا پیڑ ہرا ہوا۔ زندگی کی امیدین بر آئین۔ خوب دل کھولکر مال و زر لٹایا۔

مگر جس طرح بانس کی جڑ مین نکلی ہوئی کوپل جون جون بڑھتی ہے، بانس سوکھتا ہے۔ اسی طرح کنور صاحب بھی جسمانی عارضون مین مبتلا ہوتے گئے۔ ہمیشہ ویدون اور ڈاکٹرون کا تانتا لگا رہتا۔ مگر معلوم ہوتا تھا کہ دواؤن کا الٹا اثر ہو رہا ہے۔ قابض مسہل اور مسہل قابض کا کام کرتی۔ جون تون کرکے انھون نے دو ڈھائی سال کاٹے۔ یہانتک کہ طاقتون نے جواب دے دیا۔ زندگی کی آس ٹوٹ گئی معلوم ہو گیا کہ میرے دن قریب ہین۔

مگر یہ ساری جائداد اور سارا کاروبار کسپر چھوڑ جاؤن۔ افسوس! ارمان دل ہی مین رہگیا۔ بچے کا بیاہ بھی نہ دیکھ سکا۔ اسکی تتلی باتین سن لینے کی بھی نوبت نہ آئی۔ اس جگر کے ٹکڑے کو کسے سونپون جو اسے اپنا بیٹا سمجھے۔ جو پودے کو سینچے۔ پالے اور اسکی پونجی اسے سونپ دے۔ لڑکے کی مان! عورت ذات۔ نہ کچھ جانے نہ سمجھے۔ اس سے کاروبار سنبھلنا مشکل۔ مختار عام اور گماشتے اور کارندے دو جنون ہین، مگر سب کے سب دغاباز، ایمان فروش، خود غرض، ایک بھی ایسا آدمی نہین جسپر میری طبیعت جمے۔ کورٹ آف وارڈس کے سپرد کر دون تو وہان بھی وہی سب آفتین۔ کوئی ادھر دبائے گا کوئی ادھر کھینچے گا۔ یتیم بچے کا کون پرسان

ہوگا - ہائے! میں نے آدمی کی قدر نہ کی! مجھے آدمی نہیں ہیرا مل گیا تھا۔ میں نے اسے ٹھیکرا سمجھا۔ کیسا سچا! کیسا دلیر! اپنے ایمان پر قائم رہنے والا آدمی تھا - وہ اگر مجھے مل جائے تو میرے سب بگڑے کام بن جائیں - اس بدنصیب لڑکے کے دن پھر جائیں۔ میں اسکے پیروں پر سر رکھ دونگا - اسے مناؤنگا اور اپنے لال کو اسکے قدموں پر ڈال دونگا۔ میں اپنے جنم کی کمائی اسکے سپرد کر دونگا - اسکے دل میں درد ہے - وہ شخص ہے - وہ ایک یتیم پر ترس کھائیگا آہ کاش مجھے اسکے درشن مل جاتے۔ میں اس دیوتا کے پیر دھو دھو کر پیتا۔ پر چڑھاتا۔ آنسوؤں سے اسکے پیر دھوتا۔ اسکی منت کرتا۔ اس سے دیا کا دان مانگتا۔ وہی اگر ہاتھ لگائے تو یہ ڈوبتی ہوئی ڈونگی پار لگ سکتی ہے۔

(۸)

ٹھاکر صاحب کی حالت روز بروز خراب ہوتی گئی - وقت آخر آپہونچا - انہیں پنڈت درگا ناتھ کی رٹ لگی ہوئی تھی۔ بچے کی صورت دیکھتے اور کلیجہ سے ایک آہ نکل جاتی۔ بار بار پچھتاتے اور کف افسوس ملتے - ہائے! اس دیوتا کو کہاں پاؤں۔ جو شخص اسوقت ان کے درشن کرا دے آدھی جائداد اس کے نچھاور کر دوں۔ پیارے پنڈت! ہمی خطا معاف کرو میں اندھا تھا۔ نادان تھا۔ اب میری ہاتھ پکڑو۔ مجھے ڈوبنے سے بچاؤ۔ اس معصوم بچے پر ترس کھاؤ۔

عزیز و اقارب کا جمگھٹ سامنے کھڑا تھا۔ کنور صاحب نے ان کے چہروں کی طرف نیم وا آنکھوں سے دیکھا۔ سچی غمخواری کہیں نظر نہ آئی۔ ہر ایک چہرہ پر خود غرضی جھلک رہی تھی۔ عالم یاس میں انہوں نے آنکھیں موند لیں۔

ان کی بیوی زار زار رو رہی تھی۔ آخر اس سے ضبط نہ ہو سکا۔ اسنے روتے ہوئے قریب جا کر کہا - پتی جی! ہمکو اور اس اناتھ بالک کو کسپر چھوڑے جاتے ہو!

کنور صاحب نے آہستہ سے کہا - پنڈت درگا ناتھ پر۔ وہ جلد آئینگے میرا دل کہتا ہے۔ ان کو کہہ دینا کہ میں نے اپنا سب کچھ اسکے بھینٹ کر دیا - یہ میری آخری وصیت ہے۔

شعلۂ حسن

(۱)

ڈگری لینے کے بعد مین قریب قریب روز پبلک لائبریری جایا کرتا تھا۔ اخبارون اور کتابون کا مطالعہ کرنے کے لئے نہین۔ کتابون کو تو مینے چھونے کی قسم کھالی تھی۔ جسدن گزٹ مین اپنا نام دیکھا اُسی دن بل اور کینٹ کے پرزے پرزے کر دیئے۔ مین صرف اسٹیٹسمین اور پاینیر کے "وانٹڈ" کالمون کو دیکھا کرتا تھا۔ فکر معاش دامنگیر تھی۔ میرے دادا نے بغاوت کے زمانے مین کسی انگریز افسر کی جان بچائی ہوتی، یا قبضہ مین کثیر موروثی جائداد ہوتی تو کسی معزز عہدے کے لیئے کوشش کرتا۔ اب میرے لئے بجز زندگی کے دن کاٹنے کے اور کیا تھا۔ معلوم نہین "لیڈر" مین ایسے اشتہارات کیون نہین ہوتے۔ اخبار اشتہارون کی آمدنی پر چلتے ہین۔ یہان کی ضرورتین اسکول ماسٹرون تک ختم ہو جاتی ہین۔ کیا ہمارے فیشنبل ہندوستانیون کو گھوڑون اور موٹرون اور کتون اور زیورون کے خرید و فروخت کی ضرورت نہین ہے؟ غالباً یہ لوگ اپنی ضرورتین انگریزی اخبارون سے پوری کرتے ہونگے۔ خیر مہینون اسی طرح دوڑتے گذر گئے اپنی مزاج کے موافق کوئی صورت نظر نہ آتی تھی۔ مجھے اکثر اپنے بی۔ اے ہونے پر غصہ آتا تھا۔ کاش ڈرائیور یا فائرمین خانساماں، یا باورچی ہوتا تو مجھے اتنا انتظار نہ کرنا پڑتا۔

آخر ایک روز مجھے اپنی مرضی کے موافق ایک "مانگ" نظر آئی۔ کسی رئیس کو ایک پرائیوٹ سکریٹری کی ضرورت تھی۔ جو اعلیٰ درجہ کا تعلیم یافتہ، رنگین طبع، خوش مذاق، اور وجیہہ ہو۔ تنخواہ ایک ہزار۔ درخواست کے ساتھ فوٹو بھی طلب کیا گیا تھا۔ مین اُچھل پڑا۔

کاش تقدیر یاوری کرتی اور یہ منصب میرے ہاتھ آتا تو زندگی چین سے کٹ جاتی۔ اُسی دن درخواست مع فوٹو روانہ کردی۔ مگر اپنے احباب سے اسکا ذکر نہ کیا کہ کہین خفت نہ اُٹھانی پڑے۔ دل ہر دم اسی خیال مین ڈوبا رہتا۔ بیٹھے بیٹھے شیخ چلّی کے منصوبے باندھا کرتا۔ پھر ہوش مین آکر اپنے تئین سمجھاتا کہ مجھ مین ایسے جلیل منصب کے لئے کونسی قابلیت ہے۔ مین ابھی کالج کا نکلا ہوا کتابی اصولی انسان ہون۔ دنیا سے بے خبر اس جگہ کے لئے ایک سے ایک عالم، فاضل، منہ پھیلائے بیٹھے ہون گے۔ میرے لئے کوئی اُمید نہین۔ مین خوش رو سہی، سجیلا سہی۔ مگر ایسے عہدون کے لئے محض خوشرد ہونا کافی نہین ہوسکتا۔ اسکے لکھنے کا منشا صرف اتنا ہوگا کہ سائل کو صرف کمزور نہونا چاہیئے اور یہی معقول بھی ہے۔ بلکہ بہت سجیلا پن تو صاحب گرامی کے لئے کچھ خلاف شان ہے۔ مختصر سا تو ندیرا ہوا بدن، پھولے ہوئے رخسارے اور تحکمانہ انداز تقریر یہ حکومت اور رعب کے لوازمات ہین۔ اور مجھ مین ان مین سے ایک بھی میسر نہین۔ میرے لئے کیا اُمید ہوسکتی ہے! اسی اُمید و بیم کی حالت مین ایک ہفتہ گذر گیا۔ اور اب مین بالکل مایوس ہوگیا۔ سوچا مین بھی کیسا احمق ہون کہ ایسی بے سر و پیر کی بات کے پیچھے پھول اُٹھا۔ اسی کو لونڈا پن کہتے ہین جہان تک میرا خیال ہے اس اشتہار کی کوئی اصلیت نہین۔ کسی ستم ظریف نے آجکل کے تعلیم یافتہ آدمیون کی حماقت کا امتحان لینے کے لیے یہ شگوفہ چھوڑا ہے۔ مین بھی کتنا کوتاہ اندیش ہون کہ یہانتک بھی نگاہ نہ پہونچی!۔

آٹھوین دن علی الصباح تار کے چپراسی نے مجھے آواز دی۔ میرے کلیجہ مین گدگدی سی ہونے لگی۔ لپکا ہوا آیا۔ تار کھولکر دیکھا۔ لکھا تھا "منظور ہے۔ فوراً آؤ۔ عائش گذ صد" مگر اس تار کے ملنے سے مجھے وہ خوشی نہوئی جسکی اُمید تھی۔ مین آپسے اپنے کچھ دیر تک سوچتا رہا اعتبار نہ آتا تھا ضرور کسی ستم ظریف کی شرارت ہے۔ مگر خیر کوئی مضائقہ نہین مجھے بھی اسکا دندان شکن جواب دینا چاہیئے۔ کیون نہ تار دیدون ایک ماہ کی تنخواہ پیشگی بھیجدو۔ آپ

ساری کیفیت کھل جائیگی۔ لیکن پھر سوچا کہین فی الواقع طالع خفتہ بیدار ہوا ہو تو اس قسم کی حماقت سے بنا بنایا کھیل بگڑ جاویگا۔ چلو دلگی سہی۔ زندگی مین یہ واقعہ بھی یاد رہیگا۔ اس طلسم کو کھول ہی ڈالون۔ فوراً تار سے اپنے روانگی کی تاریخ کی اطلاع دی۔ اور سیدھا ریلوے اسٹیشن پہونچا۔ دریافت سے معلوم ہوا کہ یہ مقام دکن کی طرف ہے۔ ٹائم ٹیبل مین اسکا ذکر مفصل لکھا تھا۔ مقام بہت خوش منظر سیر کے قابل ہے۔ آب و ہوا بہت اچھی نہین۔ مگر مضبوط جسم کے نوجوانون پر اسکا اثر دیر مین نظر آتا ہے۔ وادیان تاریک ہین۔ اُن مین گھسنا خطرناک ہے کیونکہ زہریلے جانور بہت چھپے رہتے ہین۔ غرض حالات کافی طور پر اشتیاق انگیز تھے۔ آخر مختصر سامان سفر درست کیا۔ اور خدا کا نام لیکر چل کھڑا ہوا۔ اپنے عزیزون اور دوستون سے اسکا متعلق ذکر نہ کیا۔ کیونکہ مجھے یقین تھا کہ دو چار دن مین اپنا سا منھ لیے لوٹونگا۔ اسوقت شماتت ہمسایہ کا خوف نہ ہوگا۔

(۳)

گاڑی پر بیٹھا تو شام ہو گئی تھی۔ کچھ دیر تک تو سگار اور اخبار سے دل بہلاتا رہا۔ پھر معلوم نہین کب نیند آگئی۔ آنکھ کھلی اور کھڑکی سے باہر کی طرف جھانکا تو صبح کا دلفریب نظارہ دکھائی دیا۔ دونون طرف سبزہ سے ڈھکے ہوئے کہسار تھے۔ نیچے چرتی ہوئی اُجلی اُجلی گائین اور بھیڑین آفتاب کی سنہری شعاعون مین رنگی ہوئی ایسی معلوم ہوتی تھین جیسے ندی مین چمکتے ہوئے تارے۔ جی چاہتا تھا کاش میرا آشیانہ بھی انھین پہاڑیون مین ہوتا! جنگل کے پھل کھاتا۔ جھرنون کا خوشگوار پانی پیتا۔ اور قدرت کے گیت گاتا۔ دفعتہً منظر بدلا۔ ایک وسیع جھیل پہاڑون کے دامن مین نظر آئی۔ کہین مرغابیان تیرتی تھین۔ کہین چھوٹی چھوٹی ڈونگیان ارادہ کمزور کی طرح ڈگمگاتی ہوئی چلی جاتی تھین۔ پھر منظر بدلا۔ پہاڑیون کی گود مین ایک آباد گلزار گاؤن نظر آیا۔ جھاڑیون اور درختون سے ڈھکا ہوا۔ جب طائرون نے درختون پر عافیت کے آشیانے بنائے ہون۔ کہین بچے کھیلتے تھے کہین

گار کے بچھڑے کلیلیں کرتے تھے - پھر ایک گھنا جنگل ملا - غول کے غول ہرن نظر آئے جو گاڑی کی آواز سنتے ہی چوکڑیاں بھرتے دور بھاگ گئے تھے - یہ سب مناظر خواب کی تصویروں کی طرح نظر آتے تھے - اور آنکھوں سے چھپ جاتے تھے - آہ! میں ایک ناقابل بیان شاعرانہ دلاویزی تھی جو دل میں حسرت اور شوق کا جادو پھونکتی تھی -

آخر عیش گڑھ قریب آیا - میں نے بستر سنبھالا - ذرا دیر میں اسٹیشن کا سگنل دکھائی دیا میرا دل زور زور سے دھڑکنے لگا - گاڑی رکی - میں نے ادھر ادھر قلیوں کی تلاش میں نظر دوڑائی - کہ دو وردی پوش آدمیوں نے آکر مجھ سے پوچھا آپ ہی . . . . . سے تشریف لا رہے ہیں؟ چلئے موٹر حاضر ہے میری باچھیں کھل گئیں - تمکنانہ انداز سے موٹر پر جا بیٹھا دل میں نادم تھا کہ اسباب اور لباس اس سے بہتر کیوں نہ ہوئے - اگر جانتا کہ ستارہ یوں چمکا ہے تو ہرگز اس پریشان حالی سے نہ آتا - موٹر چلا - دو رویہ مولسریوں کے سایہ دار درخت تھے - سڑک پر سرخ بجری بچھی ہوئی تھی - دونوں طرف سبزہ زار تھا - سڑک کمان کی طرح خم کھاتی اس میدان سے نکل گئی تھی - دفعتہً سامنے ایک پرفضا ساگر دکھائی دیا - اس ساگر کے اس پار پہاڑیوں پر ایک عالیشان محل تھا جس کا شکوہ درخشان پرستان کی یاد دلاتا تھا - محل عروس رفعت کی طرح غرور سے سر اٹھائے ہوئے، جھیل گوشۂ قناعت کی طرح متین اور پرسکون، سارا منظر نغمہ اور حسن اور شعر کا مسکن معلوم ہوتا تھا -

ہم صدر دروازہ پر پہنچے - کئی خدمتگاروں نے آکر ہمارا خیر مقدم کیا - ان کے ساتھ ایک منشی جی آنکھوں میں سرمہ لگائے کاکلیں سنوارے نظر آئے جو مجھ سے بڑے تپاک سے ملے - میرے لئے ایک کمرہ پہلے ہی سے آراستہ تھا - منشی جی نے مجھے اس کمرہ کے دروازہ پر پہونچا دیا اور بولے - سرکار نے فرمایا ہے اسوقت آپ آرام فرمائیں تکلیف کرنے کی کوئی ضرورت نہیں، شام کو تشریف لائیگا -

مجھے ابتک خبر نہ تھی کہ یہ سرکار کون ہیں - نہ کسی سے پوچھنے کی جرأت ہوئی - اپنے

آقا کے نام تک سے بیخبر رہنے کا الزام نہین لینا چاہتا تھا - مگر چاہے کوئی ہو - اسمین کوئی شک نہین کہ وہ شخص شرافت کا پتلا ہے - مجھے اتنی خاطر مدارات کی ہرگز امید نہ تھی - اپنے کمرہ مین آرام کرسی پر لیٹا تو مسرت سے میری آنکھین لبریز ہوگئین - سامنے بچھا تھا - نیچے جھیل تھی، سانپ کے کینچل کی طرح سیاہ و سفید، اور مین جسے تقدیر نے ہمیشہ اپنا سوتیلا لڑکا سمجھا تھا اسوقت زندگی مین پہلی بار خالص مسرت کا لطف اٹھا رہا تھا - واے بے خبری !!

سہ پہر کو سرمہ باز منشی جی نے آکر اطلاع دی کہ سرکار نے یاد فرمایا ہے - مین نے اس اثنا مین خط صاف کرلئے تھے - پھر اپنا بہترین سوٹ پہنا اور سرکار کی خدمت مین چلا - اسوقت دل مین ایک قسم کی کمزوری سی محسوس ہوتی تھی، لیکن مین اپنی قابلیت کا بہترین اظہار کرنے کے لئے تیار تھا - ہم کئی برآمدون سے ہوتے ہوئے آخر سرکار کے دروازے پر پہونچے - ایک ریشمی پردہ پڑا ہوا تھا - منشی جی نے پردہ اٹھاکر مجھے اشارے سے بلایا - مین اندر داخل ہوا - اور حیرت سے ششدر رہ گیا - میرے سامنے حسن کا ایک شعلہ دہک رہا تھا -

(٣)

پھول مین بھی حسن ہے، شعلہ مین بھی حسن ہے - پھول مین طراوت اور تازگی ہے، شعلہ مین سوز اور تپش - پھول پر بھونرا اڑ اڑکر اسکا رس لیتا ہے - شعلہ پر پروانہ جلکر راکھ ہوجاتا ہے - میرے سامنے اسوقت زرنگار مسند پر جو نازنین شان سے بیٹھی ہوئی تھی - وہ فی الواقع حسن کا شعلہ تھی - اسکی مخمور آنکھون سے جانسوز حرارت کی شعاعین نکل رہی تھین - پھول کی پنکھڑیان ہوسکتی ہین - شعلہ کو بکھیرنا ممکن نہین - اسکے ایک ایک عضو کی تعریف کرنا شعلہ کو کاٹنا ہے - اسکا سراپا ایک شعلہ تھا - وہی دمک، وہی حرارت، وہی سرخی، کوئی سطوت حسن کی اس سے بہتر تصویر خیال مین نہین لاسکتا -

اُسنے میری طرف مربیانہ انداز سے دیکھکر کہا۔ آپ کو دوران سفر مین کوئی تکلیف تو نہین ہوئی ؟

مین نے اپنے تئین سنبھالکر جواب دیا۔ جی نہین کوئی خاص تکلیف نہین ہوئی، نازنین ۔ یہ مقام پسند آیا ؟"

مینے دلیرانہ سرگرمی سے جواب دیا۔ اس سے زیادہ دلکش مقام روے زمین پر نہوگا۔ ہان گائڈ بک سے معلوم ہوا کہ یہان کی آب وہوا بظاہر جتنی خوشگوار ہے، فی الواقع ایسی نہین۔ کچھ خطرناک جانورون کی بھی شکایت تھی "

نازنین کا چہرہ زرد ہوگیا۔ مجھے ایسا معلوم ہوا کہ اُسکے جسم مین رعشہ آگیا۔ مگر دم زدن مین اُسکے چہرہ پر پھر اُسی پرغرور متانت کا جلوہ نظر آیا " بولی " یہ مقام اپنی خوبیون کے باعث اکثر حاسدون کی آنکھون مین کھٹکتا ہے ۔ ہنر کے حاسد بہت ہوتے ہین۔ اور بالفرض آب وہوا مین کچھ نقص ہو بھی تو ماشاءاللہ ابھی آپ کا عالم شباب ہے، آپ کو اسکا کیا غم ہوسکتا ہے ۔ رہے زہریلے جانور، وہ آپ کے نظرون کے سامنے موجود ہین ۔ اگر مور اور ہرن اور ہنس زہریلے جانور ہین تو بیشک یہان زہریلے جانورون کی کثرت ہے "

یہ کہکر اُسنے میری طرف مستانہ نگاہون سے دیکھا۔

مینے جوش کے ساتھ جواب دیا، ان گائڈ بکون پر اعتبار کرنا سراسر جہل اور حماقت ہے۔

اس جملے سے نازنین کے دلپر کوئی خاص اثر ہوا۔ بولی "آپ صاف گو معلوم ہوتے ہین اور یہ انسان مین ایک جوہر ہے مین آپ کی تصویر دیکھتے ہی اتنا سمجھ گئی تھی۔ آپکو سنکر تعجب ہوگا کہ میرے پاس ایک لاکھ سے زائد درخواستین آئی تھین ۔ کتنے ہی ایم اے تھے۔ کوئی ڈی ۔ ایس سی تھا۔ کوئی انگلستان سے پی ۔ ایچ ڈی کی ڈگری پاچکا تھا۔ گویا یہان

مجھے کسی ماضی یا علمی مسئلہ کی تحقیقات مد نظر تھی - کئی بزرگون نے اپنی کبرسنی کی بنا پر درخواست کی تھی جنکی دوا دارو کے لیے مجھے حکیمون کی ضرورت ہوتی - سب سے زیادہ درخواستین انھین لوگون کی تھین جو کتاب کے کیڑے ہوتے ہین - اور آداب و اخلاق کے سڑا لایا کرتے ہین - اُنکی دانست مین اس ملک مین سب سے زیادہ ضرورت عابدون اور مولویون کی ہے - حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ انھین حضرات نے اس ملک کا ستیاناس کیا ہے - اخلاقی تعلیم کا اب زمانہ نہین رہا - روایات قدیم قصہ کہانیون کے لئے مخصوص ہین - یہ زمانہ مادیت اور مادی تعلیم کا ہے - جبکہ لوگ سامان عیش پر اپنے تئین قربان کر دیتے ہین - مینے وہ سب درخواستین ردی کی ٹوکری مین ڈالدین - سچ کہتی ہون سیکڑون درخواستین انھین اخلاقی رفارمرون کی تھین وہ اپنی تصانیف کو سند کے طور پر پیش کرتے تھے صورتین ایک سے ایک قابل دید انھین دیکھکر گھنٹون ہنسئے مین نے انھین ایک البم مین لگا لیا ہے - اور فرصت کے وقت جب ہنسنے کا جی چاہتا ہے تو اُنھین دیکھا کرتی ہون - وہ علم او رکمال جو چہرہ کو بگاڑ دے اور انسان سے بن مانس بنا دے مرض ہے - آپکی تصویر دیکھتے ہی میری نظر انتخاب نے فیصلہ کر لیا اور شکر ہے کہ میری نگاہ نے غلطی نہ کی -

اُسنے میری طرف چشمہاے پر فسون سے دیکھا - اُسکی آواز مین نغمہ کی تاثیر تھی - نورانی اور دلاویز - اور اسکے خیالات نئی روشنی کے خیالات تھے حقیقی لباس مین برہنہ اور ہولناک - مگر اس آخری جملہ نے جو مجھ سے تعلق رکھتا تھا - مجھے متوالا کر دیا - میرے رگون مین رعشہ سا آگیا - معلوم نہین کیون معنوی خوبیون کے مقابلہ مین ظاہری اوصاف کی تعریف سے ہم زیادہ محظوظ ہوتے ہین - اور ایک حسینہ کی زبان پر تو وہ چلتا ہوا جادو ہے بولا - حتی الامکان جناب کو مجھ سے شکایت کا کوئی موقعہ نہ ملیگا "

حسینہ نے مسرت انداز سے میری طرف دیکھکر فرمایا - مجھے اسکا یقین ہے - میری قیافہ شناسی نے اتنا پہلے ہی بتلا دیا تھا - اب کچھ معاملہ کی گفتگو ہوجانی چاہیئے -

یہان آپ میرے مہمان رہین گے۔ اِس جھونپڑے کو خانۂ بے تکلّف سمجھئے۔ میرے تعلقات نہایت وسیع ہین۔ دنیا کے ہر ایک گوشہ مین میرے کرم فرما موجود ہین۔ اور مجھے اکثر یاد کیا کرتے ہین۔ ان احباب کو مین آپ کے سپرد کرتی ہون۔ ان مین آپ مختلف مزاج اور خواص کے انسان پائین گے۔ کوئی مجھ سے مدد مانگتا ہے۔ کوئی میری شکایت کرتا ہے، کوئی مجھے سراہتا ہے۔ کوئی مجھے کوستا ہے۔ اب سب حضرات کو شافی جواب دینا آپ کا کام ہوگا۔ دیکھئے یہ آج کے خطوط کا انبار ہے۔ ایک صاحب فرماتے ہین۔ بہت عرصہ ہوا آپ کی تحریک سے اپنے بڑے بھائی کے انتقال کے بعد اُنکی جائداد پر قبضہ کر لیا تھا اب انکا لڑکا بالغ ہوگیا ہے۔ اور مجھے اپنی جائداد کی واپسی کے لئے مجبور کرتا ہے۔ اتنے عرصہ تک مین اس جائداد پر قابض تھا۔ اُس سے دست بردار ہونا شاق گذرتا ہے۔ اب آپ کے مشورہ کا منتظر ہون۔ انھین جواب دیجئے کہ فی الحال لطائف الحیل سے کام لو۔ لڑکے سے ہمدردی ظاہر کرو۔ اُسے ملا لو۔ تب اُسے غافل پاکر اس سے ایک سادے اسٹامپ پر دستخط کرالو۔ بعد ازان پٹواری اور دیگر عمّال کی مدد سے اس اسٹامپ پر جائداد کا بیعنامہ لکھا لو۔ اگر ایک خرچ کرکے دو ملتے ہون تو تامل نکرو۔"

مجھے اس جواب پر سخت حیرت ہوئی۔ اخلاقی احساس کو چوٹ سی لگی۔ اُسکی طرف مشتبہ نگاہون سے دیکھکر بولا "یہ تو انصاف سے بعید معلوم ہوتا ہے"

نازنین کھلکھلا کر ہنس پڑی۔ اور بولی "انصاف! یہ کتابی عالمون کا ایجاد کیا ہوا گورکھ دھندا ہے۔ دنیا مین اسکا وجود نہین۔ باپ قرض کھا کر مر جاتا ہے۔ لڑکا کوڑی کوڑی بھرے۔ علماء کے نزدیک یہ انصاف ہے! مین اسے ظلم کہتی ہون۔ اس انصاف کے پردے مین گانٹھ کے پورے مہاجن کی دست درازی صاف نظر آتی ہے۔ ایک ڈاکو کسی سرکاری عمال کے گھر مین ڈاکہ مارتا ہے اور گرفتار ہو کر جیلخانے جاتا ہے۔ علما اسے انصاف کہتے ہین۔ مگر یہان بھی وہی دولت اور حکومت کی زبردستی ہے۔ علمے صاحب اپنے کہتے ہی

گھرون مین ڈاکہ مارا کتنون ہی کا گلا دبایا - اور اس طرح روپیہ کا انبار جمع کیا - کسی کو انکے خلاف زبان کھولنے کی جرأت نہوئی - ڈاکو نے جب انکا گلا دبایا تو وہ اپنی دولت اور اثر کے زور سے غالب آگئے - مین اسے انصاف نہین کہتی - دنیا مین دولت، ہوشیاری، چالاکی، فریب اور طاقت کا راج ہے - یہی کارزارہستی ہے - یہان ہر ایک تدبیر جس سے ہمارا کام نکلے، جس سے ہم اپنے دشمنون پر ظفریاب ہون جایز اور مباح ہے - دھرم یدھ کے دن اب نہین رہے - یہ دیکھئے ایک دوسرے صاحب کا شکایت نامہ ہے - آپ فرماتے ہین "مینے اوّل درجہ مین ایم اے پاس کیا - اوّل درجہ مین قانون کی سند حاصل کی پر اب کوئی میری بات نہین پوچھتا - ابتک یہ امید تھی کہ قابلیت ضرور اپنا اثر دکھائیگی - مگر تین سال کے تجربہ سے معلوم ہوا کہ یہ محض کتابی قانون ہے - اس عرصہ مین بزرگون کی کمائی بھی کھا کر ختم ہو گئی - اب مایوس ہوکر آپ کے آستانہ پر فرق نیاز جھکاتا ہون - مجھ بدنصیب کے حال زار پر رحم کیجئے اور میرا بیڑا پار لگائیے " انھین جواب دیجئے - کہ جعلی دستاویزین بنائیے - اور فرضی موکلون کی طرف سے دعوی دائر کرکے ڈگری کرالیجئے یقیناً چند ماہ مین آپ کی نحوست دور ہو جائیگی - یہ دیکھئے ایک اور صاحب فرماتے ہین "لڑکی سیانی ہو گئی ہے - جہان جاتا ہون لوگ جہیز کی گٹھری مانگتے ہین - یہان نان شبینہ کا ٹھکانا نہین - کسی طرح وضعداری نبھاتا ہون - بدنامی ہو رہی ہے - جیسا ارشاد ہو تعمیل کرون " انھین لکھئے کسی ہشتاد سالہ صاحب جائداد بوڑھے سے شادی کردیجئے - وہ جہیز لینے کے بجائے دینے پر تیار ہو جائیگا " میرے خیال مین اب آپ سمجھ گئے ہون گے کہ ایسے سائلون کو کس قسم کا جواب دینے کی ضرورت ہے - جواب مختصر ہون - بہت زیادہ توجہ اور تشریح کی ضرورت نہین - ابھی چند روز یہ کام آپ کو مشکل معلوم ہوگا - اکثر کامون مین آپ کو غور و خوض سے کام لینا پڑے گا - مگر آپ طباع آدمی ہین - بہت جلد مہارت ہو جائیگی - آپ کی ذات سے ہزارون بندگان خدا کا بھلا ہوگا اور وہ آپکا جس گائینگے -

(۴)

مجھے یہان رہتے ایک ماہ کے قریب ہوگیا۔ مگر ابتک مجھے یہ نہ معلوم ہوا کہ مین کسکا نمکخوار ہون۔ وہان دولت کی کمی نہ تھی تکلفات کے سامان وافر، کچھ سمجھ مین نہ آتا تھا کہ یہ دولت کہان سے آتی ہے۔ ایکبار سرسری بازمنشی جی سے مینے اشارۃً اسکا ذکر چھیڑا تھا۔ انھون نے کہا انکے ذرائع غیر محدود ہین۔ دُنیا کے ہرایک گوشہ مین انکے مرید موجود ہین۔ وہ انھین نذرین دیا کرتے ہین اس سے مینے یہ اخذ کیا تھا کہ شاید یہان پیری مریدی کا کوئی سلسلہ ہے۔ مگر یہ نازنین کون ہے۔ آیا کوئی خوش نصیب پروانہ ہے جو اس شعلہ پر نثار ہوتا ہے۔ یہ راز سربستہ ہی رہا مجھے قریب قریب روز اُس سے نیاز حاصل ہوتا تھا۔ آہ! اُسکے روبرو بیٹھکر مین بیخود ہو جاتا تھا۔ اُسکی نگاہون مین زبردست قوت جاذبہ تھی جو میری روح کو رگون سے کھینچ لیا کرتی تھی۔ میری یارا گفتار سلب ہو جاتی تھی۔ بس چھپی ہوئی، دزدیدہ آنکھون سے تاکا کرتا۔ وہ کبھی مجھ سے غیر ملتفت نہ تھی۔ پر نہ معلوم کیون مجھے اُسکے مہر انگیز نگاہون اور پرشوق کنایون مین محبت کی جھلک نظر نہ آتی تھی۔ نگاہین تیر کی طرح صرف چھیدتی تھین کنائے صرف بیتاب کرتے تھے شکاری کو اپنا شکار رکھلانے مین جو لطف آتا ہے وہی بیرحمانہ مسرت اس نازنین کو میری وارفتگی سے حاصل ہوتی تھی۔ وہ شعلہ تھی اور شعلہ دل بیتاب کو کیا تسکین دے سکتا ہے۔ باوجود اسکے مین پروانہ وار اس شعلہ پر نثار ہونا چاہتا تھا۔ مجھے ابتک عشاق کا مرغ بسمل کیطرح تڑپنا محض شاعرانہ تخیل معلوم ہوتا تھا پر اسوقت میری بعینہٖ یہی حالت تھی۔ جی چاہتا تھا کہ کسی طرح ان قدمون پر سر رکھکر جان دیدون۔ رقعت حسن نے دل سے شوق اور تمنا کو مٹا کر صرف جانبازی کی حسرت رکھ چھوڑی تھی۔ کبھی کبھی جب وہ اپنے تیز رو موٹر لوٹ پر بیٹھکر ساگر کی سیر کرتی تو ایسا معلوم ہوتا تھا گویا شفق مین چاند تیر رہا ہے۔

اپنے کار منصبی مین مجھے اب کافی مہارت ہوگئی تھی۔ روز خطوط کا ایک دفتر میرے

پاس آتا معلوم نہین کس ڈاک سے۔ اُنپر مہر کا کوئی نشان نہ ہوتا تھا۔ مجھے اِن سائلون مین
اکثر وہ اسماء گرامی نظر آئے جنکی ابتک میرے دل مین سچی عزت تھی۔ کتنے ہی ایسے حضرات
تھے جنکی مین پرستش کرتا تھا۔ بڑے بڑے نامور پروفیسر اور مصنف، بڑے بڑے صاحب
ثروت رؤسا حتّیٰ کہ کتنے ہی ہادیان مذہب روز اپنی مصیبت کی داستان سناتے تھے۔
اُنکی حالتین واقعی قابل رحم نہین۔ مجھے رفتہ رفتہ یہ معلوم ہوتا جاتا تھا کہ ابتدا آفرینش سے
باوجود لاکھون صدیان گذر جانے کے انسان ویسا ہی وحشی، ویسا ہی غضبناک جذبات
کا غلام، ویسا ہی خونخوار ویسا ہی خودغرض بنا ہوا ہے۔ ہادیان دین اور معلمان اخلاق کی
کوششین مطلق کامیاب نہین ہوئین۔ بلکہ اس زمانہ مین لوگ سادگی کے باعث اس قدر
کینہ پرست، اسقدر بغض پرور، اور اپنی سفاکیون مین اسقدر ہنرمند اور چالاک نہین تھے۔
انہین کتنے ہی خطوط شکریہ کے ہوتے تھے۔ اکثر چٹھیان ان لوگون کی ہوتی تھین جو کسی
سابقہ موقع پر اس نازنین کے مشورہ پر عمل کر چکے تھے۔ اور اب اُسکے نتائج بھگت رہے
تھے۔ وہ زیادہ تر دشنام اور لعن طعن سے پُر ہوتی تھین۔ ایک روز اپنے کالج کے ایک
پروفیسر صاحب کا خط ملا۔ یہ حضرت سب پروفیسرون سے زیادہ نیکنام تھے۔ اب مجھے
معلوم ہوا کہ انکا نامۂ اعمال از سرتاپا سیاہ تھا۔ اِن خطوط کو دیکھکر اُس تاریک متعفن پستی کا
اندازہ ہو سکتا تھا۔ جہان تک انسان جا سکتا ہے۔ ایک ایک خط عبرت کا دفتر تھا۔ اور
وا بر حال اِن! محض اپنے ذاتی فائدے کے لئے مین انسانی اور روحانی فرائض کو طاق
پر رکھکر گمراہیون کا آلۂ تحریک بنا ہوا تھا۔ معلوم نہین مجھ بدنصیب کے ہاتھون کتنے گھر تباہ
ہوئے ہونگے اور کتنی زندگیان خاک مین ملگئی ہونگی۔

ایک روز شام کے وقت نازنین نے مجھے یاد کیا۔ مین اپنی شوریدہ سری کے زعم
مین سمجھتا تھا کہ میرے مردانہ حسن اور بانکپن کا اُسپر ضرور کچھ نہ کچھ اثر ہوتا ہے۔ اپنا بہتر سے بہتر سوٹ
پہنا، بال سنوارے اور نہایت لاپروائی کے ساتھ اسکی خدمت مین حاضر ہو گیا۔ اگر وہ مجھے اپنا

شکار بنا کر کھیلتی تھی تو مین بھی شکار بنکر اُسے کھلانا چاہتا تھا۔ اگر وہ جفا کار تھی تو مین بھی اُسکے تاثیرِ حسن سے بے اثر بننے کی کوشش کرتا تھا۔ اگر مین اُسے بیرحم سمجھتا تھا تو اُسے بھی مجھے بے نیاز سمجھنے مین کوئی امر مانع نہ ہوسکتا تھا۔

اندر داخل ہوتے ہی اُس نے ایک لاویز تبسم سے میرا مصافحہ کیا۔ مگر چہرہ کچھ مضمحل تھا۔ مین بیتاب ہوکر بولا۔ کیا دشمنون کی طبیعت کچھ ناساز ہے ؟

اُسنے حسرتناک انداز سے جواب دیا۔ ! جی ہان قریب ایک مہینہ سے ایک درد لاحق ہوگیا ہے ابتک طبیعت کو سنبھالتی رہی، پر اب مرض زور پکڑتا جاتا ہے۔ اُسکی دوا ایک بڑے بیرحم آدمی کے پاس ہے۔ وہ مجھے روز تڑپتے دیکھتا ہے اور اُسکا دل ذرا بھی نہین پسیجتا ''

مین کنایہ سمجھ گیا۔ بدن کے ایک ایک رگ مین بجلی کی سی حرکت ہوگئی تنفس مین طوفان آگیا۔ بیباک ہوکر بولا۔ ممکن ہے جسے آپ نے بیرحم سمجھ رکھا ہے اُسے آپ سے بھی یہی شکایت ہو، مگر حالات سے مجبور ہوکر حرفِ شکایت زبان پر نہ لاسکتا ہو۔

حسینہ نے کہا۔ تو کوئی ایسا علاج بتلائیے جس سے طرفین کی شکایتین رفع ہوجاین بیتابی درد نے مجھے بیباک بنادیا ہے۔ میرے دل مین زیادہ پرداری کی گنجائش نہین ہے۔ میرا دل وجان آپ کے نذر ہے۔ میرے پاس وہ خزانے ہین جو کبھی خالی نہونگے۔ آپ کو مین شہرت کے معراج پر پہونچادونگی۔ میری آغوش مین آکر دلِ بیقرار کو تسکین دیجیے۔

نازنین کا چہرہ سرخ انگارے کی طرح دہک رہا تھا۔ نشۂ شوق سے سرشار وہ آغوش کھولے ہوئے میری طرف بڑھی۔ مگر جس طرح تنکا شعلے سے دور بھاگتا ہے اُسی طرح مین ایک قدم پیچھے ہٹ گیا۔ اس گرمئ محبت سے مجھے ایک وحشت سی ہوگئی۔ دل پر ایک موہوم دہشت کا غلبہ ہوا۔ مین گھبرا گیا۔ حسینہ ٹھٹک گئی۔ جسطرح شکار کے چھن جانے سے شیرنی برہم ہوجاتی ہے اسی طرح قہر کی نگاہون سے دیکھکر بولی۔ یہ گریز کیون ؟

میری زبان سے اضطراری طور پر نکلا "مین آپکا جان نثار خادم ہون - اس اعزاز کے قابل نہین"

حسینہ نے غضبناک ہوکر کہا - آپ مجھ سے نفرت کرتے ہین ؟

مینے مؤدبانہ انداز سے جواب دیا - اسکا کبھی خواب مین بھی گمان نہ کیجئے - آپ شمع ہین، مین پروانہ ہون - میرے لیئے اتنا ہی اعزاز کافی ہے - آپ ذرہ نوازی فرمانا چاہتی ہین تو مجھے سوچنے کا موقع دیجئے"

حسینہ غصہ مایوس کے ساتھ بیٹھ گئی اور بولی آپ سچ مچ ظالم اور بیرحم ہین - مین آپ کو ایسا نہ سمجھتی تھی"

مینے زیادہ ٹھہرنا مناسب نہ سمجھا - جب اپنے کمرہ مین آکر دل مین اس واقعہ کو تولنے لگا تو مجھے ایسا معلوم ہوا کہ مین آگ کُنڈ مین گرتے گرتے بچا - کوئی غیبی قوت میری معاون ہوگئی - یہ غیبی قوت کیا تھی ؟ میرا اخلاقی احساس جو اتنے عرصہ تک بھول رہنے کے بعد بھی بالکل بےجان، پامال، نہ ہوا تھا - مین اُسکی صورت پر فریفتہ تھا - لیکن اسکی فتنہ بازیون اور ابلہ فریبیون سے نفرت کرتا تھا - جسم اُسکی طرف خود بخود کھنچتا تھا - مگر روح دور بھاگتی تھی -

(۵)

جس کمرہ مین مین مقیم تھا اسکے سامنے جھیل کے دوسری طرف ایک چھوٹا سا شکستہ محل جھونپڑا تھا - اسمین ایک خمیدہ کمر گونوانی صورت پیر مرد رہا کرتے تھے - وہ کبھی کبھی اس محل مین آیا کرتے تھے - نازنین معلوم نہین کیون اُن سے نفرت کرتی تھی - شاید دل مین انسے خائف تھی - مجھے تعجب ہوتا تھا کہ اتنی با ثروت ہوکر بھی وہ ایک خستہ حال بڈھے سے کیون ڈرتی ہے - انہین دیکھتے ہی نازنین کا رنگ فق ہوجاتا تھا - اپنے کمرہ مین جاکر چھپ جایا کرتی تھی - دو چار مرتبہ اسنے مجھسے بھی اشارۃً پیر مرد کا ذکر کیا تھا - لیکن بہت حقارت کیساتھ - رات کو مجھے دیر تک نیند نہین آئی - اُدھیڑبن مین مصروف تھا - کبھی جی چاہتا کہ اُڑ -

آنکھ بند کرکے بہارِ حسن لوٹین - دُنیا کی نعمتون کا لُطف اُٹھائین - جو کچھ ہو گا دیکھا جائیگا -
ایسے زرین موقعے کہان نصیب ہوتے ہین - پھر خود بخود طبیعت کھنچ جاتی - اور الہام سا
ہوتا کہ اس طلسم مین قدم نرکھنا ورنہ تا زیست نہ نکل سکوگے -

رات کے دس بجے ہونگے کہ دفعتہً میرے کمرہ کا دروازہ خود بخود کھُل گیا اور
وہی پیر مرد اندر داخل ہوئے - حالانکہ مین اپنی مالکہ کی ناراضگی کے خوف سے کبھی اُن سے
ہمکلام نہ ہوا تھا - لیکن اُنکے روے مبارک پر تقدس کی ایسی شان تھی کہ خواہ مخواہ
اُنکے فیض صحبت کا اشتیاق ہوتا تھا - مین نے تعظیم کی اور لاکر ایک کرسی پر بٹھا دیا -
اُنھون نے میری طرف ترحم کی نگاہ سے دیکھکر پوچھا "میرا مخل ہونا ناگوار تو نہین گذرا"
مین نے سر جھکا کر جواب دیا - جناب کی تشریف آوری میری عین اعزاز کا باعث
ہے "

پیر مرد بولے - "اچھا تو سُنو اور ہوشیار ہو جاؤ - تمہارے اوپر ایک بلائے عظیم
آنے والی ہے - تمہارے لئے اسوقت سب سے بہتر تدبیر یہی ہے کہ یہان سے چلے جاؤ
ورنہ تا زیست کفِ افسوس ملتے رہوگے - میرا جھونپڑا تمہارے سامنے تھا - مگر تمنے کبھی مجھسے
ملنے کی ضرورت نہ سمجھی - کاش تم پہلے ہی دن مجھسے ملتے تو ہزارون خاندانون کو تباہ
کرنے کا عذاب تمہارے سر پر نہ ہوتا - تعجب تو یہ ہے کہ تم ایسے بیدار مغز ہو کر اس دام مین
کیونکر آپھنسے - اور اس سے زیادہ تعجب یہ ہے کہ پھنسکر تم کیونکر نکل سکے - اگر حسینہ ایکبار
تمہین اپنے آغوش محبت مین لے لیتی تو پھر تمہارے لئے کوئی امید نہ تھی - تم اسیوقت
اسکے عجائب خانہ مین داخل کر دیئے جاتے - وہ جسپر ترحم کرتی ہے اُسکی یہی گت بناتی ہے -
یہی اسکی محبت ہی - چلو ذرا اس عجائب خانہ کی سیر کرو - تب تم سمجھوگے کہ تمہارے باموقع
گریز نے تمہین کس آفت سے بچا لیا "

یہ کہکر پیر مرد نے دیوار مین ایک بٹن دبائی - فوراً ایک دروازہ نمودار ہوا - وہ پیچھے

جانے کا زینہ تھا۔ پیر مرد داخل ہوئے اور مجھے بھی بلایا۔ تاریکی مین کئی زینے اُترنے کے بعد ایک وسیع کمرہ نظر آیا۔ اُسمین ایک چراغ ٹمٹما رہا تھا۔ وہان مین نے جو نفرت انگیز و لخراش نظارے دیکھے اُنہین یاد کرکے آج بھی رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہین۔ اطالیہ کے زندہ جاوید ڈینٹی نے دوزخ کا جو سین دکھایا ہے اس سے کہین ہولناک، کہین پر استکراہ، سین میری آنکھون کے سامنے تھا۔ جا بجا نجاست اور غلاظت مین لپٹے ہوئے آدمی زمین پر پڑے ہوئے تھے۔ اُنکے اعضا، انسانی تھے۔ لیکن صورتین مسخ ہوگئی تھین۔ کوئی کُتّے سے مشابہ تھا، کوئی گیدڑ سے، کوئی بن بلاؤ سے ملتا تھا، کوئی سانپ سے۔ ایک گوشہ مین کوئی موٹا تازہ آدمی ایک نحیف و خستہ آدمی کے جگر مین منھ لگائے اُسکا خون چوس رہا تھا۔ ایک طرف دو گدّھ کی صورت والے انسان ایک کرم خوردہ لاش پر بیٹھے پنجہ و منقار سے ایک دوسرے کو نوچ رہے تھے۔ ایک جگہ ایک اژدہا کی صورت والا آدمی ایک بچے کو نگلنا چاہتا تھا پر حلق مین کافی گنجایش نہ ہونے کے باعث بیتاب ہوکر زمین پر لوٹتا تھا اور چیختا تھا۔ ایک جگہ بیٹے خون کو منجمد کرنے والا نظارہ دیکھا۔ دو ناگن کے شکل کی عورتین ایک بھیڑیے کی صورت والے انسان کے گلے مین لپٹی ہوئی اُسے کاٹ رہی تھین۔ اُسکے بدن سے خون کے فوّارے جاری تھے۔ مجھسے اب اور نہ دیکھا گیا۔ فوراً وہان سے بھاگا۔ اور گرتا پڑتا اپنے کمرہ مین آپہونچا۔ پیر مرد بھی میرے ساتھ چلے آئے۔ جب میرے ہوش ذرا بجا ہوئے تو اُنھون نے کہا، تم اتنے جلد گھبرا گئے۔ ابھی تو ایک گوشہ بھی نہین دیکھا۔ یہ تمہارے مالکہ کی سیرگاہ ہے۔ یہ اُنکے پالتو جانور ہین۔ اُنکی حرکات دیکھ دیکھکر خوش ہوتی ہین۔ اُنھون نے اس عجائب خانہ مین چُن چُنکر آدمی رکھے ہین۔ تمہین بھی اسی لیے منتخب کیا تھا۔ معلوم نہین کیا بنانا چاہتی تھی۔ وہ نت نئے جال بناتی رہتی ہے۔ ایکی کسی تعلیم یافتہ آدمی کو پھانسنا چاہتی تھی۔ اِسی لیے پرائیوٹ سکریٹری کا اشتہار دے رکھا تھا۔ اب میری یہی صلاح ہے کہ اِس وقت

یہان سے بھاگو ورنہ حسینہ کے دوسرے وار سے نہ بچ سکو گے "

یہ کہکر پیرمرد غایب ہو گئے - مینے بھی اپنا بقچہ سنبھالا - اور آدھی رات کے سناٹے مین چورون کی طرح کمرہ سے باہر نکلا - فرحت بخش ہوائین چل رہی تھین - سامنے جھیل مین تارے تھرک رہے تھے - حنا کی خوشبو سے ہوا معطر تھی - اور جھیل کے اُس پار پیرمرد کی شکستہ جھونپڑی مین روشنی کی جھلک دکھائی دیتی تھی - مینے سیدھا راستہ چھوڑ دیا اور جھیل کے کنارے کنارے کیچڑ مین پھنستا سڑک تک آ پہونچا - کس شان سے آیا تھا - کس ہیبت کذائی سے جا رہا تھا - لیکن دل مین ایسا خوش تھا جیسے کوئی چڑیا پنجۂ باز سے چھوٹ جائے -

گو مین ایک مہینہ کے بعد لوٹا تھا - پر معلوم نہین کیون ابھی تک گھر کے آدمیون کو، نہ احباب کو میری فکر تھی - کمرہ مین ذرا بھی گرد و غبار نہ تھا - مینے جب اپنے گھر پر اس واقعہ کا ذکر کیا تو لوگ خوب ہنسے اور احباب تو ابھی تک تمسخر کیا کرتے ہین مین ایک لمحہ کے لیئے بھی کمرہ سے باہر نہین نکلا - ایک مہینہ غائب رہنے کا ذکر ہی کیا - اس وجہ سے اب مجھے بھی مجبوراً یہی کہنا پڑتا ہے کہ شاید مینے کوئی خواب دیکھا ہو - بہرحال جو کچھ ہو مین خدا کا ہزار شکر کرتا ہون کہ مین اس آزمایش سے بچکر نکل آیا - مگر اسکے ساتھ ہی مجھے اس آزمائش مین پڑنے کا افسوس نہین ہے - کیونکہ اس نے ہمیشہ کے لیئے میری آنکھین کھول دین -



اناتھ لڑکی

سیٹھ پرشوتم داس پونا کے سرسوتی پاٹ شالہ کا معائنہ کرنے کے بعد جب باہر نکلے تب ایک لڑکی نے دوڑکر انکا دامن پکڑ لیا۔ سیٹھ جی رُک گئے اور محبّت سے اُسکی طرف دیکھکر پوچھا۔ تمہارا کیا نام ہے۔ لڑکی نے جواب دیا۔ "روہنی"

سیٹھ جی نے اُسے گود مین اُٹھا لیا اور بولے۔ تمھین کچھ انعام ملا ؟"

لڑکی نے اُنکی طرف طفلانہ متانت سے دیکھکر کہا۔ تم چلے جاتے ہو مجھے رونا آتا ہے۔ مجھے بھی ساتھ لیتے چلو۔

سیٹھ جی نے ہنسکر کہا مجھے بڑی دُور جانا ہے۔ تم کیسے چلو گی۔؟

روہنی نے پیار سے اُنکی گردن مین ہاتھ ڈالدیئے اور بولی جہان تم جاؤگے وہین مین بھی چلون گی۔ مین تمہاری بیٹی ہون گی۔

افسر مدرسہ نے آگے بڑھکر کہا اسکا باپ سال بھر ہوئے نہین رہا۔ ماں کپڑے سیتی ہے بڑی مشکل سے گذر ہوتی ہے۔

سیٹھ جی کے مزاج مین درد بہت تھا یہ سنکر اُنکی آنکھین بھر آئین۔ اس معصومانہ درخواست مین وہ رقّت تھی جو پتھر سے دل کو پگھلا سکتی ہے۔ بیکسی اور یتیمی کا اِس سے زیادہ دردناک اظہار ناممکن تھا۔ اُنھون نے سوچا اس ننھے سے دل مین نہ جانے کیا کیا ارمان ہونگے۔ اور لڑکیان اپنے کھلونے دکھا دکھا کر کہتی ہونگی یہ میرے باپ نے دیا ہے۔ وہ اپنے باپ کے ساتھ مدرسہ آتی ہونگی اُسکے ساتھ میلون مین جاتی ہون گی۔ اور اُنکی

دلچسپیون کا ذکر کرتی ہون گی - یہ سب باتین سُن سُن اس بھولی لڑکی کو بھی خواہش ہوئی ہے کہ میرے باپ ہوتا - مان کی محبت مین گہرائی اور روحانیت ہوتی ہے جسے بچے سمجھ نہین سکتے - باپ کی محبت مین مسرت اور شوق ہوتا ہے جسے بچے خوب سمجھتے ہین -

سیٹھ جی نے روہنی کو پیار سے گلے لگا لیا - اور بولے - اچھا مین تمہین اپنی بیٹی بناؤنگا لیکن خوب جی لگا کر پڑھنا - اب چھٹی کا وقت آگیا ہے میرے ساتھ آؤ - تمہارے گھر پہونچا دون - یہ کہکر اُنھون نے روہنی کو اپنے موٹر کار مین بٹھا لیا - روہنی نے بڑے اطمینان اور فخر سے اپنی سہیلیون کی طرف دیکھا - اُسکی بڑی بڑی آنکھین خوشی سے چمک رہی تھین - اور چہرہ چاندنی رات کی طرح شگفتہ تھا -

(۲)

سیٹھ جی نے روہنی کو بازار کی خوب سیر کرائی - اور کچھ اُسکی پسند سے - کچھ اپنی پسند سے بہت سی چیزین خریدین - یہان تک کہ روہنی باتین کرتے کرتے کچھ تھک سی گئی - اور خاموش ہو گئی - اس نے اتنی چیزین دیکھین اور اتنی باتین سنین کہ اُسکا جی بھر گیا شام ہوتے ہوتے روہنی کے گھر پہونچے - اور موٹر کار سے اُتر کر روہنی کو اب کچھ آرام ملا - دروازہ بند تھا اسکی مان کسی گاہک کے گھر کپڑے دینے گئی تھی - روہنی نے اپنے تحفون کو اُلٹنا پلٹنا شروع کیا - خوبصورت ربڑ کے کھلونے چینی کی گڑیان ذرا دبانے سے چون چون کرنے لگتی تھین - اور روہنی یہ دلفریب نغمہ سنکر پھولی نہ سماتی تھی - ریشمی کپڑے خوشرنگ ساڑیون کے کئی بنڈل تھے - لیکن مخملی بوٹ کی گلکاریون نے اُسے خوب لبھایا تھا - اسے ان چیزون کے پانے کی جتنی خوشی تھی اس سے زیادہ اُنھین اپنی سہیلیون کے دکھانے کی بے چینی تھی - سندری کے جوتے اچھے لیکن ان مین ایسے پھول کہان ہین - ایسی گڑیان اُسنے کبھی دیکھی بھی نہ ہونگی - ان خیالون سے اُس کے دل مین اُمنگ بھر آیا - اور وہ اپنی موہنی آواز مین ایک گیت گانے لگی - سیٹھ دروازے

کھڑے اس پاک نظارہ کا - روحانی لطف اُٹھا رہے تھے لتنے مین روہنی کی مان رنگین کپڑون کا ایک بقچہ لیے ہوئے آتی دکھائی دی - روہنی نے خوشی کی وحشت مین ایک چھلانگ بھری اور اُسکے پیرون سے لپٹ گئی -

رُکمنی کا چہرہ زرد تھا - آنکھون مین حسرت اور بیکسی چھپی ہوئی تھی - فکر خاموش کی زندہ تصویر معلوم ہوتی تھی جسکے لئے زندگی مین کوئی سہارا نہین -

مگر روہنی کو جب اُسنے گود مین اُٹھا کر پیار سے چوما تو ذرا دیر کے لیئے اُسکی آنکھون مین اُمید اور زندگی کی جھلک دکھائی دی - مرجھایا ہوا پھول کھل گیا - بولی آج تو اتنی دیر تک کہان رہی مین تجھے ڈھونڈھنے پاٹ شالہ گئی تھی -

روہنی نے ہمک کر کہا - مین موٹر کار پر بیٹھکر بازار گئی تھی - وہان سے بہت اچھی اچھی چیزین لائی ہون وہ دیکھو کون کھڑا ہے - مان نے سیٹھ جی کی طرف تاکا اور شرم سے سر جھکا لیا -

برآمدے مین پہونچتے ہی روہنی مان کی گود سے اُتر کر سیٹھ جی کے پاس گئی - اور اپنی مان کو یقین دلانے کے لئے بھولے پن سے بولی کیون تم میرے باپ ہو نہ -

سیٹھ جی نے اُسے پیار کرکے کہا - ہان تم میری پیاری بیٹی ہو -

روہنی نے اُنکے مونھ کی طرف التجا آمیز نگاہون سے دیکھکر کہا اب تم روز یہین رہا کرو گے -

سیٹھ جی نے اُسکے بال سُلجھا کر جواب دیا - مین یہان رہونگا تو کام کون کریگا - مین کبھی کبھی تمہین دیکھنے آیا کرونگا - لیکن وہان سے تمہارے لیئے اچھی اچھی چیزین بھیجونگا -

روہنی کچھ اُداس سی ہوگئی - اِتنے مین اُسکی مان نے مکان کا دروازہ کھولا - اور بڑی پھُرتی سے میلے بچھاون اور پھٹے ہوئے کپڑے سمیٹ کر کونے مین ڈالدیئے کہ کہین سیٹھ جی کی نگاہ ان پر نہ پڑ جائے - یہ خودداری عورتون کا خاصہ ہے -

رکمنی اب اس سوچ مین پڑی تھی کہ مین انکی کیا خاطر تعظیم کرون۔ اُس نے سیٹھ جی کا نام سُنا تھا۔ اُسکا شوہر ہمیشہ اُنکی بڑائی کیا کرتا تھا۔ وہ اُنکے رحم اور فیاضی کے تذکرے بار ہا سُن چکی تھی۔ وہ اُنھین اپنے من مین دیوتا سمجھا کرتی تھی۔ اُسے کیا اُمید تھی کہ کبھی اُسکے گھر بھی اُنکے قدمون سے روشن ہونگے۔ لیکن آج جب وہ مبارک دن اتفاق سے آیا تو اس قابل بھی نہین کہ انھین بیٹھنے کے لیئے ایک مونڈھا دے سکے۔ گھر مین پان اور الایچی بھی نہین۔ وہ اپنے آنسوؤن کو کسی طرح نہ روک سکی۔

آخر جب اندھیرا ہو گیا۔ اور پاس کے ٹھاکر دوارے سے گھنٹون اور نقارون کی آوازین آنے لگین تو اُنھون نے ذرا بلند آواز مین کہا۔ بائی جی اب مین جاتا ہون مجھے ابھی یہان بہت کام کرنا ہے۔ میری روہنی کو کوئی تکلیف نہو۔ مجھے جب موقع ملیگا اسے دیکھنے آؤنگا۔ اُسکی پرورش کا فرض میرے اوپر ہے اور مین اسے بہت خوشی سے پورا کرونگا۔ اسکے لیئے اب تم کوئی فکر مت کرنا۔ مین نے اُسکا وظیفہ مقرر کر دیا ہے اور یہ اسکی پہلی قسط ہے۔

یہ کہکر اُنھون نے اپنا خوبصورت بٹوا نکالا۔ اور رکمنی کے سامنے رکھدیا۔ غریب عورت کی آنکھون سے آنسو جاری تھے اسکا جی بے اختیار چاہتا تھا کہ انکے پیرون کو پکڑ کر خوب روؤن۔ آج بہت دنون کے بعد ایک سچے ہمدرد کی آواز اُسکے کانون مین آئی تھی۔

جب سیٹھ جی چلے تو اُسنے دونون ہاتھون سے پرنام کیا۔ اُسکے تہ دل سے دعا نکلی۔ آپ نے ایک بیکس پر دیا کی ہے۔ ایشور آپ کو اسکا بدلہ دے۔

دوسرے دن روہنی پاٹ شالا گئی تو اُسکی بانکی سج دھج آنکھون مین کھبی جاتی تھی۔ اُستانیون نے اسے باری باری سے پیار کیا۔ اور اُسکی سہیلیان اسکی ایک ایک چیز کو حیرت سے دیکھتی اور للچاتی تھین۔ اچھے کپڑون سے کچھ خودداری کا احساس ہو جاتا ہے۔ آج روہنی وہ غریب لڑکی نہ رہی تھی جو دوسرون کی طرف بیکسانہ انداز سے دیکھا کرتی تھی۔ آج اسکی ایک ایک حرکت سے طفلانہ غرور اور شوخی ٹپکتی تھی اور اُسکی زبان ایک دم کے

لئے بھی نہ رکتی تھی۔ کبھی موٹر کی تیزی کا ذکر تھا۔ کبھی بازار کی دلفریبیون کا بیان۔ کبھی اپنی گڑیون کا ذکر خیر تھا۔ اور کبھی اپنے باپ کی محبت کی داستان۔ دل تھا کہ امنگون سے بھرا ہوا تھا۔

ایک مہینہ کے بعد سیٹھ پرشوتم داس نے روہنی کے لئے پھر تھنے اور روپے روانہ کئے۔ غریب بیوہ کو انکی فیاضی کی بدولت فکر معاش سے نجات ملی۔ وہ بھی روہنی کیساتھ مدرسے آتی اور دونون ماں بیٹیاں ایک ہی جماعت مین ساتھ ساتھ پڑھتین۔ لیکن روہنی کا نمبر ہمیشہ ماں سے اوّل رہا۔ سیٹھ جی جب پونا کی طرف سے نکلتے تو روہنی کو دیکھنے ضرور آتے اور انکی آمد اسکی خوشی اور تفریح کے لئے مہینون کا سامان مہیا کر دیتی۔

اس طرح کئی سال گذر گئے۔ اور روہنی نے بہار عمر کے سہانے سبزہ زار مین قدم رکھا۔ جبکہ بچپن کی بھولی بھالی اداؤن مین معنی اور ارادون کا دخل ہوجاتا ہے۔

روہنی اب حسن ظاہر و باطن مین اپنے مدرسہ کی ناک تھی۔ اندازون مین دلفریب متانت۔ باتون مین نغمہ کی دلاویزی۔ اور نغمہ مین روحانی لطافت تھی۔ لباس مین رنگین سادگی کا جلوہ۔ آنکھون مین مروت اور حیا۔ خیالات مین پاکیزگی۔ شباب تھا مگر غرور اور تصنع اور شوخی سے پاک اس یکسوئی کے ساتھ جو اونچے ارادون سے پیدا ہوئی ہے۔ وہ نسوانی کمالات کی منزلین طے کرتی جاتی تھی۔

(۴)

سیٹھ جی کے بڑے بیٹے نروتم داس کئی سال تک امریکہ اور جرمنی کی یونیورسٹیون کی خوشہ چینی کے بعد انجنیرنگ کے صیغہ مین کمال حاصل کرکے واپس آئے تھے۔ امریکہ کے سب سے ممتاز کالج مین انھون نے رتبہ اعزاز حاصل کیا تھا۔ امریکہ کے اخبارات ایک ہندوستانی نوجوان کی اس شاندار کامیابی پر متحیر تھے انھین کا خیر مقدم کرنیکے لئے بمبئی مین ایک بڑا جلسہ کیا گیا تھا۔ اس تقریب مین شریک ہونے کے لئے لوگ دور دور سے

آئے تھے۔ مسٹر سوتی پاٹ شالا کو بھی نوید ملا۔ اور روہنی کو سیٹھانی جی نے خاص طور پر دعوت دی۔ مدرسہ مین ہفتون تیاریان ہوئین۔ روہنی کو ایک دم کے لئے بھی چین نہ تھا۔ یہ پہلا موقعہ تھا کہ اُسنے اپنے لئے پر تکلف کپڑے بنوائے۔ رنگون کے انتخاب مین وہ ملاحت تھی وضع مین وہ پھبن جس سے اسکا حسن چمک اُٹھا۔ سیٹھانی کوشلیا دیوی اُسے لینے کے لئے ریلوے اسٹیشن پر موجود تھی۔ روہنی گاڑی سے اُترتے ہی اُن کے پیرون کی طرف جھکی لیکن اُنھون نے اُسے چھاتی سے لگا لیا اور اس طرح پیار کیا گویا وہ اُنکی بیٹی ہے۔ وہ اُسے بار بار دیکھتی تھین اور آنکھون سے فخر اور شوق ٹپکا پڑتا تھا۔

اس جلسے کے لیئے عین سمندر کے کنارے سہانے سبزہ زار پر ایک وسیع شامیانہ لگایا تھا۔ ایک طرف آدمیون کا انبوہ کثیر اُمڈا ہوا تھا۔ دوسری طرف سمندر کی لہرین اُچھل رہی تھین۔ گویا وہ بھی اس خوشی مین شریک تھین۔

جب حاضرین نے روہنی بائی کے آنے کی خبر سُنی تو ہزارون آدمی اُسے دیکھنے کے لئے کھڑے ہو گئے۔ یہی تو لڑکی ہے جس نے ایکی شاستری کا امتحان پاس کیا ہے۔ ذرا اُسکے درشن کرنا چاہیئے۔ اب بھی اس دیش کی عورتون مین ایسے جوہر موجود ہین۔ بھولے بھالے قوم پرستون مین اس قسم کی باتین ہونے لگین۔ شہر کی کئی ممتاز خواتین نے آکر روہنی کو گلے سے لگایا۔ اور آپس مین حُسن و لباس کے چرچے ہونے لگے۔

آخر مسٹر پرشوتم داس تشریف لائے۔ حالانکہ مہذب اور متین مجمع تھا۔ لیکن اسوقت شوق زیارت سراسیگی کی حدتک جا پہونچا ایک بھگدڑ سی مچ گئی۔ کرسیون کی صفین درہم و برہم ہو گئین۔ کوئی کرسی پر کھڑا ہوا۔ کوئی اُسکے بازوؤن پر۔ بعض منچلے حضرات نے شامیانہ کی طنابین پکڑین اور اُنپر جا لٹکے۔ کئی منٹ تک یہی طوفان برپا رہا۔ کہین کرسیان ٹوٹین، کہین کرسیان اُلٹین۔ کوئی کسی کے اوپر گرا، کوئی نیچے۔

زیادہ تیز دم آدمیون مین دھول دھپا ہونے لگا۔

تب بین کی دلکش صدائین آنے لگین۔ روہنی نے اپنی جماعت کے ساتھ قومی سوز اور جوش مین ڈوبا ہوا نغمہ شروع کیا۔ سارا مجمع خاموش تھا اور اس عالم مین وہ سریلا راگ، اسکی نزاکت اور صفائی۔ اسکی اخر سے بھری ہوئی مدھر تان، اسکی پرجوش زمزمہ سنجیان دلون پر وہ پرسرور کیفیت پیدا کر رہی تھین جس سے پریم کی لہرین اٹھتی ہین، جو دل سے کدورتون کو مٹاتا ہے اور جس سے زندگی کی کیفیت خیز یادگارین پیدا ہوجاتی ہین۔ نغمہ بند ہونے پر تعریف کی ایک آواز نہ آئی وہی آوازین کانون مین ابتک گونج رہی تھین۔

نغمہ کے بعد مختلف انجمنون کی طرف سے ایڈریس پیش ہوئے۔ اور تب نروتم داس شکریہ کی جوابی تقریر کرنے کے لئے کھڑے ہوئے۔ لیکن انکی تقریر سے لوگون کو گونہ مایوسی ہوئی۔ یون مجلس احباب مین انکے گرمی بیان، اور روانی کی کوئی حد نہ تھی۔ لیکن عام مجمع کے روبرو کھڑے ہوتے ہی الفاظ اور خیالات دونون ہی ان سے بیوفائی کرجاتے تھے۔ انھون نے بمشکل تمام شکریہ کے چند الفاظ ادا کئے اور تب اپنی ناقابلیت کے ندامت آمیز اعتراف کے ساتھ اپنی جگہہ پر آبیٹھے۔ کتنے ہی حضرات انکی قابلیت پر عارفانہ انداز سے سر ہلانے لگے۔

اب جلسہ ختم ہونے کا وقت آیا وہ ریشمی ہار جو سرسوتی پاٹ شالا کا ہدیہ تھا۔ میز پر رکھا ہوا تھا اسے ہیرو کے گلے مین گون ڈالے۔ پریسیڈنٹ نے خواتین کی صف کی طرف نگاہ دوڑائی نظر انتخاب روہنی پر پڑی۔ اسکا سینہ دھڑکنے لگا۔ لیکن صدر جلسہ کے ارشاد کی تعمیل لازمی تھی۔ وہ سر جھکائے ہوئے میز کے پاس آئی اور کانپتی ہوئی ہاتھون سے ہار کو اٹھالیا۔ ایک لمحہ کے لئے دونون کی نگاہین ملین اور تب روہنی نے نروتم داس کی گردن مین ہار ڈال دیا۔

دوسرے دن سرسوتی پاٹ شالا کے مہمان رخصت ہوئے لیکن کوشلیا دیوی نے روہنی کو نہ جانے دیا۔ بولین ابھی تمھیں دیکھنے سے جی نہین بھرا۔ تمھین یہان ایک ہفتہ رہنا ہوگا۔ آخر مین بھی تو تمھاری ماں ہون۔ ایک مان سے اتنی محبت اور دوسری مان سے اتنی بیزاری! روہنی لاجواب ہوگئی۔

یہ سارا ہفتہ کوشلیا دیوی نے اُسکی رخصتی کی تیاریون مین صرف کیا۔ ساتوین دن اسے رخصت کرنے کے لیے اسٹیشن تک آئین چلتے وقت اُسکے گلے ملین اور بہت ضبط کرنے پر بھی آنسوؤن کو نہ روک سکین۔ نروتم داس بھی آئے تھے۔ اُنکا چہرہ اُوداس تھا۔ کوشلیا نے اُنکی طرف ہمدردانہ نگاہون سے دیکھکر کہا۔ مجھے یہ تو خیال ہی نہ رہا کہ روہنی کیا یہان سے پونا تک اکیلی جائیگی۔ کیا ہرج ہے تمھین چلے جاؤ۔ شام کی گاڑی سے لوٹ آنا۔

نروتم داس کے چہرہ پر مسرت کی شگفتگی نظر آئی جو ان الفاظ مین نہ چھپ سکی۔ بہتر ہے مین ہی چلا جاؤنگا۔ وہ اس فکر مین تھے کہ دیکھین الوداعی گفتگو کا موقع بھی ملتا ہے یا نہین اب وہ خوب جی بھر کر اپنا دردِ دل سنائینگے۔ اور ممکن ہوا تو اس ضبط اور حیا کو جو سردمہری کے پردہ مین چھپی ہوئی ہے ہٹا دینگے۔

(۵)

رُکمنی کو اب روہنی کی شادی کی فکر پیدا ہوئی۔ پڑوس کی عورتون مین اسکا چرچا ہونے لگا تھا لڑکی اتنی سیانی ہوگئی ہے اب کیا بڑھاپے مین بیاہ ہوگا۔ پیغام کئی جگہ سے آئے۔ انمین بعض ممتاز خاندان کے تھے۔ لیکن جب رُکمنی ان پیغامون کو سیٹھ جی کے پاس بھیجتی تو وہ یہی جواب دیتے کہ مین خود فکر مین ہون رُکمنی کو اُنکی یہ ٹال مٹول بُری معلوم ہوتی۔

روہنی کو ممبئی سے لوٹے مہینہ بھر ہوچکا تھا۔ کہ ایک دن وہ پاٹ شالا سے لوٹی

تو اُسے اپنی ماں کی چارپائی پر ایک خط پڑا ہوا ملا۔ روہنی پڑھنے لگی۔ لکھا تھا۔ بہن جب سے میںنے تمہاری لڑکی کو بمبئی میں دیکھا ہے۔ میں اُس پر ریجھ گئی ہوں۔ اب اُسکے بغیر مجھے چین نہیں ہے کیا میں ایسی خوش نصیب ہوں کہ وہ میری بہو بن سکے۔ میں غریب ہوں لیکن میںنے سیٹھ جی کو راضی کر لیا ہے۔ تم بھی میری یہ عرض قبول کرو۔ میں تمہاری لڑکی کو چاہے پھولوں کی سیج پر نہ سلا سکوں۔ لیکن اس گھر کا ہر ایک آدمی اُسے آنکھوں کی پتلی بنا کر رکھے گا۔ اب رہا لڑکا۔ ماں کے منھ سے لڑکے کا بکھان کچھ اچھا نہیں معلوم ہوتا۔ لیکن میں یہ کہہ سکتی ہوں کہ پرماتما نے یہ جوڑی اپنے ہاتھوں بنائی ہے۔ صورت میں، سبھاؤ میں، علم میں، ہر ایک لحاظ سے وہ روہنی کے قابل ہے۔ تم جیسے چاہو اپنا اطمینان کر سکتی ہو۔ جواب جلد دینا۔ اور زیادہ کیا لکھوں۔ نیچے چند الفاظ میں سیٹھ جی نے اس پیغام کی سفارش کی تھی۔

روہنی گالوں پر ہاتھ رکھ کے سوچنے لگی۔ نردتم داس کی تصویر اُسکی آنکھوں کے سامنے آکھڑی ہوئی۔ ان کی وہ پریم کی باتیں جنکا سلسلہ بمبئی سے پونا تک نہیں ٹوٹا تھا کانوں میں گونجنے لگیں۔ اُس نے ایک ٹھنڈی سانس لی۔ اور اُداس ہو کر چارپائی پر لیٹ گئی۔

(۶)

سرسوتی پاٹ شالا میں ایکبار پھر سجاوٹ اور صفائی کے جلوے نظر آرہے ہیں۔ آج روہنی کی شادی کا مبارک دن ہے۔ شام کا وقت۔ بسنت کا سہانا موسم۔ پاٹ شالا کے درو دیوار مسکرا رہے ہیں۔ اور ہرا بھرا باغیچہ پھولا نہیں سماتا۔

چندرماں اپنی بارات لیکر پورب کی طرف نکلا۔ اسیوقت منگلاچرن کا سہانا راگ اُس روپہلی چاندنی، اور ہلکے ہلکے ہوا کے جھونکوں میں لہریں مارنے لگا۔ دولہا آیا۔ اُسے دیکھتے ہی لوگ حیرت میں آگئے۔ یہ نردتم داس تھے!

دولہا منڈپ کے نیچے گیا۔ روہنی کی ماں سے ضبط نہوا۔ وہ اسیوقت جسا کر

سیٹھ جی کے پیرون پر گر پڑی۔ روہنی کی آنکھون سے پریم اور آنند کے آنسو بہنے لگے۔

منڈپ کے نیچے ہَون کنڈ بنا ہوا تھا۔ ہَون شروع ہوا۔ خوشبو کے شعلے ہَوا مین اُٹھے۔ اور سارا میدان مہک گیا۔ لوگون کے دل و دماغ مین تازگی اور فرحت کی اُمنگ پیدا ہوئی۔

پھر سنسکار کی باری آئی۔ دولھا اور دُلہن نے باہمی ہمدردی، ذمہ داری اور وفاداری کے مقدّس الفاظ اپنی زبانون سے ادا کیے۔ بیاہ کی وہ مبارک زنجیر گلے مین پڑی۔ جس مین وزن ہے۔ سختی ہے، پابندیان ہین۔ لیکن وزن کے ساتھ طاقت ہے، سختی کے ساتھ راحت، اور پابندیون کے ساتھ وشواش ہے۔ دونون دلون مین اسوقت ایک نئی پُرزور روحانی طاقت کا احساس ہو رہا تھا۔

جب شادی کے مراسم ختم ہو گئے تو مجلس طرب و نشاط کا دَور آیا۔ نغمۂ جان نواز کی صدائین بلند ہوئین۔ سیٹھ جی تھک کر چُور ہو گئے تھے۔ ذرا دم لینے کے لیے باغچہ مین جا کر ایک بنچ پر بیٹھ گئے۔ ٹھنڈی ٹھنڈی ہوا آ رہی تھی۔ ایک سرور انگیز خموشی چارون طرف چھائی ہوئی تھی۔ اُسیوقت روہنی اُنکے پاس آئی اور اُن کے پیرون سے لپٹ گئی۔ سیٹھ جی نے اُسے اُٹھا کر گلے سے لگا لیا اور ہنسکر بولے۔ "کیون اب تو تم میری اپنی بیٹی ہو گئین"؟



پنچایت

(۱)

جُمّن شیخ اور الگو چودھری مین بڑا یارانہ تھا۔ ساجھے مین کھیتی ہوتی۔ لین دین مین بھی کچھ ساجھا تھا۔ ایک کو دوسرے پر کامل اعتماد۔ جُمّن جب حج کرنے کو گئے تھے تو اپنا گھر الگو کو سونپ گئے تھے۔ اور الگو جب کبھی باہر جاتے تو جمّن پر اپنا گھر چھوڑ دیتے وہ نہ ہم نوالہ تھے، نہ ہم پیالہ۔ نہ ہم مشرب۔ صرف ہمخیال تھے۔ اور یہی دوستی کی اصلی بنیاد ہے۔

اِس دوستی کا آغاز اسی زمانہ مین ہوا جب دونون لڑکے جمّن کے پدر بزرگوار شیخ جمعراتی کے روبرو زانوے ادب تہ کرتے تھے۔ الگو نے اُستاد کی بہت خدمت کی۔ خوب رکابیان مانجین، خوب پیالے دھوئے۔ اُنکا حُقّہ دم نہ لینے پاتا تھا۔ اِن خدمتون مین شاگردانہ عقیدت کے سوا اور کوئی بھی خیال مضمر تھا۔ اسے الگو خوب جانتے تھے۔ اُن کے باپ پُرانی وضع کے آدمی تھے۔ تعلیم کے مقابلہ مین انھین اُستاد کی خدمت پر زیادہ بھروسہ تھا۔ وہ کہا کرتے تھے اُستاد کی دعا چاہیئے جو کچھ ہوتا ہے فیض سے ہوتا ہے۔ اور اگر الگو پر اُستاد کے فیض یا دعاؤن کا کچھ اثر نہوا تو اُسے تسکین تھی کہ تحصیل علم کا کوئی دقیقہ اُس نے فروگذاشت نہین کیا۔ علم اسکی تقدیر مین ہی نہ تھا۔ شیخ جمعراتی خود دعا اور فیض کے مقابلہ مین تازیانہ کے زیادہ قائل تھے۔ اور جُمّن پر اسکا بیدریغ استعمال کرتے تھے۔ اسی کا یہ فیض تھا کہ آج جمّن کی قرب جوار کے مواضعات مین پرستش ہوتی تھی۔ اُنکے بیعنامہ یا رہن نامہ کے مسودات پر تحصیل کا عرائض نویس بھی قلم نہین اُٹھا سکتا تھا۔ حلقہ کا پوسٹ مین کانسٹیبل اور تحصیل کا مذکوری

یہ سب ان کے دست کرم کے محتاج تھے اسلئے اگر الگو انکی ثروت نے ممتاز بنادیا تھا تو شیخ جمّن بھی علم کی لازوال دولت کے باعث وقار کی نگاہوں سے دیکھے جاتے تھے۔

(۲)

شیخ جمّن کی ایک بوڑھی بیوہ خالہ تھین۔ اُنکے پاس کچھ تھوڑی سی ملکیت تھی۔ مگر قریبی وارث کوئی نہ تھا۔ جمّن نے وعدے وعید کے سبز باغ دکھا کر خالہ اماں سے وہ ملکیت اپنے نام کرالی تھی۔ جب تک ہبہ نامہ پر رجسٹری نہ ہوئی تھی خالہ جان کی خوب خاطرداریان ہوئی تھین۔ خوب میٹھے لقمے اور چٹ پٹے سالن کھلائے جاتے تھے مگر رجسٹری کی مُہر ہوتے ہی ان خاطرداریون پر بھی مُہر ہوگئی۔ وہ وعدے وصال کے وعدے ثابت ہوئے۔ جمّن کی اہلیہ بی فہمین نے روٹیون کے ساتھ کچھ تیز تیکھی باتون کے سالن دینے بھی شروع کئے۔ اور رفتہ رفتہ سالن کی مقدار روٹیون سے بڑھنے لگی۔ بڑھیا عاقبت کے بوریئے بٹورے گی کیا۔ وہ تمین بگھے اوسر کیا دیدیا ہے گویا مول لے لیا ہے۔ بگھاری دال بغیر روٹیان نہین اُترتین۔ جتنا روپیہ اسکے پیٹ مین جھونک چکے اس سے تو اب تک کئی گانون مول لے لیتے۔" کچھ دنون تک خالہ جان نے سُنا اور ضبط کیا مگر جب برداشت نہوا تو جمّن سے شکایت کی۔ جمّن صلح پسند آدمی تھے۔ "مقامی" کارکن کے انتظام مین مداخلت کرنا مناسب نہ سمجھا۔ کچھ دن اور یون ہی رو دھو کر کام چلا۔ آخر ایک روز خالہ جان نے جمّن سے کہا "بیٹا! تمھارے ساتھ میرا نباہ نہوگا۔ تم مجھے روپئے دے دیا کرو۔ مین اپنا الگ پکا لون گی۔

جمّن نے بے اعتنائی سے جواب دیا "روپیہ کیا یہان پھلتا ہے"!

خالہ جان نے بگڑ کر کہا۔ "تو مجھے کچھ نان نمک چاہئے یا نہین"؟

جمّن نے مظلومانہ انداز سے جواب دیا۔ "چاہئے کیون نہین۔ میرا خون چوس لو کوئی یہ تھوڑے ہی سمجھا تھا کہ تم خواجہ خضر کی حیات لیکر آئی ہو"

خالہ جان اپنے مرنے کی بات نہیں سن سکتی تھیں - جامہ سے باہر ہوکر پنچایت کی دھمکی دی - جمّن ہنسے - وہ فاتحانہ ہنسی جو شکاری کے لبوں پر ہرن کو جال کی طرف جاتے ہوئے دیکھکر نظر آتی ہے - کہا ہاں ضرور پنچائت کرو فیصلہ ہوجائے - مجھے بھی رات دن کا وبال پسند نہیں -

پنچائت کی صدا کسکے حق میں اُٹھے گی - اسکے متعلق شیخ جمّن کو اندیشہ نہیں تھا - قرب و جوار میں ایسا کون تھا جو ان کا شرمندۂ منّت نہو - کون تھا جو انکی دشمنی کو حقیر سمجھے کس میں اتنی جرات تھی جو انکے سامنے کھڑا ہو سکے - آسمان کے فرشتے تو پنچائت کرنے آئیں گے نہیں - مریض نے آپ ہی دوا طلب کی !

(۳)

اسکے بعد کئی دن تک بوڑھی خالہ ہاتھ میں لکڑی لئے آس پاس کے گانوں کے چکر لگاتی رہی - کمر جھک کر کمان ہوگئی تھی ایک ایک قدم چلنا مشکل تھا - مگر بات آپڑی تھی اُسکا تصفیہ ضروری تھا - شیخ جمّن کو اپنی طاقت، رسوخ، اور منطق پر کامل اعتماد تھا - وہ کسی کے سامنے فریاد کرنے نہیں گئے -

بوڑھی خالہ نے اپنے دانست میں تو گریہ وزاری کرنے میں کوئی کسر نہیں رکھی - مگر خوبیٔ تقدیر، کوئی اسکی طرف مائل نہوا - کسی نے تو یونہی ہاں ہوں کرکے ٹالدیا - کسی نے زخم پر نمک چھڑک دیا - ذرا اِس ہوس کو دیکھو! قبر میں پیر لٹکائے ہوئے ہیں، آج مریں، کل دوسرا دن ہو - مگر صبر نہیں ہوتا - پوچھو اب تھیں گھربار، جگہ زمین سے کیا سروکار - ایک لقمہ کھاؤ - ٹھنڈا پانی پیو - اور مالک کی یاد کرو - سب سے بڑی تعداد ستم ظریفوں کی تھی - خمیدہ کمر، پوپلا منھ، سن کے سے سفید بال، اور ثقل سماعت، جب اتنے تفریح کے سامان موجود ہوں تو ہنسی کا آنا ایک قدرتی امر ہے - غرض ایسے درد رس، انصاف پرور آدمیوں کی تعداد بہت کم تھی جنھوں نے خالہ جان کی فریاد کو غور سے سنا ہو -

اور اسکی تشفی کی ہو۔ چارون طرف سے گھوم گھام کر بڑھیا الگو چودھری کے پاس آئی۔ لاٹھی پٹک دی۔ اور دم لیکر بولی ”بیٹا! تم بھی چھن بھر کو میری پنچایت مین چلے آنا“
الگو بے رخی سے بولے ”مجھے بلاکے کیا کروگی۔ کئی گانون کے آدمی تو آئین ہی گے“

خالہ نے ہانپ کر کہا ”اپنی بپھر یاد تو سب کے کان مین ڈال آئی ہون۔ آنے نہ آنے کا حال اللہ جانے ۔ ہمارے سید سالار گا ے گہار سنکر پیڑھی سے اٹھ آئے تھے۔ کیا میرا رونا کوئی نہ سُنے گا؟“

الگو نے جواب دیا ”یون آنے کو مین آجاؤن گا مگر پنچایت مین مُنھ نہ کھولونگا“

خالہ نے حیرت سے پوچھا ”کیون بیٹا؟“

الگو نے پیچھا چھڑانے کے لیئے کہا ”اب اسکا کیا جواب۔ اپنی اپنی طبیعت۔ جمن میرے پرانے دوست ہین اُنسے بگاڑ نہین کرسکتا“

خالہ نے تاک کر نشانہ مارا ”بیٹا کیا بگاڑ کے ڈر سے ایمان کی بات نہ کہوگے؟“

ہمارے سوئے ہوئے ایمان کی ساری جتھا چوری سے لٹ جائے اُسے خبر نہین ہوتی۔ مگر کھلی ہوئی للکار سنکر وہ چونک پڑتا ہے اور ہشیار ہو جاتا ہے۔ الگو چودھری اس سوال کا جواب نہ دے سکے۔ کیا وہ ”نہین“ کہنے کی جرأت کر سکتے تھے!۔

(۴)

شام کو ایک پیڑ کے نیچے پنچایت بیٹھی۔ ٹاٹ بچھا ہوا تھا۔ حقہ پان کا بھی انتظام تھا۔ یہ سب شیخ جمن کی مہمان نوازی تھی۔ وہ خود الگو چودھری کے ساتھ ذرا دور بیٹھے ہوئے حقہ پی رہے تھے۔ جب کوئی آتا تھا ایک دبی ہوئی سلام علیک سے اسکا خیر مقدم کرتے تھے۔ مگر تعجب تھا کہ با اثر آدمیون مین صرف وہی لوگ نظر آتے تھے جنھین انکی

رضا جوئی کی کوئی پرواہ نہین ہوسکتی تھی۔ گتنے مجلس کو دعوت احباب سمجھکر جھنڈ کے جھنڈ جمع ہوگئے تھے۔

جب پنچایت پوری بیٹھ گئی تو بوڑھی جی نے حاضرین کو مخاطب کر کے کہا "پنچو! آج تین سال ہوئے مین نے اپنی سب جائداد اپنے بھانجے جمّن کے نام لکھدی تھی۔ اسے آپ لوگ جانتے ہون گے۔ جمّن نے مجھے تاحین حیات روٹی کپڑا دینے کا وعدہ کیا تھا سال چھ مہینے تو مین نے اُن کے ساتھ کسی طرح رو دھو کر کاٹے۔ مگر اب مجھ سے رات دن کا رونا نہین سہا جاتا۔ نہ مجھے پیٹ کی روٹیان تک نہین ملتین۔ بیکس بیوہ ہون۔ تھانہ کچہری کر نہین سکتی۔ سوائے تم لوگون کے اور کس سے اپنا دکھ درد روؤن۔ تم لوگ جو راہ نکال دو اُس راہ چلون۔ اگر میری بُرائی دیکھو میرے منھ مین تھپڑ مارو۔ جمّن کی بُرائی دیکھو تو اُسے سمجھاؤ۔ کیون ایک بیکس کی آہ لیتا ہے"

رام دھن مصر بولے (اِن کے کئی آسامیون کو جمّن نے توڑ لیا تھا) "جمّن میان! پنچ کسے بدتے ہو۔ ابھی سے طے کر لو!"

جمّن نے حاضرین پر ایک اُڑتی ہوئی نگاہ ڈالی۔ اپنے تئین مخالفون کے نرغہ مین پایا۔ دلیرانہ انداز سے کہا "خالہ جان جسے چاہین پنچ بنا دین مجھے کوئی عذر نہین ہے"

خالہ نے کہا۔ چلا کر کہا "اے اللہ کے بندے تو پنچون کے نام کیون نہین بتا دیتا"

جمّن نے بڑھیا کو غضبناک نگاہون سے دیکھکر کہا "اب اِس وقت میری زبان نہ کھلواؤ جسے چاہو پنچ بنا دو"

خالہ نے جمّن کے اعتراض کو تاڑ لیا۔ بولین "بیٹا خدا سے ڈر۔ میرے لئے کوئی اپنا ایمان نہ بیچے گا۔ اتنے بھلے آدمیون مین کیا سب تیرے دشمن ہی دشمن ہین؟ اچھا اور سب کو جانے دے الگو چودھری کو تو مانے گا؟"

جمّن فرط مسرت سے باغ باغ ہو گئے مگر ضبط کر کے بولے "الگو چودھری سہی۔

میرے لیئے جیسے رام دھن مصر ویسے الگو۔ کوئی میرا دشمن نہین ہے"

الگو بغلین جھانکنے لگے۔ اس جھمیلے مین نہین پھنسنا چاہتے تھے۔ معترضانہ انداز سے کہا۔ بوڑھی امّان! تم جانتی ہو کہ میری اور جمّن کی گاڑھی دوستی ہے؟

خالہ نے جواب دیا۔ بیٹا دوستی کے لیئے کوئی اپنا ایمان نہین کھوتا۔ پنچ کا حکم اللہ کا حکم ہے۔ پنچ کے منھ سے جو بات نکلتی ہے وہ اللہ کی طرف سے نکلتی ہے"

الگو کو کوئی چارہ نہ رہا۔ سرپنچ بنے۔ رام دھن مصر دل مین بڑھیا کو کوسنے لگے۔

الگو چودھری نے فرمایا "شیخ جمّن! ہم اور تم پرانے دوست ہین جب ضرورت پڑی ہے تم نے میری مدد کی ہے اور ہم سے بھی جو کچھ بن پڑا ہے تمہاری خدمت کرتے آئے ہین۔ مگر اسوقت نہ تم ہمارے دوست ہو۔ نہ ہم تمہارے دوست۔ یہ انصاف اور ایمان کا معاملہ ہے۔ خالہ جان نے پنچون سے اپنا حال کہہ سنایا۔ تمکو بھی جو کچھ کہنا ہو کہو"

جمّن ایک شان فضیلت سے اٹھ کھڑے ہوئے اور بولے "پنچو! مین خالہ جان کو اپنی مان کے بجائے سمجھتا ہون۔ اور انکی خدمت مین کوئی کسر نہین رکھتا۔ ہان عورتون مین ذرا اَن بَن رہتی ہے اسمین مین مجبور ہون۔ عورتون کی تو یہ عادت ہی ہے۔ مگر ماہوار روپیہ دینا میرے قابو سے باہر ہے۔ کھیتون کی جو حالت ہے وہ کسی سے چھپی نہین۔ آگے پنچون کا حکم سر اور ماتھے پر ہے"

الگو چودھری کو آئے دن عدالت سے سابقہ رہتا تھا۔ قانونی آدمی تھے۔ جمّن سے جرح کرنے لگے۔ ایک ایک سوال جمّن کے دل پر ہتھوڑے کی ضرب کی طرح لگتا تھا۔ رام دھن مصر اور اُن کے رفیق سر ہلا ہلا کر ان سوالون کی داد دیتے تھے۔ جمّن حیرت مین تھے کہ الگو کو کیا ہو گیا ہے۔ ابھی تو یہ میرے ساتھ بیٹھا کیسے مزے مزے کی باتین کر رہا تھا اتنی ہی دیر مین ایسی کایا پلٹ ہو گئی کہ میری جڑ کھودنے پر آمادہ ہے۔ ابھی دوستی نبا ہی؟ اس سے اچھے تو رام دھن ہی تھے۔ وہ یہ تو نہ جانتے تھے کہ

کون کون سے کھیت کتنے پر اُٹھتے ہین - اور کیا نکاسی ہوتی ہے - ظالم نے بنا بنایا کھیل بگاڑ دیا -

جرح ختم ہونے کے بعد الگو نے فیصلہ سنایا - لہجہ نہایت متین اور تحکما نہ تھا -

"شیخ جمن! پنچون نے اس معاملہ پر اچھی طرح غور کیا - زیادتی سراسر تمھاری ہے - کھیتون سے معقول نفع ہوتا ہے - تمھین چاہیئے کہ خالہ جان کو ماہوار گذارے کا بندوبست کرو - اسکے سوا اور کوئی صورت نہین - اگر تمھین یہ منظور نہین تو ہبہ نامہ منسوخ ہو جائیگا"

جمن نے فیصلہ سُنا اور سناٹے مین آگئے - احباب سے کہنے لگے "بھئی اس زمانہ مین یہی دوستی ہو کہ جو اپنے اوپر بھروسہ کرے اُسکی گردن پر چھری پھیری جائے - اسی کو نیرنگی روزگار کہتے ہین - اگر لوگ ایسے دغا باز - جو فروش گندم نما نہ ہوتے تو ملک پر آفتین کیون آتین - یہ ہیضہ اور پلیگ انھین مکاریون کی سزا ہے -

مگر رام دھن مصر اور فتح خان اور جگو سنگھ اس بے لاگ فیصلہ کی تعریف مین رطب اللسان تھے - "اسکا نام پنچایت ہے - دودھ کا دودھ پانی کا پانی - دوستی دوستی کی جگہ ہے - مقدم ایمان کا سلامت رکھنا ہے - ایسے ہی ستیہ بادیون سے دنیا قائم ہے - ورنہ کب کی جہنم مین ملجاتی"

اس فیصلہ نے الگو اور جمن کی دوستی کی جڑین ہلا دین - تنا ور درخت حق کا ایک جھونکا بھی نہ سہہ سکا - وہ اب بھی ملتے تھے - مگر نیزہ و سپر کی طرح - جمن کے دل سے دوست کی غداری کا خیال دور نہ ہوتا تھا - اور انتقام کی خواہش چین نہ لینے دیتی تھی -

(۵)

خوش قسمتی سے موقع بھی جلد ملگیا - پچھلے سال الگو مصر بٹیسر کے میلے سے بیلون کی ایک اچھی گوئین مول لائے تھے - پچھائین نسل کے خوبصورت بیل تھے - مہینون تک قرب و جوار کے لوگ انھین دیکھنے آتے رہے -

اِس پنچایت کے ایک مہینہ بعد ایک بیل مر گیا۔ جمن نے اپنے دوستوں سے کہا۔ یہ دغابازی کی سزا ہے۔ انسان صبر کر جائے مگر خدا نیک و بد دیکھتا ہے۔ الگو کو اندیشہ ہوا کہ جمن نے اسے زہر دلوا دیا ہے۔ اسکے برعکس چودھرائن کو خیال تھا کہ اسپر کچھ کرا دیا گیا ہے۔ چودھرائن اور بی فہمین میں ایک دن زور و شور سے ٹھنی۔ دونوں خاتونوں نے روانی بیان کی ندی بہا دی تشبیہات اور استعاروں میں باتیں ہوئیں۔ بارے جمن نے آگ بجھائی۔ بیوی کو ڈانٹا اور رزمگاہ سے ہٹا لے گئے۔ ادھر الگو چودھری نے اپنے ڈنڈے سے چودھرائن کی شیریں کلامیوں کی داد دی۔

اب ایک بیل کس کام کا۔ اسکا جوڑ بہت ڈھونڈھا مگر نہ ملا۔ ناچار اُسے بیچ ڈالنے کی صلاح ہوئی۔ گانوں میں ایک سمجھو سیٹھ تھے۔ وہ یکہ گاڑی ہانکتے تھے۔ گانوں میں گڑ گھی بھرتے اور منڈی لے جاتے۔ منڈی سے تیل۔ نمک لاد کر لاتے۔ گانوں میں سمجھے اس بیل پر انکی طبیعت لہرائی۔ سوچے اسے لے لوں تو دن میں بلا کسی محنت کے تین کھیوے ہوں۔ نہیں تو ایک ہی کے لالے رہتے ہیں۔ بیل دیکھا گاڑی میں دوڑایا۔ بال بھونری کی پہچان کرائی۔ مول بھاؤ کیا اور اپنے دروازہ پر لا کر باندھ دیا۔ دام کے لیئے ایک مہینہ کا وعدہ ہوا۔ چودھری بھی غرضمند تھے۔ گھاٹے کی کچھ پرواہ نہ کی۔

سمجھو نے نیا بیل پایا تو پانوں پھیلائے۔ دن میں تین تین چار چار کھیوے کرتے۔ نہ چارے کی فکر تھی نہ پانی کی۔ بس کھیووں سے کام تھا۔ منڈی لے گئے وہاں کچھ سوکھا بھُس ڈال دیا۔ اور غریب جانور ابھی دم بھی نہ لینے پایا تھا کہ پھر جوت دیا۔ الگو چودھری کے یہاں تھے تو چین کی بنسی بجتی تھی۔ راتب پاتے۔ صاف پانی۔ دلی ہوئی ارہر بھوسہ کے ساتھ کھلی۔ کبھی کبھی گھی کا مزہ بھی مل جاتا۔ شام سویرے ایک آدمی کھریرے کرتا۔ بدن کھجلاتا۔ جھاڑتا۔ پونچھتا۔ سہلاتا۔ کہاں وہ ناز و نعمت، کہاں یہ آٹھوں پہر کی رپٹ۔ مہینہ بھر میں بیچارے کا کچومر نکل گیا۔ یکہ کا جوا دیکھتے ہی بیچارے کا لہو

چھوٹ جاتا۔ ایک ایک قدم چلنا دوبھر تھا۔ ہڈیاں نکل آئی تھیں لیکن اصیل جانور، مار کی تاب نہ تھی۔ ایک دن چوتھے کھیوے میں سیٹھ جی نے دونا بوجھ لادا۔ دن بھر کا تھکا جانور۔ پیر مشکل سے اُٹھتے تھے۔ اس پر سیٹھ جی کوڑے رسید کرنے لگے۔ بیل جگر توڑ کر چلا۔ کچھ دور دوڑا۔ چاہا کہ ذرا دم لوں۔ ادھر سیٹھ جی کو جلد گھر پہونچنے کی فکر۔ کئی کوڑے بڑی بیدردی سے لگائے۔ بیل نے ایک بار پھر زور لگایا۔ مگر طاقت نے جواب دے دیا۔ زمین پر گر پڑا اور ایسا گرا کہ پھر نہ اُٹھا۔ سیٹھ نے بہت پیٹا۔ ٹانگ پکڑ کر کھینچی۔ نتھنوں میں لکڑی کھونس دی۔ مگر لاش نہ اُٹھی تب کچھ اندیشہ ہوا۔ غور سے دیکھا۔ بیل کو کھول کر الگ کیا۔ اور سوچنے لگے کہ گاڑی گھر کیونکر پہونچے۔ بہت چیخے اور چلائے مگر دیہات کا راستہ بچوں کی آنکھ ہے۔ سرِ شام سے بند۔ کوئی نہ نظر آیا۔ قریب کوئی گانوں بھی نہ تھا۔ مارے غصہ کے مُوے بیل پر اور دُرّے لگائے۔ مسمسرے! تجھے مرنا تھا تو گھر پر مرتا۔ کمینے آدھے رستے میں دانت نکال دئیے۔ اب گاڑی کون کھینچے۔ اس طرح خوب جلے بھنے۔ کئی بورے گڑ اور کئی کنستر گھی کے بیچے تھے دو ڈھائی سو روپیے کمر میں بندھے ہوئے تھے۔ گاڑی پر کئی بورے نمک کے تھے چھوڑ کر جا بھی نہ سکتے تھے۔ گاڑی پر لیٹ گئے۔ وہیں رتجگا کرنے کی ٹھان لی۔ اور آدھی رات تک نیند کو بہلاتے رہے۔ حقہ پیا۔ گایا۔ پھر حقہ پیا۔ آگ جلائی۔ تاپا۔ اپنی دانست میں تو وہ جاگتے ہی رہے۔ مگر جب پو پھٹی چونکے اور کمر پہ ہاتھ رکھا تو تھیلی ندارد۔ کلیجہ سن سے ہو گیا۔ کمر ٹٹولی۔ تھیلی کا پتہ نہ تھا۔ گھبرا کر ادھر اُدھر دیکھا۔ کئی کنستر تیل کے بھی غائب تھے۔ سر پیٹ لیا۔ پچھاڑیں کھانے لگے صبح کو بہزار خرابی گھر پہونچے۔

سیٹھانی جی نے یہ حادثہ الم ناک سُنا تو چھاتی پیٹ لی۔ پہلے خوب روئیں۔ تب الگو چودھری کو گالیاں دینے لگیں۔ حفظ ماتقدم کی سوجھی۔ نگوڑے نے ایسا منحوس بیل دیا کہ سارے جنم کی کمائی لُٹ گئی۔

اس واقعہ کو کئی ماہ گذر گئے۔ الگو جب اپنے بیل کی قیمت مانگنے جاتے تو سیٹھ اور سیٹھانی دونوں جھلائے ہوئے کتوں کی طرح چڑھ بیٹھتے۔ یہاں تو سارے جنم کی کمائی مٹی میں مل گئی۔ فقیر ہو گئے۔ انھیں دام کی پڑی ہے۔ مردہ منحوس بیل دیا تھا۔ اس پر دام مانگتے ہیں۔ آنکھ میں دھول جھونک دی۔ مرا ہوا بیل گلے باندھ دیا۔ نرا پونگا ہی سمجھ لیا ہے۔ کسی گڑھے میں منھ دھو آؤ۔ تب دام لینا۔ صبر نہ ہوتا ہو تو ہمارا بیل کھول لیجاؤ۔ مہینے کے بدلے دو مہینے جوت لو۔ اور کیا لوگے؟ اس فیاضانہ فیصلہ کے قدرداں حضرات کی بھی کمی نہ تھی۔ اس طرح جھڑپ سنکر چودھری لوٹ آتے۔ مگر ڈیڑھ سو روپیہ سے اسطرح ہاتھ دھو لینا آسان کام نہ تھا۔ ایکبار وہ بھی بگڑے۔ سیٹھ جی گرم پڑے۔ سیٹھانی جی جذبہ کے مارے گھر سے نکل پڑیں۔ سوال و جواب ہونے لگے۔ خوب مباحثہ ہوا۔ مجادلہ کی نوبت پہونچی۔ سیٹھ جی نے گھر میں گھسکر کواڑ بند کر لیے۔ گانوں کے کئی معزز آدمی جمع ہوگئے دونوں فریق کو سمجھایا۔ سیٹھ جی کو دلاسا دیکر گھر سے نکالا۔ اور صلاح دی کہ اس طرح آپس میں سر پھٹول سے کام نہ چلے گا۔ اس سے کیا فائدہ پنچایت کر لو۔ جو کچھ طے ہو جائے اُسے مان جاؤ۔ سیٹھ جی راضی ہو گئے۔ الگو نے بھی حامی بھری فیصلہ ہو گیا۔

(۶)

پنچایت کی تیاریاں ہونے لگیں۔ دونوں فریق نے غول بندیاں شروع کیں۔ تیسرے دن اُسی سایہ دار درخت کے نیچے پھر پنچایت بیٹھی۔

وہی شام کا وقت تھا۔ کھیتوں میں کوؤں کی پنچایت لگی ہوئی تھی۔ امر متنازعہ یہ تھا کہ مٹر کی پھلیوں پر اُنکا جائز استحقاق ہے یا نہیں۔ اور جب تک یہ مسئلہ طے نہو جائے وہ رکھوالے لڑکے کی فریاد و بیداد پر اپنی بلاغت آمیز ناراضگی کا اظہار ضروری سمجھتے تھے۔

درخت کی ڈالیوں پر طوطوں میں سرگرم مباحثہ ہو رہا تھا۔ بحث طلب یہ امر تھا کہ انسان کو انھیں من حیث القوم بیوفا کہنے کا کیا حق حاصل ہے۔

پنچائت پوری آبیٹھی تو رام دھن مصر نے کہا "اب کیوں دیر کیجائے۔ بولو چودھری کن کن آدمیوں کو پنچ بدتے ہو؟"

الگو نے منکسرانہ انداز سے جواب دیا "سمجھو سیٹھ ہی چن لیں"

سمجھو سیٹھ کھڑے ہو گئے اور کڑک کر بولے "میری طرف سے شیخ جمّن کا نام لکھ لو"

الگو نے پہلا نام جمّن کا سنا اور کلیجہ دھک سے ہو گیا۔ گویا کسی نے اچانک تھپڑ مار دیا۔ رام دھن مصر الگو کے دوست تھے۔ تہ پر پہونچ گئے۔ بولے۔ چودھری تمکو کوئی عذر تو نہیں ہے؟"

چودھری نے مایوسانہ انداز سے جواب دیا "نہیں مجھے کوئی عذر نہیں ہے"

اسکے بعد چار نام اور تجویز کیے گئے۔ الگو پہلا چرکا کھا کر ہشیار ہو گئے تھے خوب جانچکر انتخاب کیا۔ صرف سرپنچ کا انتخاب باقی تھا۔ الگو اس فکر میں تھے کہ اس مرحلہ کو کیونکر طے کریں۔ کہ یکایک سمجھو سیٹھ کے ایک عزیز گودڑ ساہ بولے۔ سمجھو بھائی سرپنچ کسے بناتے ہو؟"

سمجھو کھڑے ہو گئے اور اکڑ کر بولے "شیخ جمّن کو"

رام دھن مصر نے چودھری کی طرف ہمدردانہ انداز سے دیکھکر پوچھا "الگو تمھیں کچھ عذر ہو تو کہو"

الگو نے قسمت ٹھونک لی حسرتناک لہجہ میں بولے "نہیں مجھے کوئی عذر نہیں ہے"

(۷)

اپنی ذمہ داریوں کا احساس اکثر ہماری تنگ ظرفیوں کا زبردست مصلح ہوتا ہے اور گمراہی کے عالم میں معتبر راہنما۔

ایک اخبار نویس اپنے گوشۂ عافیت مین بیٹھا ہوا مجلس وزرا کو کتنی بیباکی اور آزادی سے اپنے تازیانہ قلم کا نشانہ بناتا ہے۔ مگر ایسے موقع بھی آتے ہین جب وہ خود مجلس وزرا مین شریک ہوتا ہے اس دائرہ مین قدم رکھتے ہی اُسکی تحریر مین ایک دل پذیر متانت کا رنگ پیدا ہوتا ہے۔ یہ ذمہ داری کا احساس ہے۔

ایک نوجوان عالمِ شباب مین کتنا بے فکر ہوتا ہے۔ والدین اُسے مایوسانہ نگاہون سے دیکھتے ہین۔ اُسے ننگ خاندان سمجھتے ہین۔ مگر تھوڑے ہی دنون مین والدین کا سایہ سر سے اُٹھ جانے کے بعد وہی وارفتہ مزاج۔ ننگ خاندان کتنا سلامت رو۔ کتنا محتاط ہو جاتا ہے۔ یہ ذمہ داری کا احساس ہے۔ یہ احساس ہماری نگاہون کو وسیع کر دیتا ہے۔ مگر زبان کو محدود۔

شیخ جمّن کو بھی اپنی عظیم الشان ذمہ داری کا احساس ہوا۔ اُسنے سوچا مین اِسوقت انصاف کے اونچے مسند پر بیٹھا ہون۔ میری آواز اس وقت حکم خدا ہے۔ اور خدا کے حکم مین میری نیّت کو مطلق دخل نہونا چاہیے۔ حق اور راستی سے جَو بھر ٹلنا بھی مجھے دنیا اور دین دونون ہی مین روسیاہ بنا دیگا۔

پنچایت شروع ہوئی۔ فریقین نے اپنے اپنے حالات بیان کیے۔ جرح ہوئی۔ شہادتین گذرین۔ فریقین کے مددگارون نے بہت کھینچ تان کی۔ جمّن نے بہت غور سے سُنا اور تب فیصلہ سُنایا۔

"الگو چودھری اور سمجھو سیٹھ! پنچون نے تمہارے معاملہ پر غور کیا۔ سمجھو کو بیل کی پوری قیمت دینا واجب ہے۔ جسوقت بیل اُنکے گھر آیا اس مین کوئی بیماری نہ تھی۔ اگر قیمت اُسی وقت دیدی گئی ہوتی تو آج سمجھو اُسے واپس لینے کا ہرگز تقاضا نہ کرتے۔

رامدھن مصر نے کہا۔ "قیمت کے علاوہ اُن سے کچھ تاوان بھی لیا جائے۔ سمجھو نے بیل کو دوڑا دوڑا کے مار ڈالا۔"

جمن نے کہا "اس کا اصل معاملہ سے کوئی تعلق نہین ہے"

گوڈرشاہ نے کہا "سمجھوکیساتھ کچھ رعایت ہونی چاہیئے اِنکا بہت نقصان ہوا ہے اور اپنے کئی کی سزا مل چکی ہے"

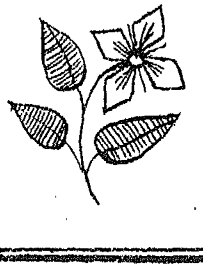
جمّن بولے "اسکا بھی اصل معاملہ سے کوئی تعلق نہین - یہ الگو چودھری کی بھلمنسی پر منحصر ہے" یہ فیصلہ سنتے ہی الگو چودھری پھولے نہ سمائے - اٹھ کھڑے ہوئے اور زور سے ہانک لگائی - پنچ پرمیشری کی جے"

آسمان پر تارے نکل آئے تھے - اِس نعرہ کے ساتھ ان کی صدائے تحسین بھی سنائی دی - بہت مدھم گویا سمندر پار سے آئی ہو۔

ہر شخص جمّن کے انصاف کی داد دے رہا تھا - انصاف اسکو کہتے ہین! آدمی کا یہ کام نہین - پنچ مین پرماتما بستے ہین - یہ اُنکی مایا ہے - پنچ کے سامنے کھوٹے کو کھرا بنانا مشکل ہے -

گھنٹہ بھر کے بعد جمّن شیخ الگو چودھری کے پاس آئے اور انکے گلے سے لپٹ کر بولے "بھیا! جب سے تمنے میری پنچایت کی ہے مین دل سے تمھارا جانی دشمن تھا - مگر آج مجھے معلوم ہوا کہ پنچایت کی مسند پر بیٹھکر نہ کوئی کسی کا دوست ہوتا ہے نہ دشمن - انصاف کے سوا اور اسے کچھ نہین سوجھتا - یہ بھی خدا کی شان ہے - آج مجھے یقین آگیا کہ پنچ کا حکم اللہ کا حکم ہے"

الگو رونے لگے - دل صاف ہو گئے - دوستی کا مرجھایا ہوا درخت پھر ہرا ہو گیا اب وہ بالو کی زمین پر نہین حق اور انصاف کی زمین پر کھڑا تھا -



سوت

(۱)

پنڈت دیو دت کی شادی ہوئے ایک زمانہ گذر گیا۔ مگر کوئی اولاد نہوئی جبتک ان کے ماں باپ زندہ تھے وہ اِن سے ہمیشہ دوسری شادی کرنے کے لیے تقاضا اور اصرار کرتے رہے مگر پنڈت جی کبھی اسپر راضی نہوئے۔ انہین اپنی بیوی گوداوری سے سچی محبت تھی۔ اور اولاد کی آرزو مین وہ اپنی موجودہ عافیت اور اطمینان کو خیرباد نہین کہنا چاہتے تھے۔ اسکے علاوہ وہ کچھ نئے خیالات کے آدمی تھے اور ان ذمہ داریونکو سمجھتے تھے جو اولاد اپنے ساتھ لاتی ہے۔ جبتک انسان مین اتنی مقدرت نہو کہ وہ اپنی اولاد کی کماحقہ پرورش، تعلیم اور تربیت کا کفیل ہو سکے اسے شادی سے محترز رہنا چاہیئے۔ اسے وہ خوب سمجھتے تھے۔ پہلے تو کبھی کبھی بچوّن کو ہنستے کھیلتے دیکھکر ان کے جگر پر ایک چوٹ سی لگتی تھی۔ مگر اب اپنے دیگر ہموطنون کی طرح وہ بھی جسمانی عوارض مین مبتلا رہتے تھے اور اولاد کا خیال کرتے ہی اِنھین ایک خوف سا معلوم ہوتا تھا۔ لیکن گوداوری اتنی جلد مایوس ہونے والی نہ تھی۔ پہلے تو وہ دیوی، دیوتا، گنڈے، تعویذ اور جنتر منتر پر معتقد رہی۔ مگر جب اُسنے دیکھا کہ ان سے کوئی فائدہ نہین ہوتا تو اُس نے پنڈت جی کی دوسری شادی کرنے کا منصوبہ کیا۔ اُس نے ہفتون، مہینون اِس فکر مین کاٹے، دل کو بہت سمجھایا مگر جو بات من مین سما گئی تھی وہ کسی طرح نہ نکلی۔ ہان اسے بڑی زبردست قربانی

کرنا پڑے گی۔ شاید شوہر کی محبت کا انمول رتن بھی اسکے ہاتھ سے نکل جائے۔ پر کیا ایسا ہو سکتا ہے؟ پندرہ سال تک لگاتار جس نخلِ محبت کو پالا اور سینچا۔ کیا وہ ہوا کا ایک جھونکا بھی نہ سہہ سکیگا۔

گوداوری نے آخرکار اولاد کی پرزور خواہش کے سامنے سر جھکا دیا اور سوت کا خیر مقدم کرنے کے لئے تیار ہوگئی

(۲)

پنڈت دیودت گوداوری کی یہ تجویز سنتے ہی ہنس پڑے۔ انھوں نے قیاس کیا کہ یا تو میری محبت کا امتحان لیا جا رہا ہے۔ یا میرا من لینے کی کوشش ہے۔ ہنسکر بات ٹالدی مگر جب گوداوری نے متین انداز سے کہا "تم اسے ہنسی مت سمجھو۔ میں سچے دل سے کہتی ہوں کہ اولاد کا منھ دیکھنے کے لئے میں سوت سے چھاتی پر مونگ دلوانے کے لئے بھی تیار ہوں" یہ کہتے کہتے اسکی آنکھیں پرآب ہوگئیں۔ تب تو پنڈت جی کو کوئی شبہہ نہ رہا۔ اتنے اعلیٰ اور بےنفس ارادے سے بھری ہوئی گوداوری کو انھوں نے گلے سے لگا لیا۔ اور بولے۔ "مجھ سے یہ نہوگا۔ مجھے اولاد کی آرزو نہیں" گوداوری نے زور دیکر کہا "تم کو نہیں مجھے تو ہے۔ اگر اپنی خاطر سے نہیں تو نہیں میری خاطر سے یہ کام کرنا پڑیگا"

پنڈت جی سیدھے سادے آدمی تھے۔ حامی تو نہ بھری۔ مگر کچھ نیم راضی سے ہو گئے۔ بس اسی کی دیر تھی۔ پنڈت جی کو ذرا بھی تکلیف نہ کرنا پڑی۔ گوداوری کی دانشمندی نے ساری منزل آسان کر دی۔ اسنے صرف اپنے پاس سے روپیے ہی نہیں نکالے بلکہ اپنے گہنے کپڑے بھی نذر کر دیئے۔ بدنامی کا خوف اس راستہ میں ایک بڑا زبردست کانٹا تھا۔ دیودت جی یہ سوچتے کہ جب میں سر پر مور سجا کر مونچھیں کتروا کے دولہا بنا ہوا نکلونگا تو لوگ مجھے کیا کہیں گے۔ میرے دفتر کے لوگ میرا مضحکہ اڑائیں گے۔ اور میری طرف مسکراتی ہوئی نگاہوں سے دیکھیں گے۔ انکی یہ نگاہیں چھرے سے بھی زیادہ تیز ہوں گی۔

اسوقت مین کہان منہہ چھپاؤن گا- مگر گوداوری نے اپنے گانون مین جاکر اس کام کو چھیڑا اور بخیریت انجام تک پہونچادیا- نئی بہو گھر مین آگئی- اسوقت گوداوری ایسی خوش تھی گویا بیٹے کا بیاہ کرلائی ہے- وہ خوب گاتی بجاتی رہی- اسے کیا معلوم تھا کہ بہت جلد اس گانے کے بدلے رونا پڑیگا!

(۳)

کئی مہینے گذر گئے- گوداوری اپنی سوت پر اسی طرح حکومت کرتی تھی گویا وہ اسکی ساس ہے تاہم اسے یہ بات اکدم کے لیے نہ بھولتی تھی کہ مین اصل مین اسکی ساس نہین ہون- ادھر گومتی کو بھی اپنی حیثیت کا پورا خیال رہتا تھا- اسی لئے گوداوری کی حکومت، ساس کی حکومت کی طرح سخت نہ ہونے کے باوجود اسے ناقابل برداشت معلوم ہوتی اسے اپنی چھوٹی موٹی ضرورتون کے لیے بھی گوداوری کے سامنے ہاتھ پھیلاتے شرم آتی تھی-

کچھ دنون بعد گوداوری کے عادات مین ایک نمایان فرق نظر آنے لگا وہ پنڈت دیودت کو گھر مین آتے جاتے بڑی تیز متجسس نگاہون سے دیکھتی- اسکی فطری متانت غائب ہی ہوگئی- ذراسی بات بھی اسکے پیٹ مین نہین پچتی- جب پنڈت جی دفتر سے آتے ہین تب گوداوری گھنٹون انکے پاس بیٹھی ہوئی گومتی کا ذکر خیر کیا کرتی ہے- اس داستان مین اکثر ایسی چھوٹی چھوٹی باتون کا ذکر ہوتا ہے کہ جب وہ ختم ہوجاتی ہین تو پنڈت جی کے دل پر سے ایک بوجھ سا اُتر جاتا ہے- گوداوری کیون اتنی پُرگو ہوگئی تھی اسکا راز سمجھنا مشکل ہے شاید وہ اب گومتی سے ڈرتی تھی- اسکے حسن سے، اسکے شباب سے اور اسکی شرمیلی آنکھون سے باندھ کو توڑ کر وہ اب پانی کا بہاؤ مٹی کے ڈھیلون سے روکنا چاہتی ہے!

ایک دن گوداوری نے گومتی سے میٹھے چاول پکانے کو کہا- شاید رکھشا بندھن تھا

گومتی نے کہا شکر نہین ہے۔ گوداوری یہ سنکر متحیر ہوگئی۔ اتنی شکر اتنی جلد کیسے اُٹھ گئی۔ جسے پھاڑ پھاڑ کر کمانا پڑتا ہے۔ اسے اکھرتا ہے۔ کھانے والے کیا جانین!

جب پنڈت جی دفتر سے آئے تو یہ ذرا سی بات ایک طولانی داستان بنکر اُنکے کانون مین پہونچی۔ تھوڑی دیر کے لئے پنڈت جی کو شبہہ ہوا کہ کہین گومتی کو غلبہ اشتہا کا مرض تو نہین ہو گیا۔

ایسا ہی واقعہ ایکبار پھر ہوا۔ پنڈت جی کو بواسیر کی شکایت تھی لال مرچ بالکل نہ کھاتے تھے۔ گوداوری جب کھانا پکاتی تو اس بات کا بڑا خیال رکھتی تھی۔ گومتی نے ایک دن مصالحہ کے ساتھ دال مین تھوڑی سی لال مرچ بھی ڈالدی۔ پنڈت جی نے دال کم کھائی۔ مگر گوداوری گومتی کے پیچھے پڑگئی۔ اینٹھ کر اس سے بولی۔ "ایسی زبان جل کیون نہین جاتی"

(۴)

پنڈت جی سیدھے سادے آدمی تھے ہی۔ دفتر گئے۔ کھانا کھایا، پڑکر سو رہے، وہ ایک ہفتہ وار اخبار منگواتے تھے، مگر اُسے کبھی کبھی مہینون کھولنے کی نوبت نہ آتی تھی جس کام مین ذرا بھی تکلیف یا تردد ہوا اس سے وہ کوسون دور بھاگتے تھے۔ کبھی کبھی اُنکے دفتر مین تھیئیٹر کے پاس مفت ملا کرتے تھے۔ مگر پنڈت جی اُنسے کبھی کام نہ لیتے اور ہی لوگ مانگ لیجاتے تھے، رام لیلا یا اور کوئی میلا تو اُنھون نے شاید نوکری کرنے کے بعد کبھی دیکھا ہی نہین۔ گوداوری انکی عادت سے واقف ہوگئی تھی۔ پنڈت جی بھی ہر ایک معاملہ مین اسی کی رائے پر چلنے مین اپنی عافیت سمجھتے تھے۔

پر روئی جیسی ملائم شے بھی دب کر سخت ہو جاتی ہے۔ پنڈت جی کو یہ آٹھون پہر کی دیکھ بھال سخت ناگوار معلوم ہوتی کبھی کبھی وہ من ہی مین جھنجھلانے بھی لگتے۔ قوت ارادی، جو عرصۂ دراز تک بیکار پڑے رہنے سے بالکل مُردہ ہوگئی تھی، از سر نو عود کرنے لگی۔

پنڈت جی یہ مانتے تھے کہ گوداوری نے سوت کو گھر لانے مین بڑے ایثار سے کام لیا ہے - اِس ایثار کو بشریت سے کوئی مناسبت نہین لیکن اُسکا جو کچھ احسان ہو مجھ پر ہے۔ گومتی پر اسکا کیا احسان ہو میرے باعث اسپر کیون اس بیدردی کا برتاؤ کیا جاتا ہے - یہان اُسے ایسا کونسا سُکھ ملگیا ہے جسکے بدلے مین وہ یہ پھٹکارین سہے شوہر ملا ہے وہ بوڑھا - دائم المریض، گھر ملا ہے - وہ ایسا کہ آج نوکری چھوٹ جائے تو کل نانِ شبینہ کا بھی ٹھکانا نہین - اِن حالات مین گوداوری کا ظالمانہ سلوک اِنھین بہت ناگوار معلوم ہوتا -

گوداوری کی آنکھین اتنی کم بین نہ تھین کہ پنڈت دیودت کے کیفیاتِ قلب نہ نظر آئین، ان کے دِل مین جو خیالات پیدا ہوتے وہ گوداوری کو انکے چہرہ پر موٹے حروف مین منقوش معلوم ہوتے - یہ علم اسکے سینے مین ایک طرف تو گومتی کے خلاف حسد کی آگ بھڑکاتا تھا اور دوسری طرف پنڈت جی پر خودغرضی، بیوفائی، اور دغابازی کا الزام عائد کرتا تھا - نتیجہ یہ ہوا کہ دل کی کدورت روز بڑھتی ہی گئی -

(۵)

رفتہ رفتہ گوداوری نے پنڈت جی سے گومتی کا چرچا کرنا ہی چھوڑ دیا - گویا اسکے نزدیک گومتی گھر مین تھی ہی نہین - وہ اب نہ اسکے کھانے پینے کی خبر لیتی ہے، نہ کپڑے لتے کی - ایکبار کئی دنون تک اُسے اپنے ناشتہ کرنے کو بھی نہ ملا - پنڈت جی آرام طلب آدمی تو تھے ہی وہ ان سب بے عنوانیون کو دیکھتے مگر اپنی عافیت کے سمندر مین تلاطم پیدا ہونے کے خوف سے زبان نہ ہلاتے تھے تاہم یہ آخری بیرحمی انکے غیرمعمولی تحمل و برداشت کے لئے بھی قابل ثابت ہوئی - ایکدن اُنھون نے گوداوری سے ڈرتے ڈرتے کہا "کیا آج کل گھر مین ناشتہ کے لئے مٹھائی وِٹھائی نہین آتی"

گوداوری نے ترش رو ہوکر جواب دیا "کم ناتے ہی نہین تو کہان سے

میرے کوئی نوکر بیٹھا ہے"

دیودت کے دل پر گوداوری کے یہ الفاظ تیر کی طرح لگے۔ آج تک گوداوری نے اُن سے کبھی ایسے لہجہ مین بات چیت نہین کی تھی۔ بولے "آہستہ بولو جھنجھلانے کی تو ملنے کوئی بات نہین کی"

گوداوری نے آنکھین نیچی کرکے کہا۔ مجھے تو جیسا آتا ہے ویسے بولتی ہون۔ دوسرون کی سی میٹھی چکنی باتین کہان سے لاؤن"

دیودت نے ذرا گرم ہوکر کہا "آجکل مجھے تمھارے مزاج کا کچھ رنگ ہی نہین ملتا بات بات پر اُلجھتی ہو"

گوداوری کا چہرہ غصہ کی آگ سے لال ہوگیا۔ بیٹھی تھی، کھڑی ہوگئی، ہونٹ پھڑکنے لگے۔ بولی "اب تمھین میری کوئی بات اچھی نہ لگے گی۔ اب تو سر سے پیر تک مجھ مین عیب ہی عیب بھرے ہین۔ اب اور لوگ تمھاری مرضی کے مطابق کام کرینگے مجھ سے نہین ہوسکتا۔ یہ لو صندوق کی کنجی۔ اپنے روپئے پیسے سنبھال لو۔ یہ آئے دن کی جھنجھٹ مجھ سے نہین برداشت ہوسکتی۔ جب تک نبھا نبھایا۔ اب نہین نبھ سکتا"

پنڈت دیودت کو سکتہ سا ہوگیا۔ جس شورہ پشتی کا انہین خدشہ تھا اُس نے نہایت خوفناک صورت مین اُنکے گھر مین قدم رکھا۔ وہ اور کچھ نہ بول سکے۔ اِسوقت زیادہ بولنے سے بات بڑھ جانے کا اندیشہ تھا۔ وہ باہر چلے آئے اور سوچنے لگے کہ مینے گوداوری کے ساتھ ایسی کونسی بے عنوانی کی ہے جسکا یہ پھل مل رہا ہے۔ اُنکی سمجھ ہی مین نہین آتا تھا کہ گوداوری کے ہاتھ سے نکلکر گھر کا انتظام کیونکر ہوسکیگا۔ اِس قلیل آمدنی مین وہ نہ جانے کو نسا جگت کرتی تھی۔ اب ایشور کیسے پار لگا ئینگے۔ کچھ نہین اُسے منانا پڑیگا، اور ہو ہی کیا سکتا ہے، گومتی کیا کرے گی! سارا بوجھ میرے سر پڑیگا۔ مانیگی تو، مگر مشکل سے۔

مگر پنڈت جی کے یہ خیالات باطل نکلے ـ صندوق کی وہ کنجی زہریلی ناگن کی طرح وہین آنگن مین تین دن تک پڑی رہی ـ کسی کو اُسکے نزدیک جانے کی جرأت نہوئی ـ

چوتھے دن پنڈت جی نے گویا جان پر کھیلکر کنجی اوٹھالی اسوقت انھین ایسا محسوس ہوا گویا کسی نے انکے سر پر پہاڑ اٹھاکر رکھدیا ـ آرام طلب آدمیون کو اپنے مقررہ راستے سے ایک تل بھر ہٹنا بھی دشوار معلوم ہوتا ہے اگرچہ پنڈت دیودت جانتے تھے کہ مین اپنے دفتر کے باعث گھر کا انتظام نہین کرسکتا تاہم انسے اتنی ڈھٹائی نہوسکی کہ وہ کنجی گومتی کو دے دین مگر یہ محض دکھاوا تھا ـ کنجی دیکھنے کو پنڈت جی کے ہاتھ مین رہتی تھی کام سب گومتی کو کرنا پڑتا تھا ـ اس طرح خاندان پر حکومت کرنے کا آخری وسیلہ بھی گوداوری کے ہاتھ سے نکل گیا ـ اہلیہ خانہ کے نام کے ساتھ جو عزّت اور وقار وابستہ ہوتا ہے وہ بھی اس کنجی کے ساتھ چلا گیا ـ دیکھتے دیکھتے گھر کی مہری اور پڑوس کی عورتون کے برتاؤ مین فرق عیان ہونے لگا ـ گوداوری اب معزول رانی تھی جسکا اختیار صرف دوسرون کی ہمدردی ہی پر رہگیا تھا ـ

—— (۶) ——

خانہ داری کے انتظام مین یہ تغیّر ہوتے ہی گوداوری کے عادات مین بھی ایک افسوس ناک تغیّر نظر آنے لگا ـ حسد دل مین رہنے والی شئے نہین ـ ہمسایون مین رات دن اسی خاندان کے چرچے رہتے دیکھو تو دنیا کیسی مطلب کی ہے ـ غریب نے زبردستی دوسرا بیاہ رچایا، جان بوجھکر اپنے پیرون مین کلھاڑی ماری ـ اپنے گہنے کپڑے تک اُتار دیئے ـ مگر اب روتے روتے آنچل بھیگتا ہے ـ سوت تو سوت ہی ہے ـ شوہر نے بھی نظرون سے گرادیا ـ بس اب لونڈی کی طرح گھر مین پڑی پڑی پیٹ جلایا کرے ـ یہ بھی کوئی جینا ہے !

گوداوری یہ ہمدردانہ باتین سنتی اور اسکی آتش حسد اور بھی تیز ہوتی اسے اتنا

نہ سوجھتا کہ یہ زبانی غمگساریاں زیادہ تر نفس انسان ہی کی خباثت سے پیدا ہوتی ہیں۔

گوداوری کو جس امر کا پورا یقین، اور پنڈت دیودت کو جس کا بڑا خوف تھا وہ بات نہوئی۔خانہ داری کے معاملات مین کسی قسم کی رکاوٹ نہین ہوئی۔ہان تجربہ نہ ہونے کے باعث پنڈت جی کے انتظام مین ویسی صفائی نہ تھی کچھ خرچ زیادہ پڑجاتا تھا مگر کام چلا جاتا تھا۔ہان گوداوری کو گومتی کے سبھی کام بے ڈھنگے نظر آتے تھے حسد مین آگ ہے۔مگر آگ کی خاصیت آسیبن نہین ہے، وہ دل کو بھیلانے کے بدلے اور بھی تنگ کر دیتا ہے۔اب گھر مین کوئی نقصان ہو جانے سے گوداوری کو رنج کے بجائے خوشی ہوتی ہے۔برسات کے دن تھے کئی دن آفتاب نہ نظر آیا۔صندوق مین رکھے ہوئے کپڑون مین پھپھوندی لگ گئی۔تیل کے اچار بگڑ گئے۔گومتی کو ان چیزون کو دھوپ مین رکھنے کا خیال نہ رہا۔گوداوری نے یہ نقصانات دیکھے مگر اُسے ذرا بھی افسوس نہ ہوا۔ہان دو چار جلی کٹی باتین سنانے کا موقع البتہ ہاتھ آگیا۔"مالکن بننا ہی آتا ہے۔یا مالکن کا کام کرنا بھی"!

پنڈت دیودت کے عادات مین بھی ایک تبدیلی نظر آنے لگی۔جب تک گوداوری اپنے حسن انتظام سے گھر کا کام کاج سنبھالے ہوئے تھی۔تب تک انھین کسی چیز کی کمی نہین کھلی۔یہان تک کہ ترکاری سبزی وغیرہ کے لئے بھی انھین بازار نہ جانا پڑتا۔مگر اب گوداوری انھین دن مین کئی کئی بار بازار جاتے دیکھتی ہے۔خانہ داری کا انتظام خراب ہونے کے باعث اکثر انھین عین وقت پر بازار بھاگنا پڑتا ہے۔گوداوری یہ سب کایا پلٹ دیکھتی اور سُنا سُنا کے کہتی "یہی مہاراج ہین کہ ایک تنکا بھی نہ اٹھاتے تھے۔اب دیکھتی ہون سارے دن بازار مین ہی کھڑے رہتے ہین۔اب یہ کہتے ہوئے کبھی نہین سُنتی کہ میرے لکھنے پڑھنے مین ہرج ہوگا"

گوداوری کو ایکبار اسکا ثبوت مل چکا تھا کہ پنڈت جی خرید و فروخت کے معاملہ مین بہت ہوشیار نہین - اسی لئے اُسے جب کپڑون کی ضرورت ہوتی تو وہ اپنے پڑوس کے ایک لالہ صاحب سے منگوایا کرتی تھی - پنڈت جی کو یہ بات بھول سی گئی تھی کہ گوداوری کو ساڑیون کی بھی ضرورت ہوتی ہے انکے سر سے تو جتنا بوجھ کوئی ہٹا دے اتنا ہی اچھّا تھا خود بھی وہی کپڑے پہنتے جو گوداوری منگا کر دے دیتی - انھین نت نئے فیشن اور نمونے سے کوئی سروکار نہ تھا - مگر اب کپڑون کے لئے بھی انھین کو بازار جانا ہوتا - ایک بار گومتی کے پاس ساڑیان نہین تھین - پنڈت جی بازار گئے تو ایک بہت نفیس جوڑا لائے - بزاز نے من مانے دام لئے - اُدھار سودا لینے مین پنڈت جی کو مطلق پس وپیش نہ ہوتا تھا - گومتی نے وہ جوڑا گوداوری کو دکھایا - گوداوری نے دیکھا اور مُنھ پھیر کر بولی "بھلا تم نے انھین کپڑے لانا تو سکھا دیا - مجھے تو سولہ سال گذر گئے انکے ہاتھ کا لایا ہوا کپڑا خواب مین پہنا بھی نصیب نہ ہوا"

ایسے واقعے گوداوری کی آتش حسد کو اور بھی زیادہ مشتعل کیا کرتے تھے جب تک اُسے یقین تھا کہ پنڈت جی فطرتاً روکھے ہین تب تک اُسے اطمینان تھا - مگر اب اُنکی یہ نئی نئی اُمنگین دیکھکر اُسے معلوم ہوا کہ مین نے ہزار کوشش کرنے پر بھی جس محبّت کو نہ پایا اُسے گومتی نے محض اپنے حسن سے جیت لیا - اُسے اب یقین ہوا کہ مین جسے سچی محبّت سمجھتی تھی وہ فی الواقع ابلہ فریبی تھی، وہ محبّت نہ تھی، نری خود غرضی تھی -

(۵)

اتفاق سے اسی زمانے مین گومتی بیمار پڑی، اُٹھنے بیٹھنے کی سکت نہ رہی گوداوری کھانا پکانے لگی - مگر اُسے یقین نہ ہوا کہ گومتی واقعی بیمار ہے - وہ سمجھتی تھی کہ مجھ سے کھانا پکوانے کے لئے یہ سوانگ رچا گیا ہے - پڑوسنون سے کہتی کہ لونڈی

بننے مین اتنی ہی کسر تھی وہ بھی پوری ہوگئی۔

پنڈت جی کو آجکل کھانا کھاتے وقت بھاگا بھاگ سی پڑجاتی ہے معلوم نہین کیون وہ اکیلے گوداوری سے باتین کرتے ڈرتے ہین۔ جانے کیا لعن طعن کرنے لگے اسی لئے کھانا کھاتے وقت وہ ڈرتے رہتے تھے کہ کہین وہ منحوس گھڑی آنہ جائے۔ گوداوری اپنی تیز نگاہون سے انکی یہ حالت دیکھتی اور دل مین اینٹھ کر رہجاتی ایک دن اس سے نہ رہا گیا۔ بولی۔ "کیا مجھ سے بولنے کی بھی ممانعت کر دی گئی ہے۔ دیکھتی ہون کہین تو رات رات بھر باتون کا تار نہین ٹوٹتا۔ پر میرے سامنے منھ نہ کھولنے کی بھی قسم کھالی ہے۔ گھر کا رنگ ڈھنگ تو دیکھتے ہو نہ۔ اب تو سب کام تمھاری مرضی کے مطابق ہو رہا ہے"!

پنڈت جی نے سر نیچا کئے ہوئے جواب دیا۔ "آخر جیسے چلتا ہے ویسے چلتا ہی۔ اب اس فکر مین کیا اپنی جان دیدون؟ جب تم یہی چاہتی ہو کہ گھر مٹی مین ملجائے تو میرا کیا بس ہے"؟

اسپر گوداوری نے کچھ سخت باتین کہین۔ بات بڑھ گئی۔ پنڈت جی اُٹھ آئے۔ گوداوری نے قسم دلا کر انھین بٹھانا چاہا مگر وہ نہ بیٹھے۔ تب اُسنے رسوئین اُٹھادی۔ سارے گھر کو فاقہ کرنا پڑا۔ گومتی مین ایک خاص صفت یہ تھی کہ بات چاہے کیسی ہی سخت کیون نہ ہو وہ سہہ لیتی تھی۔ مگر بھوک کی برداشت اس سے نہو سکتی تھی۔ اِسی لئے وہ کبھی کوئی برت (روزہ) نہ رکھتی تھی۔ ہان بہت اصرار کرنے سے جنم اشٹمی رکھ لیتی تھی لیکن آجکل بیماری کے باعث اُسے اور بھی بھوک لگتی تھی۔ جب اُسنے دیکھا کہ دوپہر ہونے آئی اور کھانا ملنے کی کوئی امید نہین تو اُسنے مجبور ہو کر بازار سے مٹھائی منگوائی۔ ممکن ہے اُسنے محض گوداوری کو جلانے کے لئے یہ حرکت کی ہو کیونکہ کوئی بھی ایک وقت بھوکے رہنے سے مر نہین جاتا۔ گوداوری کے سر سے پیر تک آگ لگ گئی اُسنے بھی فوراً مٹھائیان

منگوائیں اور آج کئی برس کے بعد خوب پیٹ بھر کے مٹھائی کھائی۔ یہ سب حسد کے کرشمے ہیں۔

جو گوداوری دوپہر ہونے سے پہلے منہ میں پانی ڈالنا گناہ سمجھتی تھی وہی گوداوری اب روزانہ علی الصباح ناشتے کے بغیر بیقرار ہو جاتی ہے۔ سر میں وہ ہمیشہ میٹھا تیل ڈالتی تھی۔ اب میٹھے تیل سے سر میں درد ہونے لگتا تھا۔ پان کھانے کا شوق بھی پیدا ہوا۔ حسد نے اُسے نئی نویلی بہو بنا دیا۔

جنم اشٹمی کا مبارک دن آیا۔ پنڈت دیودت کی خلقی بھولیت ان دو تین دنوں کے لئے رخصت ہو جاتی تھی۔ وہ بڑے جوش سے اسکی تیاریاں کرتے تھے۔ گوداوری یہ برت بے آب و دانہ رکھتی تھی۔ اور پنڈت جی تو کرشن کے بھگت ہی تھے۔ انکے لئے بے آب و دانہ رہنا لازمی تھا۔ انکے اصرار سے ابکی گومتی نے بھی نرجل برت رکھنے کی جرأت کی۔ مگر اسے انتہا درجہ تعجب ہوا جب مہری نے کہا "بڑی بہو برت نہ رکھینگی انکے لئے بازار سے پوریاں منگوا دینا"

شام کے وقت گوداوری نے ٹھاکر دوارہ جانے کے لئے یکّہ کی فرمایش کی۔ گومتی کو یہ بات ناگوار معلوم ہوئی۔ ٹھاکر دوارہ بالکل قریب تھا۔ اب یکّے والے آج سیدھے منہ سے بات نہیں کرتے تھے۔ وہ چڑھکر بولی "فضول پیسے پھینکنے سے کیا فائدہ ٹھاکر دوارہ کون بڑی دور ہے۔ پاؤں پاؤں کیوں نہیں چلی جاتیں۔ فرمایش کر دینا آسان ہے۔ کھلتا ہے اسکو جو چھاتی پھاڑ کر کماتا ہے"

تین سال پہلے گومتی نے اسی طرح کی باتیں گوداوری کے منہ سے سُنی تھیں۔ آج وہی باتیں گوداوری کو گومتی کے منہ سے سُننا پڑیں۔ دنوں کا پھیر!

گوداوری ان دنوں بڑی بیدلی سے کھانا بناتی تھی۔ پنڈت جی کے پرہیز کے متعلق اُسے اب پہلے کی سی احتیاط نہ تھی۔ ایک دن اُسنے مہری سے کہا۔ کہ انداز سے مصالحے

نکال کر پیس لا۔ مصالحے دال مین پڑے تو دال ذرا تیز ہو گئی۔ مارے خوف کے پنڈت جی سے نہ کھائی گئی اور آرام طلب آدمیون کی طرح چٹپٹی چیزین انھین بھی مرغوب تھین لیکن مرض کے ہاتھون مجبور تھے۔ گومتی نے جب یہ ماجرا سُنا تو بھوین چڑھا کر بولی۔ "کیا بڑھاپے مین زبان گز بھر کی ہو گئی ہے" کچھ اسی طرح کی سخت باتین پہلے گوداوری نے بھی کہی تھین آج اسکی سننے کی باری تھی۔ نیرنگیٔ روزگار اسی کا نام ہے۔!

(۸)

آج گوداوری گنگا سے ملنے آئی ہے۔ تین سال ہوئے وہ ایکبار دولھا دولھن کو لیکر گنگا کو دودھ چڑھانے آئی تھی۔ آج وہ اپنی جان اُسے نذر کرنے آئی ہے۔ آج وہ اُسکے مسرت بار موجون مین آرام کرنا چاہتی ہے۔

گوداوری کو اب اُس گھر مین ایک ایک لمحہ رہنا شاق تھا جس گھر مین رانی بنکر رہی اُسی گھر مین لونڈی بنکر رہنا اُس جیسی خود دار عورت کے لئے مُحال تھا۔

اب اس گھر سے گوداوری کا تعلق صرف اُس پُرانی رسّی کی طرح تھا جو بار بار گرہ دینے پر بھی کہین نہ کہین سے ٹوٹ ہی جاتی ہے اُسے گنگا جی کے دامن مین پناہ لینے کے سوا اور کوئی تدبیر نہ نظر آتی تھی۔

کئی دن ہوئے اسکے منھ سے بار بار جان دے دینے کی دھمکی سُنکر پنڈت جی غصے سے بول اُٹھے تھے "تم کسی طرح مر بھی تو جاتین" گوداوری وہ زہریلے الفاظ اب تک نہ بھولی تھی۔ چبھنے والی باتین اسکے دل پر پتھر کی لکیر بنجاتی تھین۔ آج گومتی نے بھی وہی باتین کہین۔ اگرچہ اُسنے بہت کچھ سُننے پر یہ الفاظ زبان سے نکالے تھے مگر گوداوری کو اپنی باتین تو بھول گئی تھین صرف گومتی کی باتین کان مین گونج رہی تھین۔ آہ! اور پنڈت جی نے اُسے ڈانٹا تک نہین! مجھ پر ایسا غضب ڈھایا جائے اور وہ زبان تک نہ کھولین۔!

آج سب لوگون کے چلے جانے پر گوداوری گھر سے باہر نکلی۔ آسمان پر کالی گھٹائین چھائی ہوئی تھین۔ پانی کی جھڑی لگی ہوئی تھی اُسکی آنکھون سے بھی آنسو کی دھار بہہ رہی تھی۔

محبت کی زنجیر کتنی مضبوط ہے۔ اور پھر کتنی نازک! نازک ہے دغا کے سامنے، مضبوط ہے بیوگ کے سامنے۔ گوداوری چوکھٹ پر کھڑی گھنٹون روتی رہی۔ کتنی ہی پچھلی باتین اُسے یاد آتی تھین۔ کبھی اسی گھر مین اسکے لئے محبت بھی تھی، عزت بھی تھی۔ زندگی کا سکھ بھی تھا، مگر اب کیا ہے! فوراً پنڈت جی کی وہ دل خراش باتین یاد آ گئین۔ آنکھون سے پھر آنسو جاری ہو گئے۔ گوداوری گھر سے چل کھڑی ہوئی۔

اِس وقت اگر پنڈت دیودت ننگے سر، ننگے پاؤن، پانی مین بھیگتے، دوڑتے آتے اور کانپتے ہوئے ہاتھون سے گوداوری کو پکڑ کر اپنے دھڑکتے ہوئے سینے سے لگا لیتے اور کہتے "پیاری"، اسکے سوا انکی زبان سے اور کچھ نہ نکلتا۔ کیا تب بھی گوداوری اپنے ارادے پر قائم رہتی؟

کنوار کا مہینہ تھا۔ رات کو گنگا کے لہرون کی گرج بہت خوفناک معلوم ہوتی تھی۔ ساتھ ہی جب یکایک بجلی کوند جاتی تو اُچھلتی ہوئی لہرین روشنی مین ایسی معلوم ہوتین گویا روشنی خود مست ہاتھیون کے جسم مین کلیلین کر رہی ہین۔ نزاع ہستی کا ایک خوفناک منظر آنکھون کے سامنے پھیلا ہوا تھا۔

گوداوری کے سینے مین بھی اسوقت خیالات کی پُرشور لہرین اُٹھتی تھین، اور آپس مین ٹکراتی اینٹھتی ہوئی غائب ہو جاتی تھین۔ کہان؟ تاریکی مین جہان کچھ نہین تھا۔

کیا یہ گرجنے اُمڈنے والی گنگا گوداوری کے دل بیقرار کو تسکین دے سکتی ہے؟

اسکی لبون سے نغمۂ شیرین کی صدائین نہین آتین - اسکی آنکھون مین رحم کی جھلک نہین ہے - وہ اسوقت غضبناک اور پرخروش ہین -

گوداوری کنارے بیٹھی کیا سوچ رہی تھی - کون کہہ سکتا ہے؟ کیا اب بھی اُسے یہ کھٹکا نہین تھا کہ پنڈت دیودت آتے ہون! پریم کی رسّی کتنی مضبوط ہوتی ہے!

اُسی تاریکی مین حسد اور یاس، اور بے مہری کے ہاتھون ستائی ہوئی یہ دُکھیا گنگا کی گود مین گر پڑی - لہرین چارون طرف سے جھپٹین اور اُسے نگل گئین -

سویرا ہوا - گوداوری گھر مین نہین تھی - اِسکی چارپائی پر یہ خط پڑا ہوا تھا

"سوامی جی! دنیا مین آپ کے سوا اور میرا کون تھا - مین نے اپنا سب کچھ آپ کے سُکھ کے نذر کر دیا - اب آپکا سُکھ اسی مین ہے کہ مین اس دُنیا مین نہ رہون اسی لئے یہ جان بھی اب آپ کے نذر ہے - مجھ سے جو کچھ خطائین ہوئی ہون انھین معاف کیجئے گا - ایشور آپ کو سدا سُکھی رکھے" پنڈت جی اس خط کو پڑھتے ہی غش کھا کر گر پڑے، گومتی رونے لگی - مگر معلوم نہین کیا سوچکر؟



بانگ سحر

(۱)

شیخ وفاتی موضع شیخوپورہ کے مکھیا تھے۔ گانؤن مین اِنکی بڑی عزت تھی۔ داروغہ جی اُنھین بغیر ٹاٹ کے زمین پر کبھی نہ بیٹھنے دیتے۔ اور یہ اعزاز کچھ غیر مناسب نہین تھا۔ مکھیا صاحب کی مرضی کے بغیر گانؤن مین ایک پتّا بھی نہین ہلسکتا تھا۔ میان بیوی کی شکر رنجیان، ساس اور بہو کے قضیئے، اور اسی قبیل کی دیگر سنگین واردداتین آئے دن ہوتی رہتی تھین۔ اِنکی تنقیح، تجویز، فیصلہ سب مکھیا صاحب ہی کے دربار مین ہوجاتا تھا۔ ہان وہ اپنے اِن منصفانہ خدمات کی کچھ نہ کچھ فیس ضرور لے لیا کرتے تھے۔ وہ فریقین سے بہت دانشمندی کے ساتھ فرماتے۔ آخر عدالت مین معاملہ جائیگا۔ سیکڑون روپیہ پر پانی پھر جائیگا۔ تکلیف، پریشانی، ہرج، یہ مزید بران۔ اِن مصارف کثیر کے دیکھتے ہوئے اگر تھوڑی سی فیس مین کام نکل جائے۔ تو کسکو شکایت کا موقع ہوسکتا تھا۔ لیکن اگر اتنی سچی خدمت پر بھی کوئی مکھیا صاحب سے بدظن ہوجائے یا زیادتی کی شکایت کرے تو یہ اُسکی نادانی تھی۔ اسمین چاہے اِنھین کوئی بھلا کہے یا بُرا، کوئی خوش ہو یا ناراض، وہ مطلق رو رعایت نہین کرتے تھے۔ تاہم وقتاً فوقتاً اِن کی شرافت و انسانیت اس حالت مین بھی اِنھین رعایت پر مجبور کردیتی تھی۔ اگر فیس نقد نہ مہیّا ہوسکے تو وہ مکان یا دیگر جائداد منقولہ و غیر منقولہ کا بیعنامہ لکھا لیا کرتے تھے۔ کبھی کبھی ایسا بھی ہوتا تھا کہ متنازعین بالکل فاقہ مست ہوتے جنھین نہ پیٹ کی روٹی

میسّر، نہ تن کو کپڑا، مگر شیخصاحب کا خدا بھلا کرے وہ اپنے آستانِ عدالت سے انھیں بھی مایوس و محروم نہین آنے دیتے تھے، صرف فیس مقررہ کی دُگنی رقم کی "پچیس روپیہ سیکڑہ" سود کی شرح سے ایک دستاویز لکھا لیتے۔ اِن ہمدردیوں کا یہ نتیجہ تھا کہ گانوُن کے سارے آدمی، کیا غریب، کیا متوسط، انکے دامِ شرافت مین گرفتار تھے۔ رہے دولت والے، اُنسے شیخ صاحب کا دوستانہ تھا۔ اُنسے دب کر رہتے، چار باتین تم کہا جاتے۔ مگر اُنکے عمّم اور داروغہ جی کے عرصہ مین کوئی روحانی یا خلقی نسبت تھی۔ اسلیئے اس خاص حلقے مین شیخ جی ایک خوفناک دوست، اور قاتل دشمن سمجھے جاتے تھے۔

(۲)

شیخ جی کے خوشۂ حیات مین تین دانے تھے۔ فرزند اکبر شیخ جمعراتی ایک تعلیم یافتہ آدمی تھے۔ ڈاکیہ کے رجسٹر پر دستخط کر لیتے۔ بڑے قانون دان، معاملہ فہم، تجربہ کار۔ کُرتے کے بجائے قمیص پہنتے۔ صدری کے بجائے واسکٹ زیب بر کرتے۔ اور کبھی کبھی سگریٹ سے بھی شوق فرماتے۔ اگرچہ انکی یہ فضول خرچیان شیخ وفاتی کو حد درجہ ناپسند تھین۔ مگر مجبور تھے۔ کیونکہ عدالت اور قانون کے معاملات اُسی کے ہاتھون انجام پاتے۔ وہ قانون کا پُتلا تھا۔ قانونی دفعات اُسکی نوکِ زبان تھے۔ قانونی اصطلاحون مین باتین کرتا۔ اور فنِ شہادت مین تو یدِ طولیٰ رکھتا تھا۔ منجھلے صاحبزادے میان شبراتی ایسے صاحبِ دماغ نہ تھے۔ مگر بلا کے جفاکش۔ صیغۂ زراعت اُن کے سپرد تھا۔ جہان گھاس بھی نہ جمتی ہو وہان کیسر پیدا کر دین۔ رہے میان خیراتی وہ ایک زندہ دل نوجوان تھے۔ محرّم مین ڈھول اس زور شور سے بجاتے کہ گانوُن مین شورِ قیامت برپا ہوجاتا۔ مچھلی کا شکار اُنکا دلچسپ مشغلہ تھا۔ رنگین طبیعت پائی تھی۔ دف بجا بجا کر جب وہ مستانہ انداز سے خیال گاتے تو سمان چھا جاتا۔

دنگل کا ایسا شوق کہ منتریون کا دھاوا مارتے - مگر انکی ان عرق ریزیون کی گھر والے بالکل قدر نہ کرتے تھے ، پدر بزرگوار اور برادران نیک شعار نے تو اُسے عضو معطل سمجھ رکھا تھا - گھر کی دھمکی ، پند و نصیحت ، منت و سماجت ، انکا اُسپر مطلق اثر نہوا - مگر مستقل مزاج بھاوجین ابھی تک اسکی طرف سے مایوس نہین ہوئی تھین - وہ ابھی تک اسے کڑوی دوائین پلاتی جاتی تھین - مگر کاہلی وہ راج روگ ہے جسکا مریض کبھی نہین پنپتا ایسا کوئی دن نہ جاتا کہ میان خیراتی کو ان ہردو خاتونون کی تلخ زبانیون کا آماجگاہ نہ بننا پڑتا ہو - یہ زہر مین بجھے ہوئے تیر کبھی کبھی اسکے فولادی دل مین چُبھ بھی جاتے اگر ان زخمون پر کوئی مرہم رکھنے والا تھا تو یہ اسکی غمگسار بیوی تھی - مگر اسکے مرہم بھی ایسے تیز ہوتے کہ زخم پر نمک کا کام دیتے -

لیکن میان خیراتی پر ان پے درپے چرکون اور نمک پاشیون کا اثر ایک شب سے زیادہ نہ قائم رہتا - صبح ہوتے ہی کسل و ماندگی کے ساتھ یہ زخم بھی رفع ہوجاتا تھا تڑکا ہوا ، اُسنے مُنھ ہاتھ دھویا بنسی اُٹھائی اور تالاب کی طرف چل کھڑا ہوا - بھاوجین تکل ریزیان کرتی رہین - بوڑھے شیخ پینترے بدلتے رہتے - برادران نیک شعار سرگوشیان کیا کرتے - مگر اپنی دھن کا پورا خیراتی اس نرغہ سے یون اکڑتا اینڈتا ہوا نکل جاتا جس طرح ایک مست ہاتھی بھونکتے ہوئے کتون کے بیچ سے نکل جاتا ہے - اُسے راہ راست پر لانے کے لیے کیا کیا تدبیرین نہین کی گئین - باپ سمجھاتا - بیٹا ایسی راہ چلو جسمین تمھین بھی چار پیسے ملین - اور گرہستی کا بھی نباہ ہو - بھائیون کے بھروسے کب تک رہوگے - مین پکا آم ہون - آج ٹپک پڑون ، کل ٹپک پڑون " - پھر تمھارا کیسے گذر ہوگا - بھائی لوگ بات بھی نہ پوچھینگے - بھاوجون کا رُخ دیکھ ہی رہے ہو آخر تمھارے بھی بیوی بچے ہین - انکا بوجھ کیسے سنبھالوگے - کھیتی مین جی نہ لگے کہو کوئی دوکان کھلوا دون - کچھ لین دین کرو - کچھ تو کرو - خیراتی کھڑا کھڑا یہ سب سنتا

مگر پتھر کا دیوتا تھا۔ اِن باتون سے کبھی پسیجتا۔ ایک بار جب کئی دن تک اسکی بیوی روٹھی رہی۔ اِن حضرت کی خرمستیون کا خمیازہ اس بے زبان کو بھگتنا پڑتا۔ گھر کے جتنے مشکل ترین کام ہوتے وہ اِسی کے سر تھوپے جاتے۔ اُپلے پاتھتی، کنوئین سے پانی لاتی، آٹا پیستی۔ اور اتنے پر بھی جٹھانین سیدھے منھ سے بات نکرتین۔ تیرون سے چھیدا کرتین۔ آخر جب وہ شوہر سے کئی دن روٹھی رہی۔ تو میان خیراتی کچھ نرم ہوئے۔ باپ سے جاکر کہا مجھے کوئی دوکان کرا دیجئے۔ شیخ جی نے خدا کا شکر کیا۔ پھولے نہ سمائے کئی سو روپیہ لگا کر بزازی کی دوکان کھولی۔ خیراتی کے نصیب چمکے۔ تنزیب کی اچکن بنوائی۔ ململ کا صافہ دھانی رنگ مین رنگوایا۔ سَودا بکے یا نہ بکے۔ اُسے نفع ہی ہوتا تھا دوکان کھلی ہوئی ہے۔ دس پانچ احباب دلنواز جمع ہین۔ چرس کے دم اُڑ رہے ہین۔ اور خیال کی ترنگین اُٹھی ہوئی ہین۔

مجنون کا معشوق چھبیلا۔ چلے چال مستانہ۔

اِس طرح تین مہینے چین سے کٹے۔ خیراتی نے خوب دل کے ارمان نکالے۔ یہانتک کہ ساری لاگت نفع ہوگئی۔ ٹاٹ کے ٹکڑون کے سوا اور کچھ نہ بچا۔ شیخ جی کنوئین مین گرنے چلے۔ بھاوجون نے کہرام مچایا۔ غضب خدا کا۔ ہمارے بچّے اور ہم لنگوٹیون کو ترسین۔ گاڑھے کا ایک کُرتا بھی ملا ہوتا تو دل کو تسکین ہوتی اور ساری دوکان اس شُہدے کا کفن بنگئی۔ اب کون منھ دکھائیگا۔ کون مُنھ لیکر گھر مین قدم رکھے گا۔ مگر خیراتی خان وہی منھ لئے ہوئے پھر گھر مین آئے۔ پھر وہی رفتار قدیم اختیار کی۔ شبراتی اسکا پُرتکلف لباس دیکھکر جل جاتا۔ مین صبح سے شام تک بیل کی طرح پسینہ بہاؤن۔ مجھے نین سکھ کا کُرتہ نہ میسّر ہو۔ اور یہ اپاہج دن بھر چارپائی توڑے اور اس شان سے بن ٹھنکر نکلے۔ ایسے کپڑے تو شاید مجھے اپنی شادی مین بھی نہ ملے ہون۔ میان جمعراتی کے دل مین بھی کچھ ایسے ہی خیالات فاسد پیدا ہوا کرتے۔ آخر جب

یہ جلن نہ سہی گئی اور شعلہ دھکا تو ایک روز شبراتی کی بیوی میان خیراتی کے سارے کپڑے اُٹھا لائین اور اُنپر مٹی کا تیل اُنڈیل کر آگ لگا دی۔ شعلے بلند ہوئے۔ خیراتی روتے تھے۔ دونون بھائی اور دونون بھاوجین تالیان بجاتے تھے۔ میان دفاتی نے یہ نظارہ دیکھا اور سر پیٹ لیا۔ یہ نفاق کی آگ ہے۔ گھر کو جلا کر راکھ کر دیگی۔

(۳)

یہ شعلہ تو فرو ہوا مگر دلون کے شعلے جون کے تون دہکتے رہے۔ آخر بوڑھے میان دفاتی نے گھر کے سب آدمیون کو جمع کیا اور میان جمعراتی سے جنھین فرزند رشید ہونیکا فخر تھا مخاطب ہو کر بولے۔ "بیٹا جمعراتی۔ تم نے آجکا حال دیکھا۔ سیکڑون روپیہ پر پانی پھر گیا۔ کسے کیا کہون۔ بس اسطرح نباہ نہین ہو سکتا۔ تم سمجھدار ہو۔ مقدمہ معاملہ کرتے ہو۔ ایسی کوئی راہ نکالو کہ گھر تباہی سے بچے۔ مین تو یہ چاہتا تھا کہ اپنی زندگی بھر سب کو سمیٹے رہون مگر اللہ کو کچھ اور ہی منظور ہے"۔

میان جمعراتی اپنی قانونی تجربہ و علم کے بنا پر کچھ جواب دینے ہی والے تھے کہ اُنکی بیوی صاحبہ نے پیشقدمی کی۔ اُنکی قانون دانی یہان پر ہمیشہ پس پشت رہ جاتی تھی۔ میان! اب سمجھانے بجھانے سے یون کام نہ چلیگا۔ سہتے سہتے ہمارا کلیجہ پک گیا۔ بیٹے کی جتنی پیر باپ کو ہوگی، اتنی کیا اُسکی آدھی بھی بھائی کو نہین ہو سکتی۔ مین تو بات صاف کہتی ہون۔ خیراتی کا تمھاری کمائی مین حق ہے۔ اُنھین سونے کے کَور کھلاؤ، اور چاندی کے ہنڈولے مین جھلاؤ۔ ہم مین نہ اتنا بوتا ہے نہ اتنی ہمت۔ ہم اپنی جھونپڑی الگ بنالین گے۔ ہان جو کچھ ہمارا ہو وہ ہمکو ملنا چاہیئے۔ کل بانٹ بکھرا کر دیجیے۔ بلا سے چار آدمی بُرا کہین گے۔ کھائی کو نکال دیا۔ اب کہان تک دنیا کا لاج ڈھوئین۔

میان جمعراتی کے دل پر اس پر زور وکالت نے جو اثر کیا وہ چہرہ سے جھلک رہا تھا۔ اُن مین خود اتنی جُراَت شاید نہین تھی کہ صورت حال کو اس صفائی سے پیش کر سکتے۔ قانونی

اہمیت کے ساتھ بولے "اسکے سوا تو مجھے اور کوئی نظیر نہین ملتی - جائداد مشترک حسب قانون دیوانی آپ کے حین حیات تقسیم کی جا سکتی ہے -

اب میان شبراتی کی باری آئی - مگر غریب کسان - بیلون کے پیچھے آنکھ بند کرکے چلنے والا - ایسے اہم معاملات مین زبان کھولنے کی کیونکر جرأت ہوتی - کشمکش مین پڑا ہوا تھا - بارے اُسکی وفادار بیوی نے اپنی جٹھانی کی تقلید کرکے یہ مشکل آسان کی "رحیمن بہن نے جو راہ نکالی ہے اُسکے سوا اور کوئی رستہ نہین ہے - اب اسی طرح کام چلیگا - کوئی تو کلیجہ توڑ توڑ کے محنت کرین - نہ دن کو دن سمجھے نہ رات کو رات - ایک ایک پیسے کو ترسین کبھی تن ڈھانکنے کو لبتہ تک نہ ملے - اور کوئی میٹھے لقمے کھائے اور چین کی نیند سوئے - ہم چھاتی پھاڑ کے کمائین - دوسرے ہاتھ بڑھا بڑھا کے کھائین - ایسی اندھیر نگری مین اب ہمارا گذر نہ ہوگا - ہم بھی اپنی ہانڈی الگ جلائین گے - جو روکھا سوکھا اللہ دیگا کھائین گے - اور اُسکا شکر کرین گے "

میان شبراتی کے چہرہ کی شگفتگی اور بشاشت بتلا رہی تھی کہ یہ آواز گو دوسرے قالب سے نکلی ہے مگر اسی کی ہے - بیج اُسی کے دل مین اُگا تھا - مگر ذخیرہ سے کھیت مین پہونچکر وہ زیادہ مضبوط اور سرسبز ہو گیا ہے - صرف اسکی تصدیق کی ضرورت تھی - سر ہلا کر اور جمعراتی کی طرف پر معنی نگاہون سے دیکھکر بولے "ہان! بات تو یہی ہے"

بوڑھے شیخ جی نے اب خیراتی کی طرف روئے سخن کرکے فرمایا "کیون بیٹا تمہین بھی یہی منظور ہے! ابھی کچھ نہین بگڑا ہے - یہ دہکتی ہوئی آگ اب بھی بجھ سکتی ہے - کام سب کو پیارا ہوتا ہے - چام کسی کو پیارا نہین ہوتا - بولو کیا کہتے ہو - کچھ روزی روزگار کروگے یا ابھی آنکھین نہین کھلین ؟

خیراتی بھائیون کی اس بیرخی پر جھنجھلا گیا تھا اُسے ایسا غصہ آتا تھا کہ ان عورتون کی زبان تالو سے کھینچ لے - یون تو بہت متحمل آدمی تھا مگر تنگ آمد بجنگ آمد کا مسئلہ تھا -

بولا۔ "جو کچھ بھائی صاحبون کی مرضی ہے وہی میرے دل سے بھی لگی ہوئی ہے۔ مین بھی اِس جنجال سے اب بھاگنا چاہتا ہون۔ مجھ سے نہ محنت مزدوری ہوئی ہے اور نہ ہوگی۔ یہ تو اللہ کا کرم ہے۔ جسکے نصیب مین چکی پیسنی لکھی ہو وہ پیسے۔ میرے نصیبون مین تو عیش کرنا لکھا ہوا ہے۔ مین کیون اپنا سر اُکھلی مین دون۔ مین تو کسی سے نہین کہتا کہ یہ کام کر، وہ کام کر، پھر لوگ میرے پیچھے کیون پڑے ہوئے ہین۔ جسے کام کرنا ہو کرے نہ کرنا ہو نہ کرے۔ جب مین کہون کہ مجھے پلاؤ کھلاؤ، مخمل پہناؤ۔ تب میری زبان کاٹ لو۔ آخر میرے ذمے تین ہی جانین ہین۔ بچہ ابھی نادان ہے۔ کھیلنا کودنا اُسکا کام ہے۔ کیا وہ اس کام سے جی چراتا ہے۔ گھروالی ہے وہ سارے خاندان کی لونڈی ہے۔ پانی وہ بھرے، چکی وہ پیسے، اُپلے وہ پاتھے۔ کیا وہ کام سے جی چراتی ہے؟ رہ گیا مین۔ بس میرا ہی پیٹ بھاری ہے نہ۔ آپ لوگ اپنی اپنی فکر کیجیے۔ مجھے اللہ پر چھوڑ دیجیے۔ مجھے آدھ سیر آٹے کی کمی نہین ہے۔ جیسی سر پر آئیگی بھگت لونگا۔"

اِس قسم کی خاندانی کنفرنسین بارہا ہوئی تھین۔ مگر معمولی تمدنی و ملکی کنفرنسون کی طرح اِن سے بھی کچھ نتیجہ نہ نکلا۔ دو تین دن خیراتی نے گھر پر کھانا نہین کھایا۔ جتن سنگھ ٹھاکر شوقین آدمی تھے۔ خیال کے عاشق۔ اُنکے چوپال مین پڑا رہتا۔ آخر میان وفاتی گئے۔ اور منا کر لائے۔ اور پھر پرانی بوسیدہ مشین قدیم رفتار پر، اڑتی، چھلتی، شور مچاتی چلنے لگی۔

(۴)

قاضی کے گھر کے چوہون کی طرح شیخ وفاتی کے گھر کے بچے بھی سمجھدار تھے۔ اُنکے لیے مٹی کے گھوڑے مٹی کے گھوڑے اور کاغذ کی چڑیان تھین کاغذ کی چڑیان تھین۔ جنکی مفرحانہ تاثیرات کا احاطہ بہت وسیع علم تھا۔ گولر اور جنگلی بیر کے سوا، اور ایسا کوئی پھل نہ تھا جسے وہ بیماریون کا گھر نہ سمجھتے ہون۔ مگر گُردین کے خوانچہ مین کچھ ایسی پُر زور کشش تھی کہ ہفتون کی متواتر تعلیم و

تربیت کے اثر کو دم زدن میں کافور کردیتی - وہ عام بچون کی طرح اگر سوتے بھی ہون تو گلابی ریوڑیون کی میٹھی صدا سُنتے ہی چونک پڑتے تھے - گرُدین ہفتہ وار بلاناغہ چکر لگاتا - اسکی آمد کے انتظار اور اشتیاق مین بچون کو بلاکسی مدرس کی امداد کے اعداد اور دنون کے نام یاد ہوگئے تھے - بوڑھا سا میلا کچیلا بیڈول آدمی تھا - مگر قرب وجوار کے مواضعات مین اُسکا نام ضدی اور شریر بچون کے لئے جادو سے کم اثر نہ رکھتا تھا - اسکی آواز سنتے ہی اُسکے خوانچہ پر بچون کی ایسی یورش ہوتی کہ مکھیون اور بھڑون کی فوج عظیم کو بھی راہ فرار اختیار کرنا پڑتی - اور اگر بچون کے لئے خوانچہ کی مٹھائیان تھین تو ماؤن کے لئے اس سے بھی زیادہ میٹھی قند وشکر کی سی باتین تھین - مان منع کرتی رہے - چیلے کہے - ابھی پیسے نہین ہین - کل لے دونگی مگر وہ جھٹ پٹ مٹھائیون کا دونا بچہ کے ہاتھ مین رکھدیتا - اور فلسفیانہ انداز سے کہتا بہو جی! پیسون کے لئے کچھ فکر نکرو - پیسے پھر مل رہینگے - کہین بھاگے تھوڑے ہی جاتے ہین - نارائن نے تمھین بچے دیئے ہین تو مجھے بھی انکی پچھاور ملجاتی ہے - انھین کی بدولت میرے بال بچے بھی جیتے ہین - ابھی کیا - ایشور انکا سہرا تو دکھائے - پھر دیکھنا گرُدین کیسا ٹھنگن کرتا ہے - اُسکا یہ وتیرہ اُصولِ تجارت کے بالکل خلاف ہی کیون نہو، تونقد نہ تیرہ اُدھار کی مثل عملی تجربہ اور صداقت پر ہی کیون نہ مبنی ہو مگر گرُدین کو اپنی نرالی روش پر پچھتانے یا اس مین ترمیم کرنے کی کبھی ضرورت نہین ہوئی -

منگل کا مُبارک دن تھا - بچے بڑی بے چینی کے ساتھ اپنے اپنے دروازون پر کھڑے گرُدین کی راہ دیکھ رہے تھے - بعض حوصلہ مند لڑکے درختون پر چڑھ گئے تھے - اور بعض فرطِ اشتیاق سے گرُدین کے استقبال کے لئے گانون سے باہر نکل گئے تھے - آفتاب اپنا سنہرا خوان لئے ہوئے مشرق سے پچھم کی طرف چلا جاتا تھا - کہ یکایک

گرُدین آتا ہوا دکھائی دیا۔ لڑکون نے دوڑکر اُسکا دامن پکڑا اور آپس مین کشمکش ہونے لگی کُوئی کہتا تھا میرے گھر چلو۔ کوئی اپنے گھر چلنے کی دعوت دیتا تھا۔ سب سے پہلے شیخ وفاتی کا مکان تھا۔ گرُدین نے یہین اپنا خوانچہ اُتار دیا اور مٹھائیون کی لوٹ شروع ہوگئی۔ عورتون اور بچّون کا ٹھٹ لگ گیا۔ خوشی اور رنج، قناعت اور ہوس، حسد اور جلن، افلاس اور فراغت کے کرشمے نظر آنے لگے۔ چھوٹے بہانے کی دنیا آباد ہوگئی۔ شیخ حمرائی کی بیوی رحیمن اپنے تینون لڑکون کو لئے ہوئے نکلین۔ شبراتی کی اہلیہ محترمہ بھی اپنی دونون لڑکیون کو لئے ہوئے جلوہ افروز ہوئین۔ اور ایک ایک پیسے کی ریوڑیان ہر ایک کے لئے مانگین۔

گرُدین نے شکر آمیز باتین شروع کین۔ پیسہ صندوقچی مین رکھا۔ دھیلے دھیلے کی مٹھائی دی۔ اور دھیلے دھیلے کی دعائین۔ لڑکے دونے لئے ہوئے بغلین بجاتے گھر مین داخل ہوئے۔ ریوڑیون کی عام بارش ہوئی۔ سارے گانون مین صرف ایک بدقسمت بچہ تھا جو گرُدین کے خوانِ کرم سے بےفیض رہ گیا تھا اور یہ میان خیراتی کا لڑکا رمضانی تھا۔

(۵)

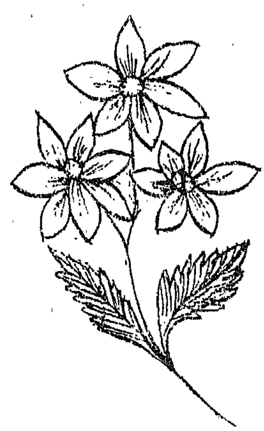
یہ مشکل تھا کہ رمضانی اپنے بھائیون اور بہنون کو کُود کُود اور ہنس ہنسکر مٹھائیان کھاتے دیکھے اور صبر کرجائے۔ مگر طرّہ یہ تھا کہ وہ اُسے مٹھائیان دکھا دکھا کر للچاتے تھے اور چڑھاتے تھے۔ اِن صورتون مین غریب رمضانی اپنے آتشِ شوق کو کیونکر دباتا۔ وہ روتا تھا چیختا تھا۔ اور اپنی مان کا آنچل پکڑکر دروازہ کی طرف کھینچتا تھا۔ مگر بیچاری مان کیا کرے۔ اُسکا کلیجہ بچہ کے لئے مسوس مسوس کررہ جاتا تھا۔ اسکے پاس ایک پیسہ بھی نہین تھا۔ اپنی بدقسمتی پر۔ اپنے جیٹھانیون کی بیدردی پر، اور سب سے زیادہ لپنے شوہر کی نااہلی پر کُڑھ کُڑھ کررہ جاتی تھی۔ اپنا آدمی ایسا نکمّا، نالائق نہوتا تو کاہے کو دوسرون کا مُنھ دیکھنا پڑتا۔ کیون دوسرون کے دھکّے کھانے پڑتے۔ اُسنے رمضانی کو گود مین پیار سے اُٹھا لیا اور دلاسا

دینے لگی۔ بیٹا! رو مت۔ ابکی گرو ین آئیگا تو مین تمھین بہت سی مٹھائی لے دونگی۔ مین تمھین اس سے اچھی مٹھائیان بازار سے منگوا دونگی۔ تم کتنی مٹھائیان کھاؤگے۔ یہ کہتے کہتے اُسکی آنکھین بھر آئین کیونکہ وہ جانتی تھی کہ پھر منگل آئیگا اور پھر بھی بہانے کرنا پڑین گے۔ افسوس! اپنا پیارا بچہ ایک پیسے کی مٹھائی کے لئے ترسے اور گھر مین کسی کا پتھر سا کلیجہ نہ پسیجے۔ وہ تو ان افسوسناک خیالون مین ڈوبی ہوئی تھی۔ اور رمضانی تھا کہ کسی طرح چپ ہی نہوتا تھا۔ جب کچھ بس نہ چلا تو وہ مان کی گود سے اُتر کر زمین پر لوٹنے لگا۔ اور رو رو کر دُنیا سر پر اُٹھا لی۔ مان نے بہتیرا پھسلایا اور بہلایا۔ یہان تک کہ اُسے بچہ کی اس ضد پر غصہ آگیا۔ طبیعت انسانی کی پیچیدگیان سمجھ مین نہین آتین۔ کہان تو بچے کو پیار سے گود مین چمٹاتی بہلاتی تھی۔ کہان ایسی جھنجھلائی کہ اُسے دو تین طمانچے زور زور سے لگائے۔ اور گھُڑک کر بولی۔ چپ رہ ابھاگے۔ تیرا مُنھ مٹھائی کھانے کا ہے۔ اب رویا تو کنوئین مین پھینکدونگی۔ اپنے نصیبون کو نہین روتا۔ مٹھائی کھانے چلا ہے۔

خیراتی اپنے کوٹھری کے دروازہ پر بیٹھا ہوا یہ کیفیت بغور دیکھ رہا تھا۔ وہ اس بچے کو بہت چاہتا تھا۔ اسوقت کے طمانچے۔ ایک آنکس کی طرح اُسکے دل پر لگے۔ غالبًا اُنکا منشا یہی تھا۔ ورنہ معصوم بچے کا کیا قصور تھا۔ بہت روئی کے دُھنکنے کے لئے تانت پر ضرب ہی لگاتا ہے۔ اِن باتون نے خیراتی کے دل کو پاش پاش کردیا۔ جس طرح پتھر اور پانی مین بھی آگ چھپی ہوتی ہے۔ اسی طرح نازک احساسات ہر ایک دل مین خواہ وہ کیسا ہی سیاہ اور ٹھوس کیون نہو موجود رہتے ہین۔ خیراتی کی آنکھین آبگون ہوگئین۔ آنسو کی بوندین اکثر انسان کے نگاہِ عبرت کو کھولدیا کرتی ہین۔ خیراتی کی آنکھون سے غبار کی موٹی تہ ڈھل گئی۔ اُسے اپنی بے بسی اتنی صفائی سے کبھی نہ نظر آئی تھی۔ بچہ ابھی تک رو رہا تھا اور مان نے اُسے پھر طمانچے لگانے شروع کئے تھے۔ خیراتی نے جاکر بچہ کو گود مین اُٹھالیا اور بیوی سے رقت آمیز لہجہ مین بولے! جمیلہ! بچے پر رحم کرو۔ تمھارا گنہگار مین ہون۔ اِسوقت

جو سزا چاہے دو۔ خدا نے چاہا تو کل سے اِس گھر مین لوگ میری اور میرے بیوی بچّون کی قدر کرین گے۔ تمنے آج میری آنکھین کھولدین "

اِسکی آنکھین سچ مُچ کھُل گئین تھین۔ اِس بانگِ سحر نے خوابِ گران سے بیدار کر دیا تھا۔



مرضِ مبارک

(۱)

رات کے نو بج گئے تھے ایک نازنین انگیٹھی کے سامنے بیٹھی ہوئی آگ پھونکتی تھی۔ اور اُسکے رخسارے آگ سے کُندنی رنگ مین شعلہ افروز تھے۔ اِسکی بڑی بڑی نرگسی آنکھین دروازہ کی طرف لگی ہوئی تھین۔ کبھی چونک کر آنگن کی طرف تاکتی، کبھی کمرہ کی طرف، پھر آنے والون کی اس تاخیر سے تیوریون پر بل پڑجاتے اور آنکھون مین خفیف سا غصہ نظر آتا۔ کنول پانی مین جھکولے کھانے لگتا۔

اِسی اثنار مین آنے والون کی آہٹ ملی۔ کہار باہر پڑا خراٹے لے رہا تھا۔ بوڑھے لالہ ہرنام داس نے آتے ہی آتے اُسے ایک ٹھوکر لگا کر کہا کمبخت! ابھی شام ہوئی ہے اور ابھی سے لمبی تان دی۔

نوجوان لالہ ہری داس گھر مین داخل ہوئے چہرہ پژمردہ متفکر۔ دیوکی نے آکر اس کا ہاتھ پکڑ لیا۔ اور غصہ و پیار کی ملی ہوئی آواز سے بولی۔ آج اتنی دیر کیون ہوئی؟

دونون نوشگفتہ پھول تھے۔ ایک پر شبنمی کی تازگی تھی۔ دوسرا دھوپ سے مرجھایا ہوا۔

ہریداس۔ ہان آج دیر ہوگئی۔ تم یہان کیون بیٹھی رہین؟

دیوکی۔ کیا کرتی۔ آگ بجھی جاتی تھی۔ کھانا نہ ٹھنڈا ہو جاتا۔

ہریداس۔ تم ذرا سے کام کے لیے اتنی دیر آگ کے سامنے نہ بیٹھا کرو۔ باز آیا گرم کھانے سے۔

دیوکی۔ اچھا کپڑے تو اُتارو آج اتنی دیر کیون کی؟

ہریداس - کیا بتاؤن والد نے ایسا ناک مین دم کر دیا ہے کہ کچھ کہتے نہین بنتا - اِس روز کی جھنجھٹ سے تو یہی اچھا ہے کہ مین کہین اور نوکری کر لون ،

لالہ ہرنام داس ایک آٹے کی چکی کے مالک تھے جب اِن کے شباب کا زمانہ تھا - اُسوقت اس نواح مین کوئی دوسری چکی نہ تھی - انھون نے خوب دھن کمایا - مگر اب وہ حالت نہ تھی - چکیان حشرات الارض کی طرح پیدا ہوگئی تھین - نئی مشینون اور ایجادون سے آراستہ - اُنکے کارکن بھی جوشیلے نوجوان تھے - مستعدی سے کام کرتے تھے - اِسلیئے ہرنام داس کا کارخانہ روز بروز گرتا جاتا تھا - بوڑھے آدمیون کو نئی چیزون سے جو چڑھ ہوتی ہے وہ لالہ ہرنام داس کو بھی تھی وہ اپنی پرانی مشین ہی کو چلاتے تھے - کسی قسم کی ترقی یا اصلاح کو کفر سمجھتے تھے - مگر اپنی اس سرد بازاری پر کڑھا کرتے تھے - ہریداس نے اِنکی مرضی کے خلاف کالجیٹ تعلیم حاصل کی تھی اور اسکا ارادہ تھا کہ اپنے والد کے کارخانہ کو نئے اُصولون پر چلا کر سرسبز کرے - لیکن جب وہ ان سے کسی تبدیلی یا اصلاح کا ذکر کرتا تو لالہ صاحب جامہ سے باہر ہوجاتے اور تفاخرانہ انداز سے کہتے - کالج مین پڑھنے سے تجربہ نہین آتا تم ابھی بچے ہو - اس کام مین میرے بال سفید ہوگئے ہین - تم مجھے صلاح مت دو - جسطرح مین کہتا ہون کام کئے جاؤ بارہا ایسے موقعے آچکے تھے کہ بہت ہی خفیف معاملات مین اپنے والد کی روش کے خلاف عمل کرنے کے یاداش مین ہری داس کو سخت پھٹکارین سہنا پڑی تھین - اِسی وجہ سے اب وہ اس کام سے کچھ برداشتہ خاطر ہوگیا تھا اور کسی دوسرے کارخانہ مین قسمت آزمائی کرنی چاہتا تھا جہان اُسے اپنے خیالات کو عملی صورت دینے کی زیادہ سہولتین حاصل ہون -

دیوکی نے ہمدردانہ انداز سے کہا - تم اس فکر مین کیون جان کھپاتے ہو، جیسے وہ کہین ویسے ہی کرو - بھلا دوسری جگہ نوکری کر لوگے تو وہ کیا کہین گے اور چاہے وہ غصہ کے مارے کچھ نہ بولین لیکن دنیا تو تمھین کو بُرا کہیگی "

دیوکی نئی تعلیم کے زیور سے آراستہ نہ تھی اُسنے خود پروری کا سبق نہ پڑھا تھا۔ مگر اسکا شوہر اپنے "الما میٹر" کا ایک ممتاز رکن تھا اُسے اپنی قابلیت پر کامل اعتماد تھا، اِس پر نام ونمود کا جوش۔ اسلئے وہ اپنے پدر بزرگوار کی بوسیدہ روش پر بے صبر ہوجاتا تھا۔ اگر اپنے قابلیتون کے مفید استعمال کی کوشش کے لئے دُنیا اُسے بُرا کہے تو اُسکو پرواہ نہ تھی۔ جھنجھلا کر بولا "کچھ مین آب حیات تو پی آیا نہین ہون کہ ساری عمر اُنکے مرنے کا انتظار کیا کرون۔ جُہلا کی سیا نکتہ چینیون کے خوف سے کیا اپنی عمر برباد کردون مین اپنے بعض ہم عمرون کو جانتا ہون جو ہرگز بڑی قابلیت نہین رکھتے لیکن وہ موٹر پر ہوا کھانے نکلتے ہین بنگلون مین رہتے ہین اور شان سے زندگی بسر کرتے ہین تو مین کیون ہاتھ پر ہاتھ رکھے زندگی کو دائمی سمجھے بیٹھا رہون۔ فقر وقناعت کا زمانہ گیا۔ یہ جد و جہد کا زمانہ ہے۔ یہ مین جانتا ہون کہ باپ کی تعظیم کرنا میرا فرض ہے۔ مگر اُصول کے معاملہ مین مین اُن سے کیا خدا سے بھی نہین دب سکتا"

اِسی اثنا مین کہار نے آکر کہا" لالہ جی تھالی مانگتے ہین۔

لالہ ہرنام داس ہندو رسم و رواج کے بڑے پابند تھے۔ مگر بڑھاپے کے باعث چوکے کے چکر سے نجات پا چکے تھے۔ پہلے کچھ دنون تک جاڑون مین رات کو پوریان کھاتے رہے۔ اب ضعف کے باعث پوریان نہ ہضم ہوتی تھین اسلئے چپاتیان ہی اپنے بیٹھک مین منگا لیا کرتے تھے۔ مجبوری نے وہ کرا دیا تھا جو حجت و دلیل کے قابو سے باہر تھا۔

ہردیاس کے لئے بھی دیوکی نے کھانا نکالا۔ پہلے تو وہ حضرت بہت کسلمند نظر آتے تھے۔ لیکن بگھار کی خوشبو نے رغبت پیدا کردی تھی۔ اکثر ہم اپنی آنکھ اور ناک سے ہاضمہ کا کام لیا کرتے ہین۔

(۲)

لالہ ہرنام داس رات کو بھلے چنگے سوئے۔ لیکن اپنے فرزند کی ناسعادتمندیان اورگستاخیان نیز اپنے کاروبار کی سستی اور سرد بازاری سوہان روح ہوگئین۔ اور خواہ اسی خلجان کا اثر ہو، خواہ پیرانہ سالی کا۔ صبح ہونے سے پہلے ان پر فالج کا حملہ ہوگیا۔ زبان بند ہوگئی اور چہرہ مسخ ہوگیا۔ ہریداس ڈاکٹر کے پاس دوڑا۔ ڈاکٹر آئے۔ مریض کو دیکھا اور بولے "ڈرنے کی کوئی بات نہین صحت ہوگی مگر تین ماہ سے کم نہ لگین گے۔ دماغی افکار کے باعث یہ حملہ ہوا ہے۔ اسلئے کوشش کرنی چاہیئے۔ کہ وہ آرام سے سوئین۔ پریشان نہون۔ اور زبان کھل جانے پر حتی الامکان بولنے سے پرہیز کرین"

غریب دیوکی بیٹھی رورہی تھی۔ ہریداس نے آکر اسکی تشفی کی تب ڈاکٹر کے یہان سے دوا لاکر دی۔ تھوڑی دیر مین مریض کو ہوش آیا۔ ادھر اُدھر نگاہِ جستجو سے دیکھا گویا کچھ کہنا چاہتے ہین۔ تب اشارہ سے لکھنے کے لئے کاغذ مانگا۔ ہریداس نے کاغذ اور پنسل رکھدیا۔ تب بوڑھے لالہ صاحب نے ہاتھون کو خوب سنبھالکر لکھا "انتظام دینانا تھ کے ہاتھ مین رہے"

یہ الفاظ ہریداس کے جگر مین تیر کی طرح لگے۔ افسوس! انھین اب بھی مجھ پر بھروسہ نہین گویا دینانا تھ میرا آقا ہوگا اور مین اسکا غلام بنکر رہونگا۔ یہ نہین ہونیکا۔ کاغذ لئے ہوئے دیوکی کے پاس آئے اور بولے "لالاجی نے دینانا تھ کو منیجر بنایا ہے۔ انھین مجھ پر اتنا اعتبار بھی نہین ہے۔ لیکن مین اس موقع کو ہاتھ سے نہ جانے دونگا۔ انکی بیماری کا افسوس تو ضرور ہے۔ مگر شاید پرماتما نے مجھے اپنی قابلیت کے اظہار کا یہ موقع عطا کیا ہے۔ اور اس سے مین ضرور فائدہ اُٹھاؤنگا۔ کارخانہ کے ملازمون نے اس حادثہ کی خبر سُنی تو گھبرائے۔ اُن مین کئی نکمّے بے مصرف آدمی بھرے ہوئے تھے۔

جو محض خوشامد اور بیشتر پن بیانیوں کی روٹی کھاتے تھے - مستری نے کئی دوسرے کارخانوں میں مرمت کا کام اُٹھالیا تھا اور روز کسی نہ کسی بہانے سے کھسک جاتا تھا فائرمین اور مشین مین دن کو توجھوٹ موٹ چکی کی صفائی میں کاٹتے تھے اور رات کو کام کرکے زائد وقت کی اُجرت لے لیا کرتے تھے - دینا ناتھ ضرور ہوشیار اور کارکردہ آدمی تھا - مگر اُسے بھی کام کرنے کے مقابلہ میں "جی ہاں" کا ورد کرنے میں زیادہ عافیت نظر آتی تھی - لالہ ہرنام داس اُجرت دینے میں بہت لیت ولعل کیا کرتے تھے - اور اگفرکاٹ کپٹ کے بھی عادی تھے - اسی کو وہ کاروبار کا اچھا اصول سمجھتے تھے -

ہری داس نے کارخانے میں پہونچتے ہی صاف لفظوں میں کہدیا کہ تم لوگوں کو میرے وقت میں تن دہی سے کام کرنا ہوگا - میں اسی مہینہ میں کام دیکھکر سب کی ترقی کردونگا - مگر اب ٹال مٹول کا گذر نہیں جنھیں منظور نہ ہو وہ اپنا بوریہ بستر سنبھالیں - اسکے بعد اس نے دینا ناتھ کو بلاکر کہا " بھائی صاحب مجھے خوب معلوم ہے کہ آپ ہوشیار اور فہیم آدمی ہیں - آپ نے ابتک یہاں کا جو رنگ دیکھا وہی اختیار کیا - لیکن اب مجھے آپ کے تجربہ اور محنت کی ضرورت ہے - پُرانے حسابات کی جانچ پرتال کیجئے - باہر سے کام لانا میرا ذمّہ ہے - لیکن یہاں کا انتظام آپ کے سپرد ہے - جو کچھ نفع ہوگا اُس میں آپ بھی شریک ہونگے - میں چاہتا ہوں کہ دادا کی عدم موجودگی میں کچھ کارگذاری دکھا سکوں" اِس مستعدی اور چستی کا اثر بہت جلد کارخانہ میں نظر آنے لگا - ہری داس نے خوب اشتہارات بٹوائے - اسکا اثر یہ ہوا کہ کام آنے لگا - دینا ناتھ کی مستعدی کی بدولت گاہکوں کو وقت معیّن پر اور کفایت سے آٹا ملنے لگا - پہلا مہینہ بھی ختم نہ ہوا تھا کہ ہرداس نے نئی مشین منگوائی - چند کارکردہ آدمی اور رکھ لئے پھر کیا تھا سارے شہر میں اِس کارخانہ کی دھوم مچ گئی - ہرداس گاہکوں سے ایسی خندہ پیشانی سے پیش آتا کہ جو ایکبار اُس سے معاملہ کرتا وہ ہمیشہ کے لئے اُس کا خریدار بن جاتا - ملازموں کیساتھ اُس کا

اصول تھا کام سخت اور اُجرت معقول۔ اسکی اعلیٰ التعلیم اور ذاتی وجاہت کا بھی اثر نمایان ہوا قریب قریب سبھی کارخانون کا رنگ پھیکا پڑ گیا۔ اسنے بہت ہی کم نفع پر کئی ٹھیکے لے لئے مشین کو دم مارنے کی مہلت نہ تھی رات اور دن کام ہوتا تھا تیسرا مہینہ ختم ہوتے ہوتے اِس کارخانہ کی حیثیت ہی بدل گئی۔ احاطہ مین گھستے ہی ٹھیلے اور گاڑیون کا مجمع نظر آتا تھا۔ کارخانہ مین سرگرمی اور چہل پہل تھی۔ ہر شخص اپنے اپنے کام مین مصروف۔ اسکے ساتھ ہی حسن ترتیب اور انتظام کی یہ برکت تھی کہ بھدی عجلت کا کہین نشان نہ تھا۔

(۳)

لالہ ہرنام داس کو رفتہ رفتہ صحت ہونے لگی ایک مہینہ کے بعد وہ رُک رُک کر کچھ بولنے لگے۔ اگرچہ ڈاکٹر کی سخت تاکید تھی کہ انھین کامل سکون کی حالت مین رکھا جائے۔ پر جب سے انکی زبان کھلی انھین ایکدم کو بھی چین نہ تھا۔ دیوکی سے کہا کرتے سارا کاروبار مٹی مین ملا جاتا ہے۔ یہ لڑکا نہین معلوم کیا کر رہا ہے۔ سارا کام اپنے ہاتھ مین لے رکھا ہے۔ مین نے تاکید کر دی تھی کہ دینا ناتھ کو منیجر بنانا لیکن اسنے ذرا بھی پروا نہ کی۔ میری ساری عمر کی کمائی برباد ہوئی جاتی ہے۔ دیوکی تشفی دیتی کہ آپ اِن باتون کا اندیشہ نکرین۔ کاروبار بہت خوبی سے چل رہا ہے اور خوب نفع ہو رہا ہے۔ پر وہ بھی اِس معاملہ کو طول دیتے ہوئے ڈرتی تھی کہ کہین فالج کا پھر حملہ نہ ہو جائے۔ ہون ہان کر کے ٹالنا چاہتی تھی۔ ہرداس جون ہی گھر مین آتا لالہ جی اس پر سوالون کی بوچھار کر دیتے اور جب وہ ٹالکر کوئی دوسرا ذکر چھیڑ دیتا تو بگڑ جاتے اور کہتے ظالم! تو جیتے جی میرے گلے پر چھری پھیر رہا ہے۔ میرا سرمایہ اڑا رہا ہے۔ تجھے کیا معلوم کہ مین نے ایک ایک کوڑی کس مشقت سے جمع کی ہے۔ تونے دل مین ٹھان لیا ہے کہ اس بڑھاپے مین مجھے گلی گلی ٹھوکر کھلائے۔ مجھے کوڑی کوڑی کو محتاج بنا دے ہرداس اس پھٹکار کا کوئی جواب نہ دیتا کیونکہ بات بات سے بڑھتی ہے۔ اُسکی خموشی سے لالہ صاحب کو یقین ہو جاتا کہ ضرور کارخانہ تباہ ہو گیا۔

ایک روز دیوکی نے ہرداس سے کہا - ابھی کتنے دِن اور اِن باتون کو لالہ جی سے چھپاؤ گے؟

ہرداس نے جواب دیا میں چاہتا ہون کہ نئی مشین کا روپیہ ادا ہو جائے تو انھین لیجا کر سب کچھ دکھا دون - تب تک ڈاکٹر صاحب کی ہدایت کے موافق تین مہینے بھی پورے ہو جائینگے -

دیوکی - لیکن اس چھپانے سے کیا فائدہ جب وہ آٹھون پہر اسی کی رٹ لگائے رہتے ہین - ایسے تو فکر اور بڑھتی ہی ہے کم نہین ہوتی - اس سے تو یہی اچھا ہے کہ ان سے سب کچھ کہدیا جائے -

ہرداس - میرے کہنے کا تو انھین یقین آچکا - ہان دینا ناتھ کہین تو شاید یقین ہو -

دیوکی - اچھا تو کل دینا ناتھ کو یہان بھیجدو - لالہ جی اسے دیکھتے ہی خود بلالین گے - تمہین اس روز روز کی پھٹکار سے تو نجات مل جائیگی -

ہرداس - اب مجھے اِن پھٹکارون کا ذرا بھی ملال نہین ہوتا - میری محنت اور قابلیت کا نتیجہ آنکھون کے سامنے موجود ہے - جب مین نے کارخانہ اپنے ہاتھ مین لیا ہے آمدنی اور خرچ کا میزان مشکل سے بیٹھتا تھا - آج پانچ سو کا خالص نفع ہے - تیسرا مہینہ ختم ہونیوالا ہے اور مین مشین کی آدھی قیمت ادا کر چکا - غالباً آیندہ دو مہینون مین پوری قیمت ادا ہو جائیگی اُسوقت سے کارخانہ کا خرچ تگنے سے زیادہ ہے - لیکن آمدنی پچگنی ہو گئی ہے - حضرت دیکھین گے تو آنکھین کھُل جائینگی - کہان احاطہ مین ہُو کا عالم رہتا تھا - ایک میز پر بیٹھے آپ اُونگھا کرتے تھے - ایک پر دینا ناتھ بیٹھا کان کُریدا کرتا تھا - مستری اور فارمین تاش کھیلتے تھے - بس دن مین دو چار گھنٹہ چکی چل جاتی تھی - اب دم مارنے کی فرصت نہین ہے - ساری زندگی مین جو کچھ نہ کرسکے وہ مین نے تین ماہ مین کرکے دکھا دیا - اِسی تجربہ اور کاروائی پر آپ کو اتنا گھمنڈ تھا - جتنا کام وہ ایک مہینہ مین کرتے تھے اُتنا کام میں روزکردالتاہون

دیوکی نے ملامت آمیز نگاہوں سے دیکھکر کہا۔ اپنے منھ میاں مٹھو بننا کوئی تم سے سیکھ جائے
جسطرح ماں اپنے بیٹے کو ہمیشہ دُبلا ہی سمجھتی ہے اسی طرح باپ بھی بیٹے کو ہمیشہ نادان سمجھا کرتا ہے
یہ انکی ممتا ہے برا ماننے کی بات نہین۔
ہرداس نے ندامت سے سر جھکا لیا۔

(۴)

دوسرے روز دینا ناتھ عیادت کے بہانے سے لالہ ہرنام داس کی خدمت مین حاضر ہوا۔ لالہ جی اسے دیکھتے ہی تکیہ کے سہارے اٹھ بیٹھے۔ اور ایک وحشیانہ اضطراب سے پوچھا کیون! کاروبار سب تباہ ہو گیا یا ابھی کچھ کسر باقی ہے۔ تم لوگون نے تو مجھے مردہ سمجھ لیا کبھی بات تک نہ پوچھی۔ کم از کم تم سے مجھے ایسی اُمید نہ تھی۔ بہو نے میری تیمارداری نہ کی ہوتی تو مر ہی گیا ہوتا۔

دینا ناتھ۔ آپ کی خیریت مزاج روز بابو صاحب سے دریافت کر لیا کرتا تھا۔ آپ نے میرے ساتھ جو نیکیان کی ہین اُنھین مین بھول نہین سکتا۔ میرا ایک ایک رویان آپ کا احسان مند ہے۔ مگر اس دوران مین کچھ کام ہی ایسا تھا کہ حاضر ہونے کی مہلت نہ ملی۔

ہرنام داس۔ خیر کارخانہ کی کیا کیفیت ہے۔ دیوالہ ہونے مین کیا کسر باقی ہے؟

دینا ناتھ۔ نے تعجب کیساتھ کہا۔ یہ آپ سے کس نے کہدیا کہ دیوالہ ہونیوالا ہے۔ اس عرصہ مین کاروبار مین جو ترقی ہوئی ہے وہ آپ خود اپنے آنکھون سے دیکھ لین گے۔

ہرنام داس۔ طنز کیساتھ بولے۔ شائد تمہارے بابو صاحب نے تمہاری خاطر خواہ ترقی کر دی۔ اچھا اب آقا پرستی چھوڑو اور صاف صاف بتلاؤ۔ مین نے تاکید کر دی تھی کہ کارخانہ کا انتظام تمہارے ہاتھ مین رہے۔ مگر شائد ہرداس نے سب کچھ اپنے ہی ہاتھون مین رکھا۔

دینا ناتھ۔ جی ہان مگر مجھے اسکا مطلق ملال نہین۔ وہی اس کام کے لیے موزون بھی تھے۔ جو کچھ اُنھون نے کر دکھایا وہ مجھ سے ہرگز نہ ہو سکتا۔

ہرنام داس۔ مجھے یہ سُن کر حیرت ہوتی ہے بتلاؤ تو کیا ترقی ہوئی۔

دینا ناتھ۔ تفصیل تو بہت زیادہ ہوگی۔ مگر مختصر یہ سمجھ لیجیے کہ پہلے ہملوگ جتنا کام ایک مہینے مین کرتے تھے اُتنا اب روز ہوتا ہے۔ نئی مشین آئی تھی اُسکی آدھی قیمت ادا ہو چکی ہے۔ وہ اکثرات کو بھی چلتی ہے۔ ٹھاکر کمپنی کا پانچ ہزار من آٹے کا ٹھیکہ لیا تھا وہ اب پورا ہونیوالا ہے۔ جگت رام ہزاری لال نے کمسریٹ کا ٹھیکہ لیا ہے انھون نے ہم کو پانسو بورے ماہوار کا بیعانہ دیا ہے اسی طرح اور بھی کام کئی گنا بڑھ گیا ہے۔ آمدنی کیساتھ مصارف بھی بڑھے ہین۔ کئی آدمی زائد رکھے گئے ہین۔ ملازمون کو اُجرت کیساتھ کمیشن بھی ملتا ہے۔ مگر خالص نفع پیشتر کے مقابلہ مین چوگنے کے قریب ہو۔

ہرنام داس نے بڑی توجہ سے یہ باتین سُنین۔ وہ غور سے دینا ناتھ کے چہرہ کیطرف دیکھ رہے تھے۔ شائد اُسکے دل مین بیٹھکر حقیقت حال کی تہ تک پہونچنا چاہتے تھے۔ شُبہہ آمیز انداز سے بولے۔ دینا ناتھ! تم کبھی مجھ سے جھوٹ نہین بولتے تھے۔ لیکن تاہم مجھے اِن باتون پر یقین نہین آتا۔ اور جب تک اپنی آنکھون سے دیکھ نہ لونگا یقین نہ آئیگا۔

دینا ناتھ کسیقدر مایوس ہوکر رخصت ہوا۔ اُسے اُمید تھی کہ لالہ صاحب ترقی اور کارگزاری کا یہ تذکرہ سنتے ہی پھولے نہ سمائین گے۔ اور میری جانفشانی کی داد دین گے۔ اس غریب کو نہ معلوم تھا کہ بعض دلون مین ظنیات کی جڑ اتنی مضبوط ہوتی ہے کہ ثبوت و دلیل کی ضربین اسپر کچھ اثر نہین کر سکتین۔ یہان تک کہ وہ نظری مشاہدہ کو بھی شعبدہ یا سحر سمجھتا ہے۔

دینا ناتھ کے چلے جانے کے بعد لالہ ہرنام داس کچھ دیر تک گہرے خیال مین ڈوبے رہے۔ دفعتاً کہار سے بگھی منگوائی۔ لاٹھی کے سہارے بگھی مین آبیٹھے اور اُسے اپنی چکی کو چلنے کا حکم دیا۔

دوپہر کا وقت تھا۔ کارخانون کے مزدور کھانا کھانے کے لئے غول کے غول بھاگے چلے آتے تھے۔ مگر ہرداس کے کارخانہ مین کام جاری تھا گھنٹی احاطہ مین داخل ہوئی۔ دو رویہ پھولون کی قطار نظر آئی۔ مالی کیاریون مین پانی دے رہا تھا۔ ٹھیلے اور گاڑیون کے مارے بھی کو نکلنے کی جگہہ نہ ملتی تھی۔ جدھر نگاہ جاتی تھی صفائی اور ہریالی نظر آتی تھی۔ ہری داس اپنے محرر کو چند خطوط کا مسودہ لکھا رہا تھا۔ کہ بوڑھے لالہ جی لاٹھی ٹیکتے ہوئے کارخانہ مین داخل ہوئے۔ ہرداس فوراً اٹھ کھڑا ہوا اور انھین ہاتھون کا سہارا دیتے ہوئے بولا آپ نے کہلا کیون نہ بھیجا کہ مین آنا چاہتا ہون۔ مین پالکی منگوا دیتا۔ آپ کو بہت تکلیف ہوئی۔ یہ کہکر اسنے ایک آرام کرسی بیٹھنے کے لئے کھسکا دی۔ کارخانہ کے ملازم دوڑے اور آ کے چارون طرف مودب کھڑے ہو گئے۔ ہرنامداس کرسی پر بیٹھ گئے اور نوکرون کے سر پر شفقت آمیز نظر دوڑا کر بولے معلوم ہوتا ہے کہ دینا ناتھ سچ کہتا تھا مجھے یہان کئی نئی صورتین نظر آتی ہین۔ بھلا کتنا کام روز ہوتا ہے؟

ہری داس۔ آجکل کام زیادہ آ گیا تھا۔ اسلئے کوئی پانسو من روزانہ تیار ہو جاتا تھا۔ لیکن اوسط ڈھائی تین سو من کا رہیگا۔ مجھے نئی مشینون کی قیمت ادا کرنا تھی۔ اسلئے اکثر رات کو بھی کام ہوتا ہے۔

ہرنام داس۔ کچھ قرض لینا پڑا۔

ہرداس۔ ایک کوڑی نہین صرف مشین کی آدھی قیمت باقی ہے۔ ہرنام داس کے چہرہ پر اطمینان کا رنگ نظر آیا۔ شبہہ نے یقین کو جگہہ دی۔ محبت آمیز نگاہون سے لڑکے کی طرف دیکھا اور رقت آمیز آواز سے بولے بیٹا! مینے تمہارے اوپر بڑا ظلم کیا مجھے معاف کرو۔ مجھے مردم شناسی کا غرہ تھا لیکن مجھے بہت بڑا دھوکا ہوا مجھے اپ سے بہت پہلے اس کام سے دست بردار ہو جانا چاہئے تھا۔ مین نے تمھین بہت نقصان پہونچایا۔ یہ مرض مبارک ہے جسنے مجھے تمہاری پرکھ کا موقع دیا۔ اور تمھین اپنی لیاقت کے دکھانیکا کاش یہ مجھ پانچ سال پہلے ہی ہوتا! ایشور تمھین سرسبز کرے اور ہمیشہ برکت دے۔ یہی تمہارے بوڑھے باپ کی دعا ہے"۔

قربانی

(۱)

انسان کی حیثیت کا سب سے زیادہ اثر غالبًا اسکے نام پر پڑتا ہے، منگرو ٹھاکر جب سے کانسٹبل ہو گئے ہین، اِن کا نام منگل سنگھ ہو گیا ہو۔ اب انھین کوئی منگرو کہنے کی جرأت نہین کر سکتا۔ کلو اہیر نے جب سے تھانہ دار صاحب سے دوستی کی ہے اور گانون کا مکھیا ہو گیا ہے۔ اسکا نام کالکا دین ہو گیا ہے، اب کوئی کلّو کہے تو وہ آنکھین لال پیلی کرتا ہے اِسی طرح ہرکھ چند کورمی اب ہرکھو ہو گیا ہے، آج سے بیس سال پہلے اِسکے یہان شکر بنتی تھی، کئی ہل کی کھیتی ہوتی تھی، کاروبار خوب پھیلا ہوا تھا، لیکن بدیسی شکر کی آمد نے اُسے اتنا نقصان پہونچایا کہ رفتہ رفتہ کارخانہ ٹوٹ گیا۔ ہل ٹوٹ گئے، کاروبار ٹوٹ گیا۔ زمین ٹوٹ گئی اور وہ خود ٹوٹ گیا۔ ستّر برس کا بوڑھا ایک تکیہ دار ماچے پر بیٹھا ہوا ناریل پیا کرتا تھا۔ اب سر پر ٹوکرہ لے کے کھاد پھینکنے جاتا ہے۔

لیکن اسکے انداز مین اب بھی ایک خودداری، چہرہ پر اب بھی متانت، گفتگو مین اب بھی ایک شان ہے۔ جسپر گردش اَیّام کا اثر نہین پڑا۔ رسّی جل گئی پر بل نہین ٹوٹا۔ اَیّام نیک انسان کے اطوار پر ہمیشہ کے لئے اپنی مہر چھوڑ جاتے ہین، ہرکھو کے قبضہ مین اب صرف پانچ بیگھ زمین ہے صرف دو بیل ہین، ایک ہل کی کھیتی ہوتی ہے۔ لیکن پنچایتون مین باہمی نزاع کے فیصلون مین اسکی رائین اب بھی وقعت کی نگاہ سے دیکھی جاتی ہین، وہ جو بات کہتا ہے بے لاگ کہتا ہے، اِس گانون کے نوبڑھے اِسکے مقابلہ مین زبان نہین کھولتے،،

ہرکھو نے اپنی زندگی مین کبھی دوا نہین کھائی، وہ بیمار ضرور پڑتا تھا۔ کنوار کے مہینہ مین جب ملیریا بخار کا دورہ ہوتا تو سب سے پہلے اسکا اثر ہرکھو ہی پر ہوتا۔ لیکن ہفتہ عشرہ مین وہ بلا دوا کھائے ہی چنگا ہوجاتا تھا اب کے بھی وہ حسب معمول بیمار پڑا اور دوا نہ کھائی، لیکن بخار اب کی موت کا پروانہ لے کر چلا تھا۔ ہفتہ گذرا۔ دو ہفتہ گذرے۔ مہینہ گذر گیا اور ہرکھو چارپائی سے نہ اُٹھا۔ اب اُسے دوا کی ضرورت معلوم ہوئی۔ اُسکا لڑکا گردھاری بھی نیم کی سینکین پلاتا۔ کبھی گرج کا عرق۔ کبھی گت پورنا کی جڑ۔ لیکن اسکو کچھ فائدہ نہ ہوتا تھا۔ ایکدن منگل سنگھ کانسٹیل ہرکھو کے پاس بیمار پرسی کے لئے گئے۔ غریب ٹوٹی کھاٹ پر بیٹھا رام نام جپ رہا تھا۔ منگل سنگھ نے کہا بابا کوئی دوا کھائے بغیر بیماری نہ جائے گی۔ کونین کیون نہین کھاتے۔ ہرکھو نے تو کلانہ انداز سے کہا "تو لیتے آنا"۔

دوسرے دن کالکادین نے جاکر کہا "بابا دو چار دن کوئی دوا کھالو اب تمھارے بدن مین وہ بُوتا تھوڑے ہی ہے کہ بنا دوا دارین کے اچھے ہوجاؤ"

اُن سے بھی ہرکو نے سائلانہ انداز سے کہا "تو لیتے آنا"

لیکن یہ رسمی عیادتین تھین ہمدردی سے خالی، نہ منگل سنگھ نے خبر لی، نہ کالکادین نے۔ نہ کسی دوسرے نے۔ ہرکھو اپنے برآمدے پر کھاٹ پر پڑا معلوم نہین کس خیال مین غرق رہتا۔ منگل سنگھ کبھی نظر آجاتے تو کہتا بھیّا وہ دوا نہین لائے"۔ منگل سنگھ کترا کر نکلجاتے کالکادین دکھائی دیتے تو اُن سے بھی یہی سوال کرتا۔ لیکن وہ بھی نظر بچاجاتے۔ یا تو اُسے یہ سوجھتا ہی نہین تھا کہ دوا دارو بغیر پیسون کے نہین آتی۔ یا وہ پیسے کو جان سے بھی سوا عزیز سمجھتا تھا۔ یا اسکا یہ فلسفہ دوا دارو مین مانع تھا کہ جب بھوگ پورا ہوجائے گا تو بیماری خود بخود چلی جائے گی۔ اس نے کبھی قیمت کا ذکر نہین کیا اور دوا نہ آئی۔ اُسکی حالت ردی ہوتی گئی۔ یہانتک کہ پانچ مہینہ تک دُکھ جھیلنے کے بعد وہ عین ہولی کے دن اس دُنیا سے رخصت ہوگیا۔ گردھاری نے لاش بڑی دھوم دھام سے نکالی۔ کریا کرم بڑے

حوصلے سے کیا ، کئی گانوں کے براہمنوں کو بھوج دیا ۔ سارے گانوں نے ماتم منایا ۔ ہولی نہ منائی گئی ۔ نہ عبیر اور گلال اُڑے ۔ نہ دف کی صدا بلند ہوئی ، نہ بھنگ کے پرنالے چلے ۔ کچھ لوگ دل میں تڑپتے کو کوستے ضرور تھے کہ اسے آج ہی مرنا تھا ، دو ایک دن بعد مرتا ۔ لیکن اتنا بیغیرت کوئی نہ تھا کہ غم میں جشن کرتا ۔ وہ شہر نہیں تھا جہاں کوئی کسی کا شریک نہیں ہوتا ۔ جہاں ہمسایہ کے نالہ و زاری کی صدا ہمارے کانوں تک نہیں پہونچتی ۔

(۲)

ہرکھو کے کھیت گانوں والوں کی آنکھوں پر چڑھے ہوئے تھے ۔ پانچوں بیگہ زمین کنوئیں قریب ، زرخیز ، کھاد پانس سے لدی ہوئی ، مینڈ باندھ سے درست تھی اُس میں تین تین فصلیں پیدا ہوتی تھیں ، ہرکھو کے مرنے سے ان پر چاروں طرف سے یورش ہونے لگی ۔ گردھاری کریا کرم میں مصروف تھا ۔ اور گانوں کے منچلے کاشتکار لالہ اُنکار ناتھ کو چین نہ لینے دیتے تھے ، نذرانہ کی بڑی بڑی رقمیں پیش کی جاتی تھیں ، کوئی سال بھر کا لگان پیشگی ادا کرنے کو تیار تھا ، کوئی نذرانہ کی دُگنی رقم کی دستاویز لکھنے کو آمادہ ، لیکن اُنکار ناتھ اُن سبھوں کو لطائف الحیل سے ٹالتے رہتے تھے اُن کا خیال تھا کہ گردھاری کے باپ نے ان کھیتوں کو بیس سال تک جوتا ہے اور اسپر گردھاری کا حق سب سے زیادہ ہے وہ اگر دوسروں سے کم نذرانہ بھی دے تو یہ زمین اُسی کے نام رہنی چاہئے ۔ چنانچہ جب گردھاری کریا کرم سے فرصت پاچکا اور چیت کا مہینہ ختم ہونے کو آیا تو اُنکار ناتھ نے گردھاری لال کو بلوایا اور اُس سے پوچھا ۔ "کھیتوں کے بارے میں کیا کہتے ہو "

"گردھاری نے روکر کہا حضور انھیں کھیتوں ہی کا تو آسرا ہے ، جوتوں گا نہ تو کیا کروں گا "

اُنکار ناتھ۔ نہین تو مین تمسے کھیت نکالنے کو تھوڑے ہی کہتا ہون۔ ہر کونے بیس سال تک انھین جوتا۔ اور کبھی ایک پیسہ باقی نہین رکھا۔ تم اُنکے لڑکے ہو اور تمھارا اس زمین پر حق ہے۔ لیکن تم دیکھتے ہو اب زمین کا در کتنا بڑھ گیا ہے، تم آٹھ روپیہ بیگھ پر جوتتے تھے مجھے دس روپیہ بیگھ مل رہے ہین، اور نذرانہ کے سو روپیہ الگ مین تمھارے ساتھ رعایت کرکے لگان وہی رکھتا ہون لیکن نذرانہ کے روپیہ تمھین دینے پڑینگے۔

گردھاری۔ سرکار میرے گھر مین تو اسوقت روٹیون کا بھی ٹھکانا نہین ہے۔ اتنے روپیہ کہان سے لاؤن گا، جو کچھ جمع جتھا تھی۔ وہ دادا کے کریاکرم مین خرچ ہوگئی اناج کھلہان مین ہے، لیکن دادا کے بیمار ہوجانے سے اب کی بریج بھی اچھی نہین ہوئی، مین روپیہ کہان سے لاؤن "

اُنکار ناتھ۔ "ہان زیر بار تو تم ہو رہے ہو تم نے کریاکرم خوب دل کھولکر کیا۔ لیکن یہ تو دیکھو کہ مین اتنا نقصان کیسے برداشت کرسکتا ہون۔ مین تمھارے ساتھ دس روپیہ سال کی رعایت کر رہا ہون یہ کیا کم ہے "

گردھاری "نہین سرکار آپ ہماری بڑی پرورش کر رہے ہین، تم نے سدا ہمارے اوپر دیا کی ہے، لیکن اتنا نجرانہ میرا کیا نہ ہوگا، مین آپ کا گریب اسامی ہون دیس مین رہونگا تو جنم بھر آپ کی گلامی کرتا رہون گا، بیل بدھیا بیچکر پچاس روپیہ نذر کرون گا اس سے بیشی کی میری ہمت نہین پڑتی، آپ کو نارائن نے بہت کچھ دیا ہے اتنی پرورش اور کیجیے "

اُنکار ناتھ کو گردھاری کا یہ انکار ناگوار گذرا، وہ اپنی دانست مین اسکے ساتھ ضرورت سے زیادہ رعایت کرچکے تھے، کوئی دوسرا زمیندار اتنی رعایت بھی نہ کرتا، بولے "تم سمجھتے ہوگے کہ یہ روپیہ لیکر ہم اپنے گھر مین رکھ لیتے ہین اور خوب چین کی بنسی

بجا۔تے ہین لیکن ہمارے اوپر جو کچھ گذرتی ہے وہ ہمین جانتے ہین۔کہین چندہ کہین نذرانہ کہین انعام کہین اکرام انکے مارے ہمارا کچومر نکلا جاتا ہے۔پھر ڈالیان علیحدہ دینا پڑتی ہین جیسے ڈالی نہ دو تو وہی مُنھ پھیلاتا ہے۔ہفتون اسی فکر مین پریشان رہتا ہون، صبح سے شام تک بنگلون کا چکر لگاؤ۔خانساماؤن اور اردلیون کی خوشامد کرو، جن چیزون کے لئے لڑکے ترس کر رہجاتے ہین، وہ منگا منگا کے ڈالیون مین لگاتا ہون، اگر نکرون تو مشکل ہوجائے کبھی قانون گو آگئے، کبھی تحصیلدار آگئے، کبھی ڈپٹی صاحب کا لشکر آگیا، اِن سب کی مہمانی نکرون تو نکّو بنون۔سال مین ہزار بارہ سو روپیہ انھین باتون مین خرچ ہوجاتے ہین۔یہ سب کہانسے آئے اُسپر اپنے گھر کا خرچ، بس یہی جی چاہتا ہے کہ گھر چھوڑکے نکل جاؤن، یہ زمین کیا ہے جی کا جنجال ہے، ساری زندگی عملون کی خوشامد اور خاطرداری مین کٹی جاتی ہے۔یہ نہوتی تو کہین چلا جاتا! چار پیسے کماتا اور بے فکری کی نیند سوتا،،

ہم زمینداروں کو غریبون کا گلا دبانے کے لئے ایشور نے اپنا پیادہ بنایا ہے۔یہی اُنکا کام ہے۔اِدھر گلا دباکے لینا، اُدھر رو رو کے دینا، لیکن تم لوگ یہی سمجھتے ہو کہ سب ہمارے ہی گھر مین آتا ہے۔تمھارے ساتھ اتنی رعایت کر رہا ہون لیکن تم اتنے پر بھی خوش نہین ہوتے۔تو بھی تمھین اختیار ہے،،

نذرانہ مین ایک پیسہ کی بھی رعایت نہوگی۔چیت ختم ہو رہا ہے۔اگر ایک ہفتہ کے اندر روپیہ داخل کردوگے تو کھیت جوتنے پاؤگے۔نہین تو مین کوئی دوسرا بندوبست کرونگا،،

(۳)

گردھاری اُداس اور مایوس گھر آیا۔سَو روپیہ کا انتظام اُسکے قابو سے باہر تھا سوچنے لگا کہ اگر دونون بیل بیچدون تو کھیت ہی لیکر کیا کرونگا۔گھر بیچون تو یہان لینے والا ہی کون ہے؟ اور پھر باپ دادون کا نام جاتا ہے! چار پانچ پیڑ ہین، لیکن

انھین بیچکر یہان پچیس تیس روپیہ ملین گے، اس سے زیادہ نہین، قرض مانگون تو دیتا ہی کون ہے، ابھی برہم بھوج کے آٹے گھی کے پچاس روپیہ بنئے کے آتے ہین وہ اب ایک پیسہ بھی اور نہ دیگا، اُسکے پاس گہنے بھی تو نہین ہین، نہین وہی بیچکر روپیہ لاتا - لے دے کے ایک ہنسلی بنوائی تھی وہ بھی بنئے کے گھر پڑی ہوئی ہے - سال بھر بیت گئے چھڑانے کی نوبت نہ آئی - گردھاری اور اُس کی بیوی سبھاگی دونون ہی اسی فکر مین رات دن غلطان و پیچان رہتے ہین لیکن کوئی تدبیر نظر نہ آتی تھی -

گردھاری کو کھانا پینا اچھا نہ لگتا - راتون کو نیند نہ آتی - ہر دم دل پر ایک بوجھ سا رکھا رہتا - کھیتون کے نکلنے کا خیال کرتے ہی اسکے جگر مین ایک آگ سی لگ جاتی تھی - ہائے وہ زمین جسے ہم نے بیس برس جوتا - جسے کھاد سے پاٹا جسمین میڑین رکھین جسکی مینڈین بنائین اُنکا مزہ اب دوسرا اُٹھائیگا -

کھیت اسکی زندگی کا جزو بن گئے تھے اسکی ایک ایک اُنگل زمین اس کے خون جگر سے رنگی ہوئی تھی - اسکا ایک ایک ذرّہ اسکے پسینے سے تر ہو رہا تھا - ان کے نام اُسکی زبان پر اس طرح آتے تھے، جیسے اپنے تینون بچّون کے - کوئی چوبیسو تھا - کوئی بائیسو تھا کوئی نالے پروالا - کوئی تلیا والا - ان نامون کے آتے ہی کھیتون کی تصویر اس کی آنکھون کے سامنے آجاتی تھی - وہ ان کھیتون کا اسطرح ذکر کرتا تھا گویا وہ ذی روح ہین گویا وہ جاندار ہستیان ہین - اسکی ہستی کے سارے منصوبے - سارے ہوائی قلعہ سارے من کی مٹھائیان، ساری آرزوئین، سارے حوصلے انھین کھیتون سے وابستہ تھے ان کھیتون کے بغیر وہ اپنی زندگی کا خیال ہی نہین کرسکتا تھا - وہ اب ہاتھ سے نکلے جاتے ہین - وہ گھر سے ایک حسرتناک وحشت کے عالم مین نکل جاتا اور گھنٹون کھیتون کی مینڈ پر بیٹھا ہوا رویا کرتا - گویا اُنسے ہمیشہ کے لئے رخصت ہو رہا ہے -

اس طرح ایک پورا ہفتہ گذر گیا - اور گردھاری روپیہ کا کوئی بندوبست نہ کرسکا

آٹھوین دن اُسے معلوم ہوا کہ کالکا دین نے انھین سو روپیہ نذرانہ دیکر ۵۰ روپیہ بیگہ پر لے لیا ہے -

گردھاری نے ایک ٹھنڈی سانس لی اور اسکی آنکھین آب گون ہوگئین ایک لمحہ کے بعد وہ اپنے دادا کا نام لیکر زار زار رونے لگا - گھر مین ایک کہرام مچگیا -

اُس دن گھر مین چولھا نہین جلا - ایسا معلوم ہوتا تھا گویا ہرکھو آج مرا ہے - اسکی موت کا صدمہ آج ہو رہا تھا -

(۴)

لیکن سبھاگی یون تقدیر پر شاکر ہونیوالی عورت نہ تھی وہ خانہ جنگیون مین اکثر زبان کے تیر و تفنگ سے غالب آجایا کرتی تھی - ان اسلحہ کی تاثیر کی وہ قائل تھی - وہ سمجھتی تھی کہ ہر ایک میدان مین وہ یکسان کاٹ کرتے ہین - اسمین وہ متانت نہین تھی جو خطرہ کو اپنی قوت سے باہر دیکھکر توکل کی پناہ لیتی ہے وہ غصہ مین بھری ہوئی کالکا دین کے گھر گئی اور اُسکی بیوی کو خوب صلواتین سنائین " کل کا بانی آج کا سیٹھ کھیت جوتنے چلے ہین - دیکھون گی کون میرے کھیت مین ہل لے جاتا ہے - اپنا اور اُسکا لہو ایک کردون - روپیہ کا گھمنڈ ہوا ہے تو مین یہ گھمنڈ توڑ دون گی "

پڑوسیون نے اسکی حمایت کی " سچ تو ہے آپس مین یہ چڑھا اُتری نہین چاہیے نارائن نے دھن دیا ہے تو کیا غریبون کو کچلتے پھرین گے " سبھاگی نے سمجھا مین نے میدان مار لیا - لیکن وہی ہوا جو پانی مین تلاطم پیدا کرتی ہے - درختون کو جڑ سے اکھاڑ ڈالتی ہے - سبھاگی تو پڑوسیون کے گھر مین بیٹھی ہوئی اپنے دُکھڑے روتی اور کالکا دین کی بیوی سے چھیڑ چھیڑ کر لڑتی اور گردھاری اپنے دروازے پر اُداس بیٹھا ہوا سوچتا کہ اب میرا کیا حال ہوگا -

اب یہ زندگی کیسے پار لگیگی - یہ لڑکے کس دروازہ پر جائین گے - مزدوری کے خیال ہی سے

اسکے دل مین ایک درد اُٹھنے لگتا تھا۔ مدتون آزادانہ باعزت زندگی بسر کرنے کے بعد مزدوری اسکی نگاہ مین موت سے بدتر تھی۔ وہ ایتک گرہست تھا۔ گانون مین اُسکا شمار بھلے آدمیون مین ہوتا تھا اُسے گانون کے معاملات مین بولنے کا حق حاصل تھا۔ اِسکے گھر مین دولت نہو لیکن وقار تھا۔ نائی اور بڑھئی اور کمہار اور پروہت اور چکیدار سب کے سب اسکے نمک خوار تھے۔ اب یہ عزت کہان۔ اب کون اسکی بات پوچھیگا؟ کون اسکے دروازہ پر آئے گا۔ اب اسے کسی کے برابر بیٹھنے کا کسی کے بیچ مین بولنے کا حق نہین ہی! اب اسے پیٹ کے لئے دوسرون کی غلامی کرنے والا مزدور بننا پڑیگا۔ اب پہر رات رہے کون بیلون کو ناندین لگائے گا۔ کون انکے لیے چھانٹا کٹائیگا؟ وہ دن اب کہان جب گیت گاگا کر ہل جوتتا تھا۔ چوٹی سے پسینہ ایڑی تک آتا تھا۔ لیکن ذرا بھی تھکن نہ معلوم ہوتی تھی۔ اپنے لہلہاتے ہوئے کھیتون کو دیکھکر پھولا نہ سماتا تھا۔ کھلیان مین اناج کے انبار سامنے رکھے ہوئے وہ سنسار کا راجہ معلوم ہوتا تھا۔ اب کھلیان سے اناج کے ٹوکرے بھر بھر کر کون لائے گا۔ اب کھاتے کہان۔ بکھار کہان؟ اب یہ دروازہ سونا ہو جائیگا۔ یہان گرد اُڑنے گی اور کتے لوٹین گے۔ دروازہ پر بیلون کی پیاری پیاری صورت دیکھنے کو آنکھین ترس جائینگی۔ انکو آرزو مند آنکھین کہان دیکھنے کو ملینگی۔ دروازے کی سوبھا نہ رہے گی۔

اِس حسرتناک خیال کے آتے ہی گردھاری کی آنکھون سے آنسو بہنے لگتے تھے۔

اُسنے دوسرون کے گھر آنا جانا چھوڑ دیا۔ بس حسرت اور ملال مین محو بیٹھا رہتا۔ گانون کے دو چار آدمی جو کالکا دین سے حسد رکھتے تھے اُسکے ساتھ ہمدردی کرنے آتے پر وہ اُن سے بھی کھلکر نہ بولتا۔ اُسے ایسا معلوم ہوتا تھا گویا مین سب کی نگاہون مین گر گیا ہون۔ اگر کوئی اُسے سمجھاتا کہ تم نے کریا کرم مین ناحق اتنے روپیہ اُڑا دیے تو اُسے بہت ناگوار گذرتا تھا۔ وہ اپنی اس حرکت پر ذرا بھی نہ پچھتاتا تھا۔ کہتا میرے بھاگ مین جو کچھ لکھا ہے وہ ہوگا لیکن دادا کے رِن سے تو اُرن ہو گیا۔ اُنکی آتما کو تو کوئی دکھ نہین ہوا۔ اُنھون نے اپنی

زندگی مین تو چار کو کھلا کر کھایا - کیا مرنے کے بعد مین اُنھین پنڈے پانی کو ترساتا"

اِسی طرح تین مہینے گذر گئے اور اساڑھ آ پہونچا - آسمان مین گھٹائین آئین - پانی گرا زمین مین ہریالی آگئی - تال اور گڈھے لہرانے لگے - بڑھئی سب کسانون کے دروازے پر آ آکر ہلون کی مرمت کرتا تھا - جوئے بناتا تھا - گردھاری دل مین مسوس کر رہجاتا - پاگلون کی طرح کبھی اندر جاتا - کبھی باہر - اپنے ہلون کو نکال نکال کر دیکھتا اُسکی مُٹھیا ٹوٹ گئی ہے اسکی پھار ڈھیلی ہوگئی ہے - جوئے مین سیل نہین ہو - یہ دیکھتے دیکھتے وہ ایک لمحہ کے لئے اپنے کو بھول گیا - دوڑا ہوا بڑھئی کے پاس گیا اور بولا "رجّو! میرے ہل بھی بگڑے ہوئے ہین آج اُنھین بنا دینا - رجّو نے اُسکی طرف رحم اور تعجب کی نگاہ سے دیکھا اور اپنا کام کرنے لگا - گردھاری کو بھی ہوش ہوگیا - نیند سے چونک پڑا شرم سے اُسکا سر جھک گیا - آنکھین بھر آئین چپ چاپ گھر چلا آیا - گانون مین چارون طرف ہل چل مچی ہوئی تھی - کوئی سَن کے بیج ڈھونڈھتا پھرتا تھا - کوئی زمیندار کے چوپال سے دھان کے بیج لئے آتا تھا کہین صلاح ہوتی تھی کہ کھیت مین کیا بونا چاہئے - کہین چرچے ہوتے تھے کہ پانی بہت برس گیا - دو چار دن ٹھہر کے بونا چاہئے - گردھاری سارے تماشے دیکھتا تھا - سارے چرچے سنتا تھا اور ماہیٔ بے آب کی طرح تڑپ تڑپ کر رہجاتا تھا -

(۵)

ایک دِن شام کے وقت گردھاری کھڑا اپنے بیلون کو کھجا رہا تھا - آجکل اِس کا بہت سا وقت بیلون ہی کی داشت مین صرف ہوتا تھا کہ منگل سنگھ آئے اور اِدھر اُدھر کی باتین کر کے بولے "اب گوئین کو باندھکر کب تک کھلاؤ گے - نکال کیون نہین دیتے"

گردھاری نے افسردگی کے ساتھ کہا "ہان کوئی گاہک آجائے تو نکال دونگا"

منگل سنگھ - ہمین کو دے دو -

گردھاری نے آسمان کی طرف تاک کر کہا "تمھین لیجاؤ اب یہ میرے کس کام

کے ہین"۔

اِن الفاظ مین کتنی مایوسی - کتنی حسرت تھی - ابتک گردھاری نے ایک موہوم اُمید پر کسی غیبی امداد کے بھروسے پر انھین باندھکر کھلایا تھا - آج امید کا وہ خیالی تار بھی ٹوٹ گیا - مول جول ہوا - گردھاری نے دونون بچھڑے چالیس روپیہ مین لئے تھے - اب وہ اتنی سے کم کے نہ تھے - منگل سنگھ نے صرف پچاس روپیہ لگائے لیکن گردھاری اسی پر راضی ہوگیا - اسکے دل نے کہا جب گرہستی ہی لٹ رہی ہے تو کیا دس زیادہ کیا دس کم - !

منگل سنگھ نے مُنھ مانگی مراد پائی' دوڑکر گھر سے روپیہ لائے -

وہ گردھاری کے کھاٹ پر بیٹھے ہوئے روپیہ گن رہے تھے اور گردھاری بیلون کے پاس کھڑا دردناک انداز سے اُنکے مُنھ کی طرف تاکتا تھا - یہ میرے کھیتون کے کمانے والے - میرا مان رکھنے والے - میرے اَن داتا - میری زندگی کے آدھار جنکے دانے اور کھلی کی اپنے کھانے سے زیادہ فکر رہتی تھی - جن کے لئے گھڑی رات رہے جاگ کر چارہ کاٹتا تھا - جن کے لیے نیچے کھیتون کی ہریالی کاٹتے تھے، یہ میری اُمیدون کی دو آنکھین' میری آرزوٗن کے دو تارے' میرے اچھے دنون کی دو یادگارین' یہ میرے دو ہاتھ اب مجھ سے رخصت ہو رہے ہین - اور مُٹھی بھر روپیون کے لئے!

آخر منگل سنگھ نے روپیہ گنکر رکھدیئے اور بیلون کو کھول کر لے چلے تو گردھاری اِن کے کندھون پر باری باری سر رکھکر خوب پھوٹ پھوٹ کر رویا - جیسے میکے سے بدا ہوتے وقت لڑکی ماں باپ کے پیرون کو نہین چھوڑتی - اِسی طرح گردھاری اِن بیلون سے چمٹا ہوا تھا - جیسے کوئی ڈوبتا ہوا آدمی کسی سہارے کو پاکر اُس سے چمٹ جائے - سبھاگی بھی دالان مین کھڑی روتی تھی - اور چھوٹا لڑکا جس کی عمر پانچ سال کی تھی منگل سنگھ کو ایک بانس کی چھڑی سے مار رہا تھا -

رات کو گردھاری نے کچھ نہین کھایا اور چارپائی پر پڑ رہا۔ لیکن صبح کو اسکا کہین پتہ نہین تھا۔ ادھر مہینون سے وہ کسی کے گھر نہ جاتا تھا۔ سبھاگی کو اندیشہ ہوا تاہم وہ اُمید کے خلاف اُمید کرتی رہی کہ آتے ہون گے۔ لیکن جب آٹھ نو بجے اور وہ نہ لوٹا تو اُسنے رونا دھونا شروع کیا۔ گانوٴن کے بہت سے آدمی جمع ہو گئے۔ چارون طرف کھوج ہونے لگی۔ لیکن گردھاری کا پتہ نہ چلا۔ لیکن ابھی تک آس مین کچھ جان تھی۔ اسلئے چوڑیان نہ توڑین۔ ماتم نہ کیا۔ شام ہو گئی تھی۔ اندھیرا چھا رہا تھا۔ سبھاگی نے دیا لا کر گردھاری کی چارپائی کے سرہانے رکھدیا تھا اور بیٹھی دروازے کی طرف تاک رہی تھی۔ گود کی لڑکی سو رہی تھی اور چھوٹا لڑکا ضد کر رہا تھا کہ دادا کو بلا دے وہ کہان گیا ہی۔ کیون نہین آتا؟ کہ یکایک سبھاگی کو پیر دن کی آہٹ معلوم ہوئی۔ سبھاگی کے کلیجہ مین مسّرت کا دھماکا ہوا دروازے کی طرف دوڑی۔ لیکن چارپائی خالی تھی۔ اُسنے باہر نکلکر جھانکا اُسکا کلیجہ دھک دھک کرتا تھا۔ اُسنے دیکھا کہ گردھاری بیلون کی ناند کے پاس چپ چاپ سر جھکائے کھڑا رو رہا ہے۔ سبھاگی بول اُٹھی "گھر مین آوٴ وہان کھڑے کیا کر رہے ہو سارے دن حیران کر ڈالا" یہ کہتی ہوئی وہ گردھاری کی طرف تیزی سے چلی، گردھاری نے کچھ جواب نہ دیا وہ پیچھے ہٹنے لگا اور تھوڑی دور جا کر غائب ہو گیا۔ سبھاگی نے ایک چیخ ماری اور غش کھا کر گر پڑی۔

اُسی دن نور کے تڑکے کالکا دین منھ تو ہل لیکر اپنے ایک نئے کھیت مین پہونچے ابھی کچھ اندھیرا تھا۔ وہ بیلون کو ہل مین لگا رہے تھے کہ یکایک اُنھون نے دیکھا کہ کھیت کی مینڈ پر گردھاری کھڑا ہے۔ وہی مرزائی۔ وہی پگڑی۔ وہ سر جھکائے ہوئے تھا۔ کالکا دین نے کہا "ارے گردھاری! مرد آدمی تم یہان کھڑے ہو اور بیچاری سبھاگی حیران ہو رہی ہے۔ کہان سے آ رہے ہو" یہ کہتا ہوا وہ بیلون کو چھوڑ کر گردھاری کی طرف چلا، مگر گردھاری پیچھے ہٹنے لگا۔ اور جاتے جاتے پیچھے کی طرف والے کنوئین

مین کود پڑا - کالکادین نے چیخ ماری - ہل وَل وہین چھوڑکر بے تحاشا گھر کی طرف بھاگے۔

لیکن اُنھون نے اپنے ہلواہون سے یہ راز نہ بتلایا۔ دوسرے دن اپنے ایک جھینگر ہلواہے کو اُس کھیت مین بھیجا - شام ہوگئی سب کے ہل بیل آگئے لیکن جھینگر کھیت سے نہ لوٹا - گھڑی رات ہوئی - اسکا کہین پتہ نہین - کالکادین گھبرائے گانون کے دو تین آدمیون کیساتھ کھیت مین آئے - دیکھا کہ دونون بیل ایک طرف گرے ہوئے ہین - اور جھینگر دوسری طرف بے سُدھ پڑا ہوا ہے - اُسے بہت سہلایا بلایا - لیکن اُسے ہوش نہ آیا - دو تین آدمی اُسے لاد کر گھر لائے - بیلون کو دیکھا تو اُن کے پیرون سے خون نکل رہا تھا لوگ سمجھ گئے کہ جب جھینگر گر پڑا ہوگا تو دونون بیل آپسین کھینچا تانی کرنے لگے ہونگے ہل مین جتے تھے ہی - پھال پیرون مین لگ گئی ہوگی - جھینگر رات بھر ہذیان بکتا رہا - صبح کو جاکر اُسے ہوش آیا - اُسنے کہا "مین نے پورب والے کنوئین کے پاس گردھاری کو کھڑے دیکھا - کئی بار بُلایا لیکن وہ نہ بولا تب مین اُسکی طرف چلا بس وہ اس کنوئین مین کود پڑا پھر مجھے ہوش نہین کہ کیا ہوا -

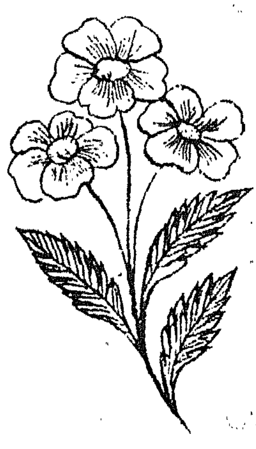
سارے گانون مین مشہور ہوگیا طرح طرح کے چرچے ہونے لگے - لیکن اُس دن سے پھر کالکادین کو اُن کھیتون کے قریب جانے کی ہمت نہ پڑی - شام ہوتے ہی اُدھر کا راستہ بند ہوجاتا -

(۶)

اِس واقعہ کو آج چھ ماہ ہوگئے ہین - گردھاری کا بڑا لڑکا اب اینٹ کے بھٹے پر کام کرتا ہے - اور روزانہ دس بارہ آنہ گھر لاتا ہے - وہ اب قمیض اور انگریزی جوتا پہنتا ہے - گھر مین ترکاری دونون وقت پکتی ہے اور جوار کی جگہ گیہون اور چانول خرچ ہوتا ہے لیکن گانون مین اب اُسکا کچھ وقار نہین ہے وہ مجور ہے -

سبھاگی کی تیزی اور تمکنت رخصت ہوگئی ہے - آگ کی چنگاری راکھ ہوگئی ہے

اب وہ کسی کو جلا نہین سکتی۔ اُسے ہوا کا ایک ہلکا سا جھونکا منتشر کر سکتا ہے۔
پرانے گانؤن مین آئے ہوئے وہ گٹّے کی طرح دبکی پڑی ہی۔ وہ اب پنچائتون مین نظر
نہین آتی۔ اب نہ اسکا دربار لگتا ہے نہ اُسے کسی دربار مین دخل ہے وہ اب مجبوری
کی مان ہے۔ لیکن ابھی تک گردھاری کا کریا کرم نہین ہوا۔ آس مر گئی ہے لیکن اسکی
یاد باقی ہے۔ کالکا دین نے اب گردھاری کے کھیتون سے استعفا دے دیا ہے۔
کیونکہ گردھاری کی روح ابھی تک اپنے کھیتون کے چارون طرف منڈلاتی رہتی ہی۔
وہ کسی کو نقصان نہین پہونچاتی۔ اپنے کھیتون کو دیکھکر اُسے تسکین ہوتی ہے۔
اُنکار نا تھ بہت کوشش کرتے ہین کہ زمین اُٹھ جائے۔ لیکن گانؤن کے لوگ اب
اُسکی طرف تاکتے ہوئے ڈرتے ہین۔



دفتری

(۱)

رفاقت حسین میرے دفتر کا دفتری تھا۔ دس روپیہ ماہوار مشاہرہ تھا۔ اور دو تین روپے متفرق جلد بندیون سے ملجاتے تھے۔ یہی اُس کی کائنات تھی۔ مگر وہ اپنی حالت پر قانع و شاکر تھا۔ اندر کے حال کا تو علم نہین۔ پر وہ ہمیشہ صاف ستھرے کپڑے پہنتا اور شگفتہ و خندان رہتا۔ قرض سے، جو اس طبقہ کے آدمیون کی ایک لازمی صفت ہے اُسکا دامن پاک تھا۔ اُس کے سلام بھی تملق آمیز انکسار سے پاک ہوتے تھے۔ اُس کی باتون مین عمّال کی ناز برداری کا شائبہ بھی نہ تھا۔ اُس مین متانت اور خودداری کی ایک شان تھی جس نے اُسے اُس کی حیثیت سے زیادہ ممتاز بنا رکھا تھا۔ نہین۔ اس مین بیباکانہ صاف گوئی کی ایک خاص صفت تھی۔ عمّال مین جو عیوب نظر آتے صاف کہدیتا اور کسیقدر تکبّر کی شان سے۔ گویا وہ اپنے تئین اُن سے بہتر سمجھتا تھا۔ اُسے جانورون سے خاص اُنس تھا۔ ایک گھوڑی پال رکھی تھی۔ ایک گائے، دو تین بکریان، ایک بلّی، ایک کُتا، چند مرغے مرغیان، اِن جانورون پر جان دیتا تھا۔ بکریون کے لئے پتّیان توڑ لاتا۔ گھوڑی کے لئے گھاس کھودتا۔ اور باوجودیکہ اُسے ہر ماہ مویشی خانہ کی زیارت کرنا پڑتی تھی اور اکثر لوگ اُس کے اس خبط کا مضحکہ اُڑاتے تھے، پر وہ اپنے طرز زندگی مین کوئی تغیّر وضعداری کے خلاف سمجھتا تھا۔ اور اُسکا یہ شوق منافع یا تجارت کے خیال پر مبنی نہ تھا۔ کسی نے اُسے مرغیون کے انڈے بیچتے نہین دیکھا۔ اُس کی بکریون کے بچّے کبھی بغدہ قصاب کے نیچے نہین گئے

اور اسکی گھوڑی نے کبھی چار جامہ یا لگام کی صورت نہین دیکھی۔ اِس سے اُسکی منشا بجز افزونی نسل کے اور کچھ نہ معلوم ہوتی تھی۔ خالص، بےغرضانہ محبّت تھی، مرغیون کی ایک خاصی ٹولی ہوگئی تھی، بکریون کا ایک خاص گلّہ، گھوڑی اور گائے بھی اس کارِ خیر مین بقدرِ ہمّت شریک تھین، گائے کا دودھ کُتّا پیتا تھا۔ بکری کا دودھ بلّی۔ جو کچھ بچتا تھا وہ اپنے صرف مین لاتا۔ حق یہ ہے اِسکا دل وسیع تھا اور وسائل کے ظرف تنگ مین نہ سماتا تھا۔

خوش قسمتی سے اس کی بیوی بھی نیک بخت عورت تھی اور کمتر درجہ کی عورتون کے عیوب سے مُبرا۔ اگرچہ اُسکا مکان نہایت مختصر تھا پر کسی نے دروازے پر اُس کی آواز نہین سُنی۔ کسی نے اُسے دروازے پر کھڑے جھانکتے نہین دیکھا۔ وہ زیور اور کپڑے کے تقاضون سے شوہر کی نیند حرام نہ کرتی تھی۔ ”اور! اور!“ کی دھن مین موجودہ عافیت اور اطمینان کا خون نہ کرتی تھی۔ دفتری اس عورت کا عاشق تھا۔ اُسکی پرستش کرتا تھا۔ اس اہلِ مسّرت مین اس کی شگفتہ طبعی کا راز پوشیدہ تھا۔ دفتری نیک کرے یا بد، اسکی بیوی اسکے ہر ایک کام مین اس سرگرمی سے شریک ہوتی تھی کہ معلوم ہوتا تھا یہ اُسی کی تحریک ہی۔ وہ گائے کا گوبر اُٹھاتی، گھوڑی کو گھاس ڈالتی۔ بکری کے بچّون کے ساتھ کھیلتی، بلّی کو اپنے ساتھ بٹھا کر کھلاتی۔ یہان تک کہ کتّے کو نہلانے سے بھی اُسے پرہیز نہ تھا۔ معلوم نہین یہ اُس کا تقاضا طبعی تھا یا شعارِ وفا۔ پر دفتری اسے اُس کی عصمت شعاری ہی سمجھتا تھا۔

(۲)

برسات کے دن تھے۔ ندیون مین باڑھ آئی ہوئی تھی۔ دفتر کے اہلکار مچھلیون کا شکار کھیلنے چلے۔ شامت کا مارا رفاقت بھی اُن کے ساتھ ہولیا۔ دن بھر لوگ شکار کھیلا کیے۔ شام کو زور کی بارش ہوئی۔ اہلکارون نے تو ایک موضع مین رات کاٹی، دفتری

گھر چلا، پر اندھیری رات تھی - راستہ میں گھٹنوں تک پانی - کچھ دور چل کر راہ بھول گیا اور ساری رات بھٹکتا پھرا - بیوی کی تنہائی اپنی پریشانیوں سے زیادہ تشویشناک تھی - اُس کے دل پر ایک موہوم اضطراب حاوی تھا - صبح کو جب گھر پہونچا تو ابھی اندھیرا ہی تھا لیکن دونوں دروازے کھلے ہوئے تھے - اس کا کتا دُم دبائے، ایک دردناک انداز سے کراہتا ہوا آکر اُسکے پیروں پر لوٹنے لگا - حالانکہ اُسکی بیوی مُنھ اندھیرے اُٹھا کرتی تھی پر آج دروازوں کو کھلا ہوا دیکھ کر اس کا کلیجہ سن سے ہو گیا - گھر میں قدم رکھا تو بالکل سناٹا تھا - دو تین بار بیوی کو پکارا لیکن کوئی جواب نہ ملا - اُسے آج در و دیوار پر ایک حسرت سی چھائی ہوئی معلوم ہوتی تھی - گھر بھائیں بھائیں کر رہا تھا - اس نے دونوں کوٹھریوں میں جا کر دیکھا - جب وہاں وہ نظر نہ آئی تو گھبرایا ہوا جانوروں کی کوٹھری میں گیا - اندر قدم رکھتے ہوئے اُسے وہی بے معنی مہمل ہراس ہو رہا تھا جو کسی اندھیرے غار میں جاتے ہوئے ہوتا ہے -

اُسے دیکھتے ہی گھوڑی ہنہنائی - گائے اور اُسکا بچھڑا اتڑ پھڑائے - بکریوں نے، میں میں، شروع کی - اُنکی صداؤں میں ایک خاص درد تھا - وہیں بیچ میں زمین پر اُسکی بیوی چت پڑی ہوئی تھی - مُنھ پر مکھیاں بیٹھی ہوئی تھیں - ہونٹ نیلے پڑ گئے تھے - آنکھیں پتھرا گئی تھیں - رفاقت نے زور سے ایک چیخ ماری اور چھاتی پیٹنے لگا - دفعتہً ایک کالا سانپ اندھیرے گوشے سے نکل کر تیزی کے ساتھ دروازے کی طرف جاتا نظر آیا - دفتری کے ہاتھ میں کوئی لکڑی نہ تھی، مگر انتقام کے جوش میں اُس نے لکڑی کی پرواہ نہ کی - لپک کر سانپ کی دُم پکڑ لی اور اُسے اتنی زور سے گھما کر زمین پر پٹکا کہ وہ وہیں مر گیا - اُس کی آہ و زاری سنکر محلہ کے لوگ جمع ہو گئے - تابوت و کفن کا انتظام ہونے لگا - دفتری، دم بخود، مبہوت، اس طرح بیٹھا ہوا تھا گویا اب اُسے زندگی سے کوئی واسطہ نہیں رہا - باحیا عورت شاید جانوروں کو یاد دلانے

کے لئے اندھیری کوٹھری مین آئی تھی - سانپ نے کاٹا اور وہین تڑپ تڑپ کر مرگئی - حیا کے مارے پڑوسیون کو بھی خبر نہ دی - یا ممکن ہو مینھہ کے شور مین اُس کی گریہ و زاری کی آواز کسی کے کانون مین نہ پہونچی ہو -

دوسرے دن رفاقت دفتر آیا تو اُسے پہچاننا مشکل تھا - گویا برسون کا مریض ہے صورت زرد - چہرہ پر مُردنی چھائی ہوئی - آنکھون مین ایک وحشت آمیز نشہ سا نظر آتا تھا - بالکل کھویا ہوا - سُم گم بیٹھا رہا گویا کسی دوسری ہی دنیا مین ہو - شام ہوتے ہی وہ اُٹھا اور بیوی کے مزار پر جا کر بیٹھ گیا - اندھیرا ہو گیا - دو - تین چار گھڑی رات گذر گئی پر وہ چراغ کی ٹمٹماتی ہوئی روشنی مین، اُسی مزار پر، یاس و اندوہ کی تصویر بنا بیٹھا تھا - گویا موت کا انتظار کر رہا ہے - یا شہر خموشان کی مدھم صداؤن کی طرف کان لگائے ہوئے ہے - معلوم نہین کب گھر آیا - اب یہی اُسکا روزانہ معمول ہو گیا - صبح اُٹھ کر مزار پر جاتا - جاروب کشی کرتا - پھولون کے ہار چڑھاتا - وہان جلاتا اور تب دوزانو بیٹھ کر نو بجے تک قرآن مجید کی تلاوت کرتا - مغرب کے وقت پھر مزار پر جا بیٹھتا، اور پھر وہی جاروب کشی، وہی تلاوت قرآن، وہی شمع مزار اور پھر وہی پھولون کے ہار - اب یہی اُسکی زندگی کا نظام تھا - وہ اب عالم ارواح مین بستا تھا جہان ملائک اُسکے انیس و غمگسار تھے - دنیا ظاہر سے اُسنے منھ پھیر لیا تھا جہان رنج و محن کے سوا اور کچھ نہین - اُس کی باتون سے روحانیت ٹپکتی تھی - اور بشرہ سے ایک تقدس کی نشان نمایان تھی - غم نے مجذوب بنا دیا تھا!

(۳)

کئی ماہ تک یہی کیفیت رہی - اہلکارون کو اس سے ایک خاص ہمدردی ہو گئی تھی - اُس کے کام بھی اکثر لوگ اپنے ہاتھون کر لیتے - اُسے تکلیف نہ دیتے - اُس کی وفا پرستی پر لوگون کو حیرت ہوتی تھی اور گو کتنے ہی حضرات دل مین اسے حماقت سمجھتے تھے - پر یہ خیال اُن کی زبان تک نہ آتا تھا - یہ حماقت ہی سہی لیکن کتنی پاکیزہ کتنی علوی تھی!

مگر انسان عالم ارواح مین مستقل سکونت اختیار نہین کرسکتا۔ وہان کی آب و ہوا اُس کے موافق نہین۔ وہان مادی، مرئی، قابل محسوس کیفیات کہان؟ اجتہاد مین وہ خوشیان، وہ فکرین، وہ مشغلے، وہ دل بستگیان کہان؟ دفتری کو آدھی رات تک مزار کی جاروب کشی کے بعد چولھا جلانا پڑتا۔ علی الصباح جانورون کی خدمت کرنا پڑتی۔ حقیقت نے جذبات پر فتح پائی۔ ریگستان کے پیاسے مسافر کی طرح رفاقت پھر متاہل زندگی کے چشمۂ شیرین کی طرف دوڑا۔ وہ پھر زندگی کا وہی دلچسپ ڈراما دیکھنا چاہتا تھا۔ کوئی مضائقہ نہین اگر وہ ایکٹرس نہ تھی۔ ایکٹرس کی تبدیلی ڈراما کی دلاویزی مین حارج کیون ہو؟ تماشائی کی یاد جب تک تازہ تھی ایکٹرس کے خط و خال، ناز و ادا، لے اور دُھن کی تصویر آنکھون کے سامنے تھی۔ مگر جون جون زمانہ گذرتا تھا تماشے کا لطف ایکٹرس کے حسن و ادا سے بے نیاز ہوجاتا تھا۔ بیوی کی یاد اہلیت کے فرون کی صورت مین قائم ہوتی جاتی تھی۔ یہان تک کہ چھ مہینہ مین تجربہ نے اپنا عمل پورا کر دیا بیوی کی محبت تاہل کی خوشیون کی یاد مین فنا ہوگئی۔

اِس محلہ کے دوسرے سِرے پر بڑے صاحب کا ایک اردلی رہتا تھا۔ اِسکے یہان سے شادی کی بات چیت شروع ہوئی۔ میان رفاقت پھولے نہ سمائے۔ اردلی صاحب محلّہ مین کسی وکیل سے کم ممتاز نہ تھے۔ سارے محلہ پر اُن کا رُعب حاوی تھا اُن کے وسائل آمدنی لال بجھکڑون کے لئے بھی ایک عقدہ تھے۔ اُس پر صرف "غیر محدود" کا اطلاق کیا جاسکتا تھا۔ اور اُس کی عامیانہ زبان مین تفسیر یون کیجاتی تھی کہ جو کچھ ملجائے وہ تھوڑا ہے! اردلی صاحب خود اپنی زبان مبارک سے فرماتے تھے کہ تقاوی کے موسم مین "انہین جیب کی جگہ تھیلیان رکھنا پڑتی تھین۔ دفتری نے سمجھا سونے کی چڑیا پھنس گئی۔ اسطرح ٹوٹا جیسے بچے کھلونے پر ٹوٹتے ہین۔ ایک ہی ہفتہ مین سارے مرحلے طے ہوگئے۔ اور بیوی گھر مین آگئی۔ جو شخص ابھی ایک ہفتہ قبل دنیا سے منھ موڑ کے

ہوئے اعتکاف مین بیٹھا ہو اُسے مُنھ پر سہرہ ڈالے ۔ گھوڑے پر سوار ۔ دیکھنا خواص انسانی کا ایک دلچسپ مطالعہ تھا ۔ لیکن دفتری اس وقت ایسا شادان وخندان تھا گویا قید تاریک سے نکل آیا ہو ۔ نقد وجنس بھی جہیز مین اسقدر ملا تھا جو اردلی صاحب کو چاہے گران نہ گزرا ہو ۔ پر رفاقت کے پیمانہ اُمید سے کہین زیادہ تھا ۔ چنانچہ کئی دن تک خوب جشن رہے ۔ اہلکارون کی دعوت ہوئی ، فقراء کو کھچڑی کھلائی گئی ۔ سارے محلہ مین شیرینی تقسیم ہوئی ۔ چشمہ حیات پاکر بھی انسان اس سے زیادہ شادکام نہین ہوسکتا

(۴)

مگر ایک ہی ہفتہ مین نئی بیوی کے جوہر کھلنے شروع ہوئے ۔ خدا نے اُسے نگاہ ظاہر کے بدلے نگاہ باطن عطا کی تھی ۔ اُسکا ثبوت اُسکی وہ روانیٔ بیان تھی جو ابن الکنز ٹروسیون کو محظوظ اور رفاقت کو منکوب کیا کرتی تھی ۔ قناعت کی جیتی جاگتی مورت تھی ۔ گلی کے باہر تو کیا ، اسکے اندر بھی ، پانوٴن نہ پھیلاتی ۔ گھسٹ گھسٹ کر چلتی ۔ ایک مجسمہ فروتنی تھا جو کھڑے ہونے کو بھی گردن کشی سمجھتا تھا ۔ اُس نے ایک ہفتہ تک فلسفیانہ بصیرت کیساتھ دفتری کے عادات واطوار کا مطالعہ کیا اور تب اُس کی تنبیہ وتلقین شروع کی :-

"تم بھی عجیب طرح کے آدمی ہو ۔ انسان جانور پالتا ہے اپنے آرام کے لئے نہ کہ محض دوسرے کے لئے ۔ یہ کیا کہ گائے کا دودھ کُتے بہین ، بکریون کا دودھ بلیان چٹ کر جائین ۔ اور گھر کے آدمیون کے حلق تلے ایک قطرہ بھی نہ جائے ۔ نجس کُتا تو دودھ مین نہائے اور گھر کے آدمی ترسین ۔ آج سے سب دودھ گھر مین لایا کرو ۔ اور ان موذیون کو میرے سامنے سے دفان کرو ۔ مسلمان کا گھر ہے یا کوئی سرا ہے ۔ آخر دین بھی تو کوئی چیز ہے ۔ جسکا سایہ پڑنا شرع مین منع ہے ۔ اُسے پال کر مین عذاب نہ لونگی !!"

دفتری لاجواب ہوگیا ۔ دوسرے دن سے گھوڑی کا راتب بند ہوگیا ۔ وہ اب بھاڑ مین بھُنتا اور نمک مرچ سے کھایا جاتا تھا ۔ صبح کو تازہ دودھ کا ناشتا ہوتا ۔ آئے دن کھیر پکتی ۔

اور لوازمات بھی بڑھے - بڑے گھر کی بیٹی تھی - زردے اور پان بغیر کیونکر رہتی - گھی، گوشت، مسالہ بھی ضروری مدین تھین - اور خادمہ کے بغیر تو زندہ رہنا محال تھا - پہلے ہی مہینہ مین دفتری کو معلوم ہوگیا کہ موجودہ آمدنی گذر کے لیے کافی نہین ہوسکتی - اسکی حالت اُس آدمی کی سی تھی جو شکر کے دھوکے مین کونین پھانک گیا ہو - معلوم نہین اس کے دل پر کیا گزر رہی تھی - مگر ماتھے پر شکن نہ تھی - دو چار منچلے اہلکارون نے ایکدن اس سے مزاح آمیز ہمدردی ظاہر کی - تو وہ بڑی متانت سے بولا "آخر اس اللہ کی بندی کا بھی تو کہین گزر ہونا چاہیے تھا - اُسکا کون پرسان ہوتا - اور پھر بلا خدا کی مرضی کے تو کچھ ہوتا نہین، مین اُس کی مرضی مین دخل دینے والا کون"؟

مردانہ توکل کا نظارہ کتنا دردناک ہے! یہ وہ نغمۂ درد ہے جسے سُنکر دل ہلجاتا ہے یہ وہ سُرخی چشم ہے جو سوز درون کا پتہ دیتی ہے - یہ تبسم بشاشت قلب کی نہین، سوز دل کی خبر دیتا ہے - اس شفق کی اوٹ مین شب تار چھپی ہوتی ہے، ڈراونی اور سُنسان" وہ دفتری جو افلاس مین توکل کا لطف اُٹھاتا تھا - اب آشفتہ حالی کی ایک زندہ تصویر تھا - کپڑے میلے، سر کے بال پریشان، چہرہ پر اُداسی چھائی ہوئی، شب و روز فکر معاش کی چکی مین جتا ہوا "اور! اور" کی فکر مین پریشان! اُسے دیکھکر آنکھون سے آنسو نکل پڑتے تھے - اُس کی گائے اب ہڈیون کا ڈھانچہ تھی - گھوڑی بیجان، بلی پڑوسیون کے چھینکون پر اُچھلتی، اور کتا گھورون اور کوڑے کے ڈھیرون پر اپنا آذوقہ تلاش کرتا - سڑک پر پڑی ہوئی ہڈیان چچوڑتا - مگر اب بھی وہ ہمت کا دھنی ان رفقاء قدیم کو الگ نہ کرتا تھا - اِن سب مصیبتون پر مزید یہ کہ اُسے دونون وقت چولھے کی آنچ مین جلنا پڑتا تھا - مگر سب سے بڑی مصیبت بیوی کی وہ زبان دراز تھی جس کے سامنے کبھی کبھی اُسکا مردانہ استقلال، اس کا دلیرانہ توکل، اسکی ستم ظریفانہ خندہ جبینی، رخصت ہوجاتی - اور وہ اندھیری کوٹھری کے ایک گوشہ مین بیٹھکر خوب پھوٹ پھوٹ روتا! تلطف قناعت سے محروم

ہو کر رفاقت کے دل پر داغ لاپروائی اور وارستگی کی جانب مائل ہو گیا۔ وہ فکرِ فردا سے آزاد ہو گیا۔ خودداری جو قناعت کی برکت ہے اس کے دل سے محو ہو گئی۔ شمعِ سوزان کے بجھنے کے بعد وہ جگنو کی طرف لپکا۔ اس نے فاقہ مستی کی روش اختیار کی۔ چونکہ اب پانی رکھنے کے لئے کوئی برتن نہ تھا وہ اسے کنوئین سے کھینچ کر اسی وقت پی جانا چاہتا تھا تاکہ وہ زمین پر نہ بہ جائے۔ تنخواہ پاکر اب مہینہ بھر کا سامان نہ جمع کرتا۔ نان گرم اور آبِ سرد سے اب اسے تسکین نہ ہوتی تھی۔ بازار سے فرنی کی پیالیان لانا۔ سیخ کے کباب اور بالائی کے دونے اور قلمی آم کی طرف لپکتا۔ دس روپیہ بساط ہی کیا، ایک ہفتہ مین غائب ہو جاتے تب جلد بندیون کے پیشگی روپیون پر گزران ہوتی۔ بعد ازان دو ایک دن فاقہ کشی کی نوبت آتی۔ تب قرض مانگنے لگتا۔ رفتہ رفتہ یہ حالت ہو گئی کہ تنخواہ کے روپے قرضخواہون ہی کے ہاتھون مین چلے جاتے اور وہ پہلے ہی دن سے پھر اسی کی فکر مین پریشان دوڑنے لگتا۔ وہ پہلے دوسرون کو کفایت شعاری کے وعظ سنایا کرتا تھا۔ اب لوگ اسے سمجھاتے۔ پر وہ فقیرانہ بے نیازی سے کہتا "صاحب! آج ملتا ہے کھاتے ہین۔ کل کا خدا حافظ ہے ملیگا کھائین گے نہین پڑ کر سو رہین گے۔" اس کی حالت اب اس مریض کی سی ہو گئی تھی جو شفا سے مایوس ہو کر ہر ایک قسم کی بدپرہیزی اور بے احتیاطی کرنے لگے تاکہ موت کے آنے تک وہ نعمتہائے دنیا سے سیر ہو جائے۔

مگر شاید ابھی تک وضعداری کا کچھ احساس باقی تھا۔ لوگون کے بہت اصرار کرنے پر بھی وہ گھوڑے یا گائے کے بیچنے پر آمادہ نہ ہوتا تھا۔ خریدار آ آکر اسکے دروازے سے لوٹ جاتے تھے۔ یہان تک کہ ایک ہی دن دونون مویشی خانہ مین داخل ہو گئین۔ دفتری ایک ہفتہ تک روپیہ کی فکر مین سرگردان رہا۔ خوراک اور تاوان کے روپے بڑھتے گئے اور بالآخر دونون جانور سرکاری قاعدہ کے مطابق نیلام ہو گئے۔ دفتری نے کئی دن تک ان کا ماتم کیا۔ بکریان بھی گرگِ قرض کا شکار ہو گئین۔ زردہ اور پلاؤ، فیرنی اور کباب کے

چسکے نے نانبائی کا مقروض بنا دیا تھا۔ جب اُس نے نقد و هولی کی کوئی صورت نہ دیکھی تو ایکدن دفتری کے دروازہ پر آکر ساری بکریان ہانک لے گیا۔ بیچارہ منھ تاکتا رہ گیا۔ بلّی نے بھی اب رسم وفا کو ترک کیا۔ گائے اور بکریون کے جانے کے بعد اُسے دودھ کے برتنوں کے چاٹنے کی بھی آس نہ رہی جو اس کی وفاداری کا آخری رشتہ تھا ہان کتّا ابھی تک عنایات قدیم کو یاد کرکے رفاقت کا دم بھرتا تھا مگر اس کی زندہ دلی رخصت ہوگئی تھی۔ یہ وہ کتّا نہ تھا جس کے سامنے دروازہ پر سے کسی اجنبی آدمی یا کتّے کا نکل جانا محال تھا۔ وہ اب بھی بھونکتا تھا لیکن لیٹے لیٹے اور ایسا اوقات پہلو مین سر چھپائے ہوئے گویا موجودہ بے اعتنائیون اور نیرنگی افلاک کا گلہ کر رہا ہو۔ یا تو اُس مین اب اُٹھنے کی سکت ہی نہین رہی تھی۔ یا وہ نوازشہائے دیرینہ کا اتنا ہی تشکر کافی سمجھتا تھا۔

اگرچہ رفاقت کی وہ صاف گوئی ابھی تک باقی تھی لیکن اب اُس کی کسی کی نگاہ مین کچھ وقعت نہ تھی۔ وہ ہرزہ سرائی سمجھی جاتی تھی جیسے کسی بیکس بیوہ کی گالیان۔ ایکروز چند پڑوسیون نے اُس بڑھی بیوی کے متعلق کوئی پھبتی کہی۔ زود رنجی بینوائی کی ایک خاص صفت ہے۔ دفتری جامہ سے باہر ہوگیا۔ نیم برہنہ ایک پھٹا پاجامہ پہنے ہوئے وہ تندو گرم ہو رہا تھا۔ گلے کی رگین تنی جاتی تھین۔ پنڈلیون مین رعشہ تھا۔ منھ مین پھکڑ۔ مگر اہل خطاب میٹھے تاش کھیل رہے تھے۔ گویا کوئی کتّا بھونک رہا ہو۔ وہ ذلت کی اُس حد تک پہونچ گیا تھا کہ لوگ اسکے غصہ کو بھی حقیر سمجھنے لگے تھے!

ایک بار میری تحریک سے دفتر کے اہلکارون نے ازراہ ہمدردی اس کے لئے مہینہ بھر کی جنس خرید کر رکھدی۔ مگر مہینہ بھر کی جنس ایک ہفتہ مین غائب ہوگئی۔ چاول کے بدلے آم لئے گئے۔ دال کے بدلے جامن۔ دن مین تین تین بار چولھا جلا۔ اور پھر وہی فاقہ مستی اور تنگدستی شروع ہوگئی۔ انجام کار لوگون کے دل اُس کی طرف سے سخت ہوگئے۔

کوئی اب اُسے ایک پیسہ قرض نہ دیتا۔ وہ سامنے کھڑا، عاجزانہ صورت بنائے منتین کرتا۔ دعائین دیتا۔ پر کوئی اُسکی طرف آنکھ اُٹھاکر بھی نہ دیکھتا تھا۔

(۵)

شام کا وقت تھا۔ مین دفتر سے آکر دروازے پر بیٹھا ہوا اخبار دیکھ رہا تھا اور تفریح کے طور پر حقہ کے کش بھی لیتا جاتا تھا (معلوم نہین اورون کا کیا خیال ہے پر مجھے تو تمباکو تکان دماغ کا بہترین مصلح معلوم ہوتا ہے) کہ دفعتہً مین نے میان رفاقت کو آتے ہوئے دیکھا۔ شاید کوئی دہقانی آدمی سمن والے چپراسی سے بھی اسقدر خائف نہ ہوتا ہوگا۔ لڑکے ٹیکا لگانے والے سے بھی اسقدر نہ ڈرتے ہون گے۔ مین ایک عالم وحشت مین کرسی سے اُٹھا اور چاہا کہ اندر جاکر دروازہ بند کرلون۔ مگر بدقسمتی سے چلم اس پریشانی مین دامن سے اُلجھکر زمین پر گر پڑی اور مین اُسے اُٹھانے مین مصروف ہوگیا۔ اتنے مین دفتری دروازہ کے سامنے آگیا۔ اب میرے لئے راہ فرار بند تھی۔ کرسی پر بیٹھ گیا پر ناک بھون چڑھائے ہوئے۔ دفتری کس لئے آرہا تھا۔ اسمین مجھے ذرہ بھر بھی شک نہ تھا۔ استقرار اس مین میرا مشیر تھا۔ قرضگیرون کی غرض اُن کے چہرہ پر، اُنکے حرکات وسکنات پر، جلی خطون مین، روشن رنگون سے کھنچی ہوتی ہے۔ وہ ایک خاص قسم کی خفت آمیز لجاجت ہوتی ہے جسے ایک بار دیکھ کر پھر نہین بھلایا جاسکتا۔

دفتری نے آتے ہی آتے بغیر کسی دیباچہ یا تمہید کے اپنا مدعا بیان کردیا جسکا مجھے پہلے ہی سے علم تھا۔

مین نے ترشی سے جواب دیا، میرے پاس روپے نہین ہین۔

دفتری نے سلام کیا اور اُلٹے قدم لوٹا۔ اُسکے چہرہ پر ایسی حسرت، ایسی بیکسی چھائی ہوئی تھی کہ مجھے بے اختیار اُسپر رحم آیا۔ اُس کا اس طرح لوٹنا کتنا پُرمعنی تھا۔ اس مین تقصیر کا اعتراف، گزشتہ کی ندامت۔ اپنی معذوری کا اظہار، یہ سب جذبات چھپے ہوئے تھے۔ اُسکی

زبان سے ایک لفظ بھی نہ نکلا لیکن اسکا چہرہ مجسم بیان ہو کر کہہ رہا تھا "مجھے یقین تھا کہ آپ مجھے یہی جواب دینگے - اسمین مجھے ذرہ بھر بھی شک نہ تھا - لیکن باوجود اس یقین کے مین یہان تک آیا - معلوم نہین کیون ؟ خود میری سمجھ مین نہین آتا - شاید آپ کی دردسی کا خیال، آپ کی نگاہ ترحم کی اُمید، مجھے یہان تک لائی - اب جاتا ہون - وہ منھ ہی نہین رہا کہ عرض حال کرون - اِس تکلیف دہی کے لئے معاف فرمائے گا "

مین نے دفتری کو آواز دی، ذرا سنو تو - کیا ضرورت ہے -

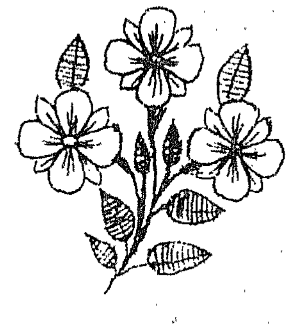
دفتری کی اُمید کچھ تازہ ہوگئی - بولا - حضور آپ سے کیا عرض کرون - دو دن سے لگاتار فاقہ ہو رہا ہے! مین نے بہت ملائم انداز سے سمجھایا " مگر اس طرح قرض وام لینے سے تمہارا کتنے دنون تک کام چلیگا - اپنا خرچ سمیٹتے کیون نہین ہو؟ جتنا پاتے ہو اس سے کم خرچ کرو خواہ کتنی ہی سخت ضرورت کیون نہ درپیش ہو - پھر روز ازل سے کیون قرض کی فکر سوار ہو - اِسی خیال سے مین نے ایک بار تمہارے لئے مہینہ بھر کے خرچ کا انتظام کر دیا تھا - مگر تم نے پھر وہی پرانی روش اختیار کی - تم سمجھدار آدمی ہو - جانتے ہو کہ اس زمانہ مین کسی کے پاس ہر وقت روپئے موجود نہین رہتے - ہر شخص اپنی اپنی فکرون مین مبتلا ہے اور بالفرض کسی کے پاس ہون بھی تو وہ قرض داون ودرد سر خریدن کے مصداق کیون عمل کرنے لگا ؟ دس دروازون کا چکر لگاتے ہوتب کہین ایک جگہ مراد برآتی ہے - بتلاؤ یہ کتنی شرمناک بات ہے! آخر معاملہ کیا ہے! تمہاری یہ حالت مین دو ڈھائی سال سے دیکھ رہا ہون - اسکے قبل تو تم بہت فارغ البال نظر آتے تھے "

دفتری نے متوکلانہ انداز سے کہا حضور تقدیر کی گردش ہے اور کیا عرض کرون - آپ پر تو سب روشن ہے - مین اپنی اہلیہ کے ہاتھون خستہ و خوار ہون - مین حلفیہ کہتا ہون مجھے اُسکے اندھے اور لنگڑے ہونے مین شمہ بھر بھی ملال نہین ہے - یہ تو مولی کی مرضی ہے افسوس مجھے اُس کے چٹورے پن کا ہے میری تقدیر کی گردش، میری بدنصیبی، میری

خانہ بربادی، تیرے نحس ستارے، سب کچھ اسی شکم پرستی کے نام ہیں۔ یہی میری نحوست کی گٹھڑی ہے۔ میں نے کئی بار چاہا کہ ماہوار انتظام کروں پر جو چیز مہینہ بھر کے لئے لاتا ہوں وہ ایک دن میں اُڑ جاتی ہے۔ اگر ایک دن دودھ نہ ملے تو جناب منہ مچا دے، صبح کو ناشتہ کے لئے امرتیاں نہ لاؤں تو گھر میں قیامت برپا ہو جائے، اگر گوشت نہ پکے تو میری بوٹیاں نوچ کھائے۔ خاندان کا شریف ہوں، یہ بے حرمتی نہیں برداشت ہوتی کہ کھانے پینے کے لئے بیوی سے ہم ہیچ کروں، اُسکی بدزبانی کے خوف سے تھرتھر کانپتا رہتا ہوں۔ اُسکی جو کچھ اُلٹی سیدھی فرمایش ہوتی ہے سر کے بل بجا لاتا ہوں۔ جناب ایسی تُنک مزاج ہے کہ ناک پر مکھی نہیں بیٹھنے دیتی۔ بس اب خدا سے یہی دعا ہے، کہ مجھے دنیا سے اُٹھالے اور اس عذاب سے نجات دے۔ اسکے سوا مجھے تو اور کوئی صورت نہیں نظر آتی۔ میں سب کچھ کرکے ہار گیا۔

میں لاجواب ہو گیا۔ صندوق سے پانچ روپے نکالے اور اُسے دے کر بولا "یہ لو، یہ تمہاری غیر تمندانہ مستقل مزاجی کا انعام ہے۔ قرض نہیں ہے۔ مجھے نہیں معلوم تھا کہ تمہارا دل اتنا وسیع ہے"

دفتری نے زمین دوز سلام کیا اور چلا گیا۔



دو بھائی

(۱)

صبح کے وقت، آفتاب کی سہانی سنہری دھوپ مین جسودھا اپنے دونون بیٹون کو زانوؤن پر بٹھائے دودھ اور روٹی کھلاتی تھی - کرشن بڑا تھا - بلرام چھوٹا - دونون منھ مین لقمہ لیتے - کئی قدم اُچھل کود کر پھر زانوؤن پر آبیٹھتے - اور اپنی توتلی بولی مین اُن موزون فقرون کی رٹ لگاتے تھے جو ایک پُرانے زندہ دِل شاعر نے کسی جاڑے کے ستائے ہوئے لڑکے کی زبان سے ادا کئے ہین -

دیو دیو گھام کرو - تمھرے بالک کو لگتا جاڑ -

مان اُنھین چُمکار کر بلا لیتی اور بڑے بڑے کَوْر کھلاتی - اسکے دل مین محبّت کا سرور تھا - آنکھون مین غرور کی جھلک - موتی تو آب مین تھا - حباب لہرون کے اوپر!

دونون بھائی بڑھے - ساتھ ساتھ گلے مین باہین ڈالے کھیلتے تھے کرشن ذہین تھا - بلرام توانا - دونون مین اتنی محبّت تھی کہ ساتھ ساتھ مکتب جاتے مگر اکیلے مٹھائی نہ کھاتے تھے -

دونون بھائیون کی شادیان ہوئین - کرشن کی رادھا چرب زبان اور چنچل تھی ہرن کی سی آنکھون والی بلرام کی شیاما سانولی، سلونی، خوش قامت لحیم عورت تھی - بہت شیرین زبان، بہت متین، بہت کم سخن، -

کرشن رادھا پر موہے، بلرام شیاما پر ریجھے - مگر جسودھا کا من کسی سے نہ ملا دونون سے خوش اور دونون سے ناراض تھی - اُسکی قوت تقریر و تضحیک، تمثیل

بہت کچھ اس بیکار کوشش میں صرف ہوتی کہ رادھا اپنے شعور کا ایک حصہ شیاما کے خلق سے بدل لے۔

دونوں بھائی صاحب اولاد ہوئے۔ تناور درخت خوب پھیلا اور پھلوں سے لد گیا۔ چھریرے درخت میں صرف ایک پھل نظر آیا۔ وہ بھی کچھ زرد سا مرجھایا ہوا۔ مگر دونوں تقدیر کے شاکی تھے۔ بلرام کو زر و مال کی ہوس تھی۔ کرشن کو اولاد کی تمنا۔

اِس شکوۂ تقدیر نے رفتہ رفتہ رشک کی صورت اختیار کی۔ جو حسد کا پیش خیمہ تھی۔ شیاما اپنے بچوں کے ساز و پرداخت میں مصروف رہتی۔ سر اٹھانے کی فرصت نہ ملتی تھی، غریب رادھا کو چولھے میں جلنا اور چکی میں پسنا پڑتا۔ یہ کوفت اور جلن کبھی کبھی ناخوشگوار الفاظ میں ظاہر ہوتی۔ شیاما سنتی، کڑھتی اور ضبط کرتی۔ مگر اُسکا یہ ضبط وہ خموشی تھی جو ساہوکار کے تقاضوں کو روز بروز سختی کی جانب مائل کرتی ہو۔ یہاں تک کہ آخری پیمانہ لبریز ہو گیا۔ ہرن راہ فرار نہ پاکر شکاری کی طرف لپکا۔ غضبناک پیکار کے لئے سینگیں جھکائے ہوئے۔ رادھا اور شیاما زاویہ بنانے والے خطوں کی طرح علیحدہ ہو گئیں۔ اُسدن ایک ہی گھر میں دو چولھے جلے۔ مگر بھائیوں نے دانہ کی صورت نہ دیکھی۔ اور جسبودھا سارے دن روتی رہی۔

(۲)

کئی سال گذر گئے۔ دونوں بھائی جو کسی زمانہ میں ایک ہی زانو پر بیٹھتے تھے ایک ہی تھالی میں کھاتے تھے۔ اور ایک ہی چھاتی سے دودھ پیتے تھے۔ اُنہیں اب ایک گھر میں، ایک گانوُں میں رہنا شاق تھا۔ مگر خاندان کی ساکھ قائم رہے۔ اِسلئے اِس رشک اور عناد کی دہکتی ہوئی آگ کو راکھ کے نیچے چھپانے کی کوشش ہوتی تھی۔ اِن کے درمیان اب برادرانہ محبت اور خلوص کا کوئی رشتہ نہ تھا۔ صرف بھائی کے نام کی عزت تھی جو اُنہیں اپنے دامن میں سمیٹے ہوئے تھی۔ بھائیوں کے ارتباط اور یگانگت کا معیار ہماری نگاہوں میں کتنا اونچا ہے؟ ماں اب بھی زندہ تھی دونوں بیٹوں

کی لاگ کو دیکھتی تھی، اور کڑھتی تھی، دل میں محبّت وہی تھی۔ مگر آنکھوں میں غرور نہ تھا۔ پھول وہی تھا، مگر اسکی شگفتگی رخصت ہو گئی تھی۔

دونوں بھائی جب بچے تھے تو ایک کو روتے ہوئے دیکھکر دوسرا بھی رونے لگتا تھا۔ وہ تب بے سمجھ نادان اور بھولے تھے۔ آج ایک کو روتے ہوئے دیکھکر دوسرا ہنستا تھا۔ اور تالیاں بجاتا تھا۔ اب وہ سمجھ دار، دانشمند اور ہوشیار ہو گئے تھے۔

جب اُنھیں اپنے پرائے کی تمیز نہ تھی۔ اُسوقت اگر کوئی آدمی محض چھیڑنے کے لئے ایک کو اپنے ساتھ لیجانے کی دھمکی دیتا تو دوسرا زمین پر لوٹ جاتا۔ اور اُس آدمی کا دامن پکڑ لیتا۔ اب اگر ایک بھائی کو موت بھی دھمکاتی تو دوسرے کی آنکھوں میں آنسو نہ آتے۔ اب اُنھیں اپنے پرائے کی تمیز ہو گئی تھی!

بیچارے بلرام کا حال تباہ تھا۔ عیال کثیر، آمدنی قلیل، اُسپر وضعداری کا تباہ، دل چاہے روئے، مگر ہونٹ ہنستے رہیں، سینہ تمام داغ داغ ہو مگر کپڑے نہ میلے ہوں، چار لڑکے، چار لڑکیاں، ضروریات زندگی موتیوں کے مول۔ چند پائیوں کی زمینداری کہاں تک سنبھالتی۔ لڑکوں کی شادی غیر اختیاری تھی۔ مگر لڑکیوں کی شادی کیسے ٹلتی۔ دو پائی زمین لڑکی کی شادی کے نذر ہو گئی۔ اسپر بھی باراتی لوگ آنگن سے بھات کھائے بغیر اُٹھ گئے۔ دوسری لڑکی کا بیاہ کچّے دھاگے کی گانٹھ تھی۔ شیاما نے دولہے کو دیکھا اور بھرے آنگن میں پھوٹ پھوٹ روئی۔ سال بھر بعد تیسری لڑکی کی شادی درپیش ہوئی۔ پیڑ پتّے بھی نہ بچے۔ ہاں ڈال بھرپور تھی۔ مگر تنگدستی اور امانت میں سنگ و استخوان کا تعلّق ہے۔ دو سال کی لگان باقی تھی۔ لڑکی کے زیور گرو رکھّے گئے۔ گلا چھوٹا۔ رادھا اسی موقع کی منتظر تھی۔ نئے رشتہ داروں کے یہاں خبر بھیجدی۔ تم لوگ غافل بیٹھے ہو۔ یہاں زیوروں کا صفایا ہوا جاتا ہے۔ تیسرے دن ایک نائی اور دو برہمن بلرام کے دروازہ پر آکر بیٹھ گئے۔ غریب کی گردن میں پھانسی پڑی۔

روپیے کہاں سے آئیں۔ نہ زمین، نہ جائداد، نہ باغ نہ بغیچہ، اعتبار کب کا اٹھ چکا تھا۔ اب اگر کوئی جائداد تھی تو صرف وہی دو کوٹھریاں جن میں اُس نے اتنی عمر گذاری تھی اور اُنکا کوئی گاہک نہیں۔ اِدھر تاخیر و تامّل میں ناک کٹی جاتی تھی۔ مجبور و لاچار ہوکر کرشن کے پاس آیا اور آنکھوں میں آنسو بھرے ہوئے بولا "بھیّا میں اسوقت بڑی آفت میں ہوں، میری مدد کرو"

(۳)

کرشن نے جواب دیا "بلّو! آج کل میں بھی سخت تنگ ہو رہا ہوں، تم سے سچ کہتا ہوں"

رادھا نے مالکانہ انداز سے مداخلت کی "ارے تو کیا اب انکے لئے بھی تنگ ہو رہے ہیں۔ الگ کھانا کھانے سے کیا عزّت الگ ہو جائے گی"

کرشن نے بیوی کی طرف خفیف نگاہوں سے دیکھکر کہا "نہیں نہیں یہ مطلب نہیں تھا۔ ہاتھ تنگ ہے تو کیا کوئی نہ کوئی فکر کرنا ہی پڑے گی"

رادھا نے بلرام سے پوچھا "پانچ بیس سے کچھ اوپر ہی پر گنے رکھے تھے نہ"

بلرام نے جواب دیا "ہاں سود ملاکر کوئی سوا سو روپیے ہوتے ہیں"

کرشن بھاگوت پڑھ رہے تھے۔ پھر پڑھنے میں غرق ہوگئے۔ رادھا نے معاملہ کی بات چیت شروع کی "روپیہ تو بہت ہی ہمارے پاس ہوتے تو کوئی بات نہ تھی، مگر ہمکو بھی دوسرے سے دلانا پڑے گا اور مہاجن بنا کچھ لکھائے پڑھائے روپیہ دیتے نہیں"

بلرام نے سوچا اگر کچھ لکھانے پڑھانے کو ہوتا تو کیا اور مہاجن مر گئے تھے۔ تمہارے دروازے آتے ہی کیوں؟

بولا "لکھنے پڑھنے کو میرے پاس ہی کیا۔ جو کچھ جائداد ہے وہ یہی گھر ہے"

رادھا اور کرشن دونوں نے ایک دوسرے کی طرف مسکراتی ہوئی نگاہوں سے

دیکھا۔ کیا آج سچ مچ زندگی کے ارمان نکلیں گے اور یہ مایۂ شرخانہ بدر ہوگا۔ مگر اس روحانی سرور نے چہرہ تک آتے آتے فکر آمیز غور کی صورت اختیار کر لی۔ رادھا بولیں "گھر پر کوئی مہاجن شاید ہی روپیہ دے۔ شہر ہو تو کچھ کرایہ ہی آئے۔ دیہات میں تو کوئی سینت میں لینے والا بھی نہیں۔ پھر ساجھے کی چیز ٹھہری،،

کرشن نے ڈرتے ڈرتے کہا کہ کہیں کوئی لفظ مصلحت کے خلاف نہ زبان سے نکل جائے "ایک مہاجن سے میری راہ و رسم ہے وہ شاید گہنے سُننے سے راضی ہو جائے"

رادھا نے گردن ہلا کر اس باموقع مداخلت کی داد دی۔ اور فرمایا" ہاں بس ایسی ہی میں معاملہ ہو سکتا ہے۔ اور پھر دو تین بیس سے زیادہ ملنا بھی کٹھن ہے"

کرشن نے جان پر کھیل کر کہا کہ کہیں رادھا کی سخت گیری سے شکار نہ نکل بھاگے۔ "ارے دبانے سے چار بیس ہو جائیں گے۔ اور کیا؟"

رادھا نے ایک پُر ملامت انداز سے دیکھا اور آنکھوں سے اس عجلت کی سرزنش کرنے کے بعد بولی" چار بیس دلا دو میں تو آج ہی لکھ پڑھ دوں۔ مہاجن ایسے اندھے نہیں ہوتے "

بلرام اپنے بھائی اور بھاوج کے رمز و کنایہ کو کچھ کچھ سمجھتا تھا۔ اور حیران تھا کہ انہیں اتنی عقل کہاں سے آگئی۔ بولا" اور روپیہ کہاں سے آئیں گے؟"

رادھا نے چڑھکر کہا" اور روپیہ کے لئے اور فکر کرو۔ سوا سو روپئے ان دو کوٹھریوں کے اس جنم میں کوئی نہ دیگا۔ چار بیس چاہو تو ایک مہاجن سے دلا دوں۔ لکھا پڑھی کر لو،،

بلرام اب ایک احمقانہ ضد کے ساتھ اڑ گیا۔ بولا" اور کونسی فکر کروں۔ گہنے زیور ہوتے تو کہتا لاؤ گرو رکھدوں۔ یہاں تو کچا دھاگا بھی نہیں ہے۔ جب بدنام ہی ہوئے تو کیا دس کے لئے۔ کیا پچاس کے لئے۔ دونوں ایک ہی ہے۔ اگر گھر بیچ کر میری ناک

بچ جائے - یہان تک تو غنیمت ہی - لیکن گھر بھی بیچون - اُسپر بھی آبرو کے لالے پڑے رہین - ایسا مین نکرونگا - صرف نام کا خیال ہی - نہین ایکبار انکار کر جاؤن تو کوئی میرا کیا بنا لیگا - مرتا کیا نہ کرتا - اور سچ پوچھو تو مجھے اپنے نام کی فکر نہین ہے - مجھے کون جانتا ہے سنسار تو بھیّا ہی کو ہنسے گا"

کرشن کا چہرہ زرد ہوگیا - رادھا بھی گھبرائی - معاملہ فہم عورت تھی اور خوش فہمی کی قدر کرتی تھی - مگر بلرام جیسے کندۂ ناتراش سے اُسے ایسی گرفت کی اُمید نہ تھی - قدر دانانہ انداز سے اُسکی طرف دیکھکر بولی "لالہ! کبھی کبھی تم بھی بچّون کی سی بات کرنے لگتے ہو - بھلا اس جھوپڑی کو کون سوا سو روپئے نکالکر دیدے گا - تم سوا سو کے بدلے سو ہی دلوا دو - مین آج ہی اپنا حصہ بیچتی ہون - آتنا ہی میرا بھی تو ہے - گھر پر تو تم کو وہی چار بیس ملین گے - ہان اور روپیہ کی فکر ہم خود کر دین گے - عزّت ہماری تمہاری ایک ہے - وہ نہ جانے پائے گی - یہ روپیہ الگ کھاتے مین چڑھا دیا جائے گا"

بلرام کی باچھین کھل گئین - اُسنے میدان مار لیا - سوچنے لگا مجھے تو روپیہ سے کام ہی چاہے ایک نہین دس کھاتون مین چڑھا لو - رہا مکان! وہ جیتے جی چھوڑتا نہین - خوش خوش چلا - اسکے جانے کے بعد رادھا کرشن نے بھروپ کھول دیا - اور بہت دیر تک اس معاملہ کے حسن و قبح پر مباحثہ کرنے اور ایک دوسرے کو اس کڑے سودے کا قصوروار ٹھہرانے کے بعد اس طرح دل کو سمجھایا کہ لقمۂ شیرین قدرے پُرنہ ہو تو مضائقہ نہین - ہان اب دیکھین شیاما رانی اِس گھر مین کیسے راج کرتی ہین -

(۴)

دنیا مین نیک اوصاف اِسقدر معدوم کیون ہین - اِسکا خالق وہ پاک ہستی ہے جو فیض و رحمت کا بحر بیکران، اور جود و کرم کا سرچشمہ ہے - کیا اُسنے یہ بہشتی نعمتین دنیا کو نہین دین!

جس قدرت کاملہ نے دنیا کا نظام قائم کیا۔ اور بڑے بڑے سماوی اجرام حتیٰ کہ عناصر اور ہیولیٰ کو بھی مقررہ قوانین کا مطیع فرمان بنایا۔ اُسنے انسان جیسی ضعیف ہستی کو کیون اسقدر آزاد کردیا، جبکہ وہ اِس آزادی کا ہمیشہ بیجا استعمال کرتا ہے!

وہ دونون بیل جو کرشن کے دروازے پر بندھے ہوئے ہین ان مین کتنی دوستی ہے دونون ایک ہی جوئے مین چلتے ہین۔ بس اتنا ہی ناتا ہے۔ مگر ابھی چند روز ہوئے جب اِنمین سے ایک رادھا کے میکے مین مانگے گیا تھا تو دوسرے نے یہان تین دِن تک ناند مین منھ نہین ڈالا۔

مگر ایک گود کے کھیلے ہوئے بھائی، ایک چھاتی سے دودھ پینے والے، آج اتنے بیگانہ ہوگئے ہین کہ ایک گھر مین رہنے کے روادار نہین۔ کرشن کی ہنسی اُسدن بجے گی جب غریب بلرام اپنے بال بچون کو لئے، خانہ تباہ، آوارہ وطن بننے پر مجبور ہوگا۔

صبح کا وقت تھا۔ کرشن کے دروازے پر گانون کے مکھیا اور نمبردار جمع تھے اور منشی داتا دیال منشیانہ شکوہ وتجمل کے ساتھ چارپائی پر بیٹھے رہن نامہ کا مسودہ مرتب کرنے مین غرق تھے۔ بار بار قلم بناتے۔ بار بار قط رکھتے۔ مگر خط کی شان نہ سدھرتی تھی۔ کرشن کا چہرہ اُسی منظر صبح کی طرح شگفتہ تھا۔ اور رادھا خوشی سے اُچھلی پڑتی تھی۔ مگر غریب بلرام اُن غمناک خیالون مین جو تاریکی کے رفیق ہین اور روشنی مین پاس نہین آتے۔

مکھیا نے کہا۔ "بھائی ایسا ہت، نہ بھائی ایسا دشمن، کرشن مہاراج نے چھوٹے بھائی کو سنبھال لیا۔

نمبردار نے عالمانہ انداز سے فرمایا۔ "کرشن مہاراج نے تو سارے گوکُل کو بچالیا تھا۔ چھوٹا بھائی تو پھر بھائی ہے۔"

مختار نے فرمایا۔ "بھائی سپوتون کے یہی کام ہین،،

داتا دیال نے پوچھا۔ "راہن کا نام؟

بڑے بھائی بولے "بلرام ولد باسدیو"

"اور مرتھن؟"

"کرشن ولد باسدیو"

بلرام نے بڑے بھائی کی طرف دیکھا۔ حیرت آگے تھی۔ آنسوؤں کی قطار پیچھے۔ کرشن نے بھی اسکی طرف دیکھا نگاہ سامنے نہ ہو سکی۔ یہ انسان پر قدرت کی فتح ہے۔

منیم دار اور مختار اور نکھیا سب چونکے۔ کیا کرشن خود ہی روپئے دے رہا ہو بات چیت تو کسی ساہوکار کی تھی۔ جب گھر ہی میں روپیہ موجود تھا تو اس رہنامہ کی کیا ضرورت تھی۔ کیا بھائی بھائی مین اتنا اعتبار نہین۔ ایے رام رام!

آنکھین محو اشارہ ہوئین۔ گویا کشتیان حیرت کی اتھاہ ندی مین ڈگمگانے لگین۔ شیاما دروازہ پر کھڑی تھی۔ وہ کرشن کی ہمیشہ عزت کرتی تھی۔ مگر آج محض رواج کی پابندی نے اس موقع پر اُسے اپنے خیال کے اظہار سے باز رکھا۔

بوڑھی ماں نے سُنا۔ سوکھی ندی اُمڈ آئی۔ اُسنے ایکبار آسمان کی طرف دیکھا۔ اور ماتھا ٹھونک لیا۔ نوشتۂ تقدیر سے ہار گئی۔

تب اُسے اُس دن کی یاد آئی جب ایسی ہی سہانی سُنہری صبح تھی اور دو پیارے پیارے گلعذار بچے اسکی گود مین بیٹھے ہوئے اُچھل اُچھل دودھ اور روٹی کھاتے تھے۔ اسوقت اسکی آنکھون مین کتنا غرور تھا۔ دل مین کتنا حوصلہ، کتنی اُمنگ ہے!

مگر آج! آہ آج آنکھون مین ندامت کے آنسو ہین۔ اور دل پر حسرت و حزن کا ایک بارِ گران۔ اُسنے ایکبار پھر زمین کی طرف دیکھا اور لہجۂ یاس مین بولی۔

"نارائن! کیا ایسے لڑکون کو میرے ہی کوکھ سے جنم لینا تھا!"

تمام شد

٨٩١